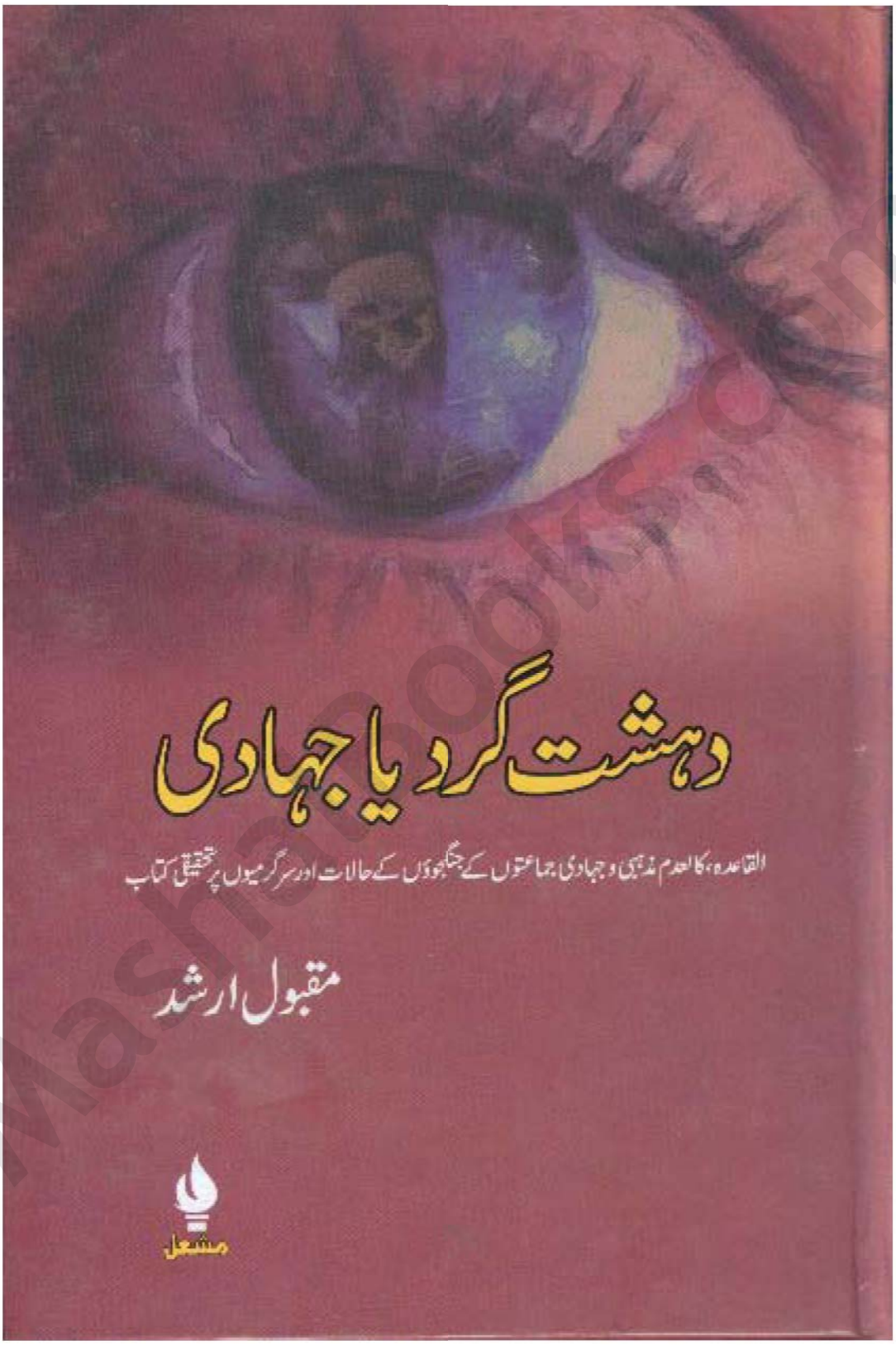

# دہشت گرد یا جہادی

القاعدہ، کالعدم مذہبی و جہادی جماعتوں کے جنگجوؤں کے حالات اور سرگرمیوں پر تحقیقی کتاب

مقبول ارشد

مشعل

Mashalbooks.com

# پیش لفظ

وہ بہت پریشان تھا۔ اگلے جہان پہنچ جانے کا خوف اس کے پورے وجود پر طاری تھا لیکن اسے بتایا گیا تھا کہ جنت میں اس کا انتظار ہو رہا ہے۔ یہ وہ دلیل تھی جس نے اسے پرسکون اور مطمئن کر رکھا تھا۔ سارے راستے وہ دعائیں پڑھتا رہا۔ گاڑی میں بیٹھے ہوئے بھی اس کے ہاتھ نہیں کپکپائے۔ آخری لمحات میں موت سے قریب ہوتے ہوئے وہ بہت اعتماد سے آگے بڑھا۔ وہ جانتا تھا کہ کچھ ہی لمحوں بعد وہ اس دنیا میں نہیں ہوگا لیکن اس کے قدم پھر بھی نہیں ڈگمگائے۔ کیسی ہمت اور کیسا جذبہ تھا؟ اس نے اپنی زندگی کی آخری حرکت کی اور ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا۔ اس کا وجود ختم ہو چکا تھا۔ اپنے ساتھ وہ 14 ہم وطنوں اور ہم مذہب لوگوں کو بھی موت کے اندھیروں تلے لے جا چکا تھا۔

وہ کون تھا؟ اس نے یہ خطرناک اقدام کیوں کیا؟ کس نے اسے ایسا کرنے کو کہا؟ اس کا پس منظر کیا ہے؟

کوئی بھی انسان اس طرح اپنی جان نہیں دے سکتا۔ یقیناً اسے کسی نے یہ قدم اٹھانے کے لیے قائل کیا ہوگا۔ اسے تربیت دی ہوگی۔ اسے یہ امید دلائی ہوگی کہ یہ ''جہاد'' ہے اور اس کے اس اقدام کے بعد ''جہاد'' زندہ ہو جائے گا اور وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔

MashalBooks.com

جنت میں جانے کا خواب کون نہیں دیکھتا بالآخر اس نے اپنے اس خواب کی تعبیر پانے کے لیے موت کو گلے لگالیا۔ کیا اس خودکش حملہ آور کے یہ قدم اٹھانے سے ''جہاد'' زندہ ہوگیا؟ شر کا خاتمہ ہوگیا؟

ان تمام سوالات کے جوابات کا تجزیہ یقیناً ان تنظیموں اور گروپوں نے ضرور کیا ہوگا جنھوں نے اسے یہ سب کچھ کرنے پر مجبور کیا۔ وہ تنظیمیں اور گروپ جانتے ہیں کہ پاکستان میں منبر و محراب سے جہاد کی صدائیں بلند ہوتی ہیں اور اپنے عقائد کی سربلندی کے لیے شہادت کو ایک منطقی منزل خیال کیا جاتا ہے۔ اس لیے یہاں ایسے نوجوانوں کی بڑی تعداد موجود ہے جنھوں نے روسی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے مذہبی جہادی جماعتوں اور مدارس سے باقاعدہ نظریاتی اور عسکری تربیت حاصل کی اور پھر جہاد میں حصہ لیا۔ روس ٹوٹ گیا اور جہاد ختم ہوگیا لیکن پھر جہاد کے معنی اور مراکز بدل گئے۔ ان نوجوانوں کے گھروں میں جو کسی نہ کسی حوالے سے اس جنگ سے متاثر ہیں اب بھی وہی جذبہ موجود ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک جہاد ابھی ختم نہیں ہوا بلکہ حکمران مرتد ہوگئے ہیں۔

اس خودکش حملہ آور کو بھی شاید یہی کچھ سکھایا اور بتایا گیا تھا کہ امریکی غلامی میں چلے جانے والے حکمرانوں، اپنے ہم منصب مسلمان بھائیوں اور غیر مسلم اہداف پر حملے کرنا ''جہاد'' ہے۔ اس ''جہاد'' کا ایک اور سبب دینی مدارس اور انتہا پسند کالعدم تنظیموں کے خلاف جنرل پرویز مشرف کے اقدامات بھی تھے۔

نائن الیون کے بعد جنرل مشرف نے مغرب کو دو یقین دہانیاں کرائی تھیں۔

اول یہ کہ وہ پاکستان میں قائم دینی مدارس اور دیگر مذہبی اداروں سے انتہا پسندی کا خاتمہ کر دیں گے اور دوئم یہ کہ وہ ملک کی مذہبی اور جہادی جماعتوں کو نکیل ڈال لیں گے۔ جنرل مشرف کی اس یقین دہانی کے بعد امریکہ نے پاکستان کے لیے اپنے خزانے کے منہ کھول دیئے تاہم تمام تر یقین دہانیوں اور جنرل مشرف کے ٹھوس اقدامات کے باوجود امریکہ یہی سمجھتا ہے کہ جنرل مشرف نے وعدے پورے نہیں کیے۔ مغرب کے لیے خطرناک مذہبی و جہادی تنظیمیں بدستور پاکستان میں متحرک ہیں اور مدارس ایسے انتہا پسندانہ نظریاتی کی کلیدی آماجگاہ بن چکے ہیں جہاں سے دہشت گردی کے نیٹ ورک کے لیے جنگجوؤں کو بھرتی کیا جاتا ہے۔ بعض امریکی دانشور اور صحافی تو یہ بھی کہتے ہیں کہ پاکستان میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی پر قابو نہ پانے

MashalBooks.com

کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ فوج نہیں چاہتی کہ یہ سب کچھ ختم ہو۔

13 نومبر 2003ء کو پاکستان میں تعینات اس وقت کی امریکی سفیر نینسی پاول نے اپنی حکومت کی جانب سے اس بات پر گہری تشویش کا اظہار کیا تھا کہ حکومت پاکستان کی طرف سے دہشت گرد قرار دی گئی تنظیمیں اور گروپس دوبارہ منظّم ہو رہے ہیں اور ان کے لیڈرز اپنی بین ہو جانے والی تنظیموں کے نئے نام رکھ کر کھلم کھلا اپنی سرگرمیوں میں مشغول ہو چکے ہیں۔ یہ تنظیمیں اور گروپس خود پاکستان کے علاوہ پورے خطے اور خصوصاً امریکہ کے لیے خطرے کا باعث بن سکتے ہیں۔

امریکی سفیر کی یہ وارننگ بالکل واضح اور صحیح وقت پر سامنے آئی تھی۔ 14 دسمبر اور پھر 11 دن بعد 25 دسمبر کو جنرل پرویز مشرف پر دو قاتلانہ حملوں نے انٹیلی جنس اور سیکورٹی اداروں کی نیندیں اڑا دیں کیونکہ ابتدائی تحقیقات سے ہی یہ ثابت ہو گیا تھا کہ پاکستان کی کالعدم انتہا پسند تنظیموں اور دہشت گردی کے بین الاقوامی نیٹ ورک کے درمیان رابطے موجود ہیں۔ یہ حقیقت سامنے آنے کے بعد کالعدم انتہا پسند جماعتوں کے کارکنوں کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کیا گیا لیکن اس کریک ڈاؤن سے پہلے ہی وہ لوگ روپوش ہو گئے جن کی حکومت کو تلاش تھی۔ چنانچہ سارا ملبہ چھوٹے کارکنوں پر گرا جو صرف بظاہر ''جہاد'' کی سربلندی کے لیے جدوجہد کر رہے تھے اور ان کا دہشت گردی کی بڑی کارروائیوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

2002ء میں جب ایف بی آئی نے پاکستان انٹیلی جنس کے تعاون سے افغانستان سے فرار ہو کر پاکستان میں روپوش ہو جانے والے القاعدہ کے جنگجوؤں کے خلاف آپریشن کا آغاز کیا تو اسے کئی بڑی کامیابیاں ملیں۔ القاعدہ کی ٹاپ لیڈرشپ کی کراچی، راولپنڈی اور فیصل آباد سے گرفتاری نے یہ ثابت کر دیا کہ القاعدہ کے جنگجو پاکستانی معاشرے میں گھل مل جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بعد ازاں جب 2003ء میں فوج نے قبائلی علاقوں میں ان جنگجوؤں کے خلاف آپریشن کیا تو یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ بعض قبائلی سردار نہ صرف مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والے القاعدہ کے ان جنگجوؤں کی مدد کر رہے تھے بلکہ انہیں فرار ہونے کے راستے بھی مہیا کر رہے تھے۔ اس مقصد کے لیے ان جنگجوؤں نے پیسہ پانی کی طرح بہایا۔ فوج کے ان جنگجوؤں کے خلاف آپریشن، وہاں ہونے والی مزاحمت اور انٹیلی جنس رپورٹوں نے بعد ازاں یہ

MashalBooks.com

بات ثابت کر دی کہ قبائلی علاقوں میں موجود القاعدہ کے یہ ملکی اور غیر ملکی جنگجو ملک میں امن وامان کی خراب صورتحال، خودکش بم دھماکوں اور مغربی اہداف پر حملوں کے ذمہ دار ہیں اور یہ مقامی کالعدم انتہا پسند تنظیموں کے ان ارکان کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں جنہوں نے افغانستان میں تربیت حاصل کی تھی۔

مذہبی و جہادی جماعتوں، کالعدم قرار دی جانے والی تنظیموں کے علاوہ کم وبیش ایک سو سے زائد افراد سے حاصل ہونے والی معلومات اور پھر اپنے طور پر تحقیق کر لینے کے بعد جب میں نے پوری کتاب لکھ لی تو میرے جس کمپیوٹر میں یہ کمپوز شدہ کتاب موجود تھی وہ کمپیوٹر پراسرار طور پر غائب ہوگیا۔ یہ کیسے ہوا؟ اس بات کا آج تک پتہ نہیں چل سکا۔ چنانچہ مجھے دوبارہ محنت کرنا پڑی۔ میں نے تمام تر حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے کتاب میں مبینہ طور پر ہیرو سے دہشت گرد قرار دیئے جانے والے القاعدہ اور کالعدم جماعتوں کے پاکستان سے جڑے جنگجوؤں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے کچھ گرفتار ہوگئے، کچھ مارے گئے اور بعض تاحال روپوش ہیں اور انٹیلی جنس ایجنسیاں سرگرمی سے ان کی تلاش جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس کتاب کو ان جنگجوؤں کے خلاف کوئی چارج شیٹ نہیں کہا جاسکتا بلکہ اس میں ان حالات و واقعات کی تصویر پیش کی گئی ہے کہ کس طرح جہاد کے نام پر دہشت گردی کا کھیل کھیلا جا رہا ہے؟ یہ جنگجو اور ان کی تنظیمیں کیا چاہتی تھیں؟ ان کے خیالات، نظریات، جدوجہد اور سرگرمیاں کیا رہیں اور کیا ہیں؟ کن حالات و واقعات نے انہیں ہیرو سے دہشت گرد بنا دیا؟ اور وہ کون سی وجوہات تھیں جس کی وجہ سے یہ لوگ تشدد اور انتہا پسندی کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے؟ جہاد سے دہشت گردی تک کے اس سفر میں ان کے ساتھ کیا کچھ ہوا اور کس طرح ہوا؟ اس کتاب میں ان تمام تشنہ طلب باتوں کو بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔

مقبول ارشد

لاہور

Email: maqboolarshad@fact.com.pk

MashalBooks.com

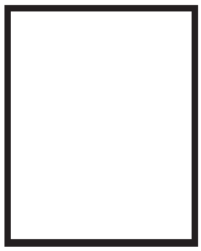

# خالد شیخ

یکم اپریل2003.....

رات کے اڈھائی بجنے میں کچھ منٹ باقی تھے۔ راولپنڈی کے علاوہ ویسٹرج میں سابق صدر جنرل ضیاء الحق کے صاحبزادے اور مذہبی امور کے وفاقی وزیر اعجاز الحق کی کوٹھی سے چند گز دور نثار روڈ پر واقع مکان نمبر J-18 کو ایف بی آئی اور پاکستان انٹیلی جنس ایجنسیوں کے بہت سے افراد نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ان سب کے پاس جدید قسم کا آتشیں اسلحہ تھا۔ باہر سڑک پر بھی خفیہ انداز میں کچھ لوگ کی چہل پہل تھی۔ یہ سب سرگرمیاں انتہائی پراسرار انداز میں ہو رہی تھیں۔ سڑک پر کھڑی گاڑیوں کی ہیڈ لائیٹس بھی بند تھیں۔ جس مکان کو گھیرے میں لیا گیا تھا وہ جماعت اسلامی کی ایک خاتون ناظمہ کا تھا جن کے شوہر معروف ڈاکٹر تھے۔ ان کا ایک بیٹا فوج میں اعلیٰ عہدے پر تھا اور وہ کہوٹہ میں خدمات انجام دے رہا تھا۔ اس مکان پر رات کے اس پہر چھاپہ مارنے سے قبل ایف بی آئی اور پاکستان انٹیلی جنس کے حکام نے ایک میٹنگ میں پوری منصوبہ بندی کی تھی۔ اعلیٰ حکام کو اعتماد میں لیا گیا تھا کیونکہ ان کے پاس مستند اطلاع موجود تھی۔ جیسے ہی گھڑی کی سوئیوں نے ڈھائی بجائے۔ ایک آدمی نے مکان کے باہر لگی بیل بجائی جس پر ڈاکٹر اے کیو لکھا ہوا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی بیسوں افراد نے اندر دھاوا بول دیا۔ ایک

MashalBooks.com

کمرے سے غیر ملکی کو حراست میں لیا گیا اور اسے فوری طور پر آٹو میٹک ہتھکڑیاں پہنا کر آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔ دو مزید افراد کو بھی حراست میں لے کر گاڑیوں میں بٹھایا گیا۔ یہ سب کچھ آناً فاناً ہوا اور اس پورے آپریشن کے دوران ذرا سی بھی مزاحمت نہیں ہوئی۔ جس وقت اس غیر ملکی کو حراست میں لیا گیا وہ سو رہا تھا۔ حراست میں لئے جانے والوں کو فوری طور پر ایک سیف ہاؤس میں پہنچایا گیا اور وہاں اس کے نام کی تصدیق ہوتے ہی آپریشن میں شریک امریکیوں نے سی آئی اے کے سربراہ جارج ٹینٹ کو مطلع کیا۔ امریکی صدر بش اس روز ویک اینڈ کی وجہ سے وائٹ ہاؤس کی بجائے اپنی سرکاری تفریح گاہ کیمپ ڈیوڈ میں تھے۔ جارج ٹینٹ نے اس کامیاب آپریشن میں اسامہ بن لادن کے دست راست اور القاعدہ کے آپریشنل چیف خالد شیخ محمد کی گرفتاری کی اطلاع بش کی قومی سلامتی کی مشیر کنڈولیزا رائس کو دی۔ اس وقت امریکہ میں صبح کے سات بجے تھے۔ یہ بڑی خبر سنتے ہی کنڈولیز ارائس نے بش کے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی اور انہیں صبح سات بجے بیدار کر کے خالد شیخ کی گرفتاری کی اطلاع دی۔

خالد شیخ کی گرفتاری انٹیلی جنس ایجنسیوں کی ایک بہت بڑی کامیابی تھی کیونکہ وہ القاعدہ کا سب سے اہم راہنما اور نائن الیون کے واقعات کا ماسٹر مائنڈ تھا۔ امریکی حکام کے لیے یہ اطلاع بڑی اہم تھی کہ اسے جماعت اسلامی کی خاتون رہنما کے گھر سے گرفتار کیا گیا ہے۔ خالد شیخ اور امریکی انٹیلی جنس میں آنکھ مچولی نائن الیون کے واقعات سے بہت پہلے جاری تھی۔ 1995ء میں پکڑی جانے والی امریکی جہازوں کی بحرالکاہل پر تباہی کی سازش کے انکشاف کے بعد وہ ایف بی آئی اور سی آئی کی توجہ کا مرکز بنا تھا۔ سرکاری حکام کے مطابق اپنے دہشت گردی کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے اپنی تمام تر صلاحیتیں استعمال کیں اور روایتی کار بم دھماکوں' سیاسی قتل' طیاروں سے بمباری' ہائی جیکنگ' آبی ذخیرہ میں زہر ڈالنا اور طیاروں کو گائیڈڈ میزائلوں کے ذریعے تباہ کرنے جیسے تمام اقدامات کو یکجا کیا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اتنے خطرناک شخص کی راولپنڈی سے گرفتاری کتنا بڑا واقعہ تھا۔ اگرچہ جماعت اسلامی کی خاتون ناظمہ کے جس گھر سے خالد شیخ کو گرفتار کیا گیا ان کا آج بھی یہی دعویٰ ہے کہ ہمارے گھر سے خالد شیخ گرفتار نہیں ہوا اور ان کا موقف یہی ہے کہ اس چھوٹے سے باپردہ گھر میں کسی کو پناہ دینا ممکن ہی نہیں۔ یہ کینٹ کا فوجی علاقہ ہے جہاں صرف فوجی افسروں کے گھر اور

دفاتر ہیں۔ یہاں ہر اجنبی کو چیک کیا جاتا ہے۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ دنیا کا مطلوب ترین دہشت گرد فوجی علاقے میں آرام سے رہ رہا ہو؟

خالد شیخ کی راولپنڈی سے گرفتاری ایف بی آئی کے ساتھ پاکستانی ایجنسیوں کی القاعدہ کے خلاف بہت بڑی کامیابی تھی کیونکہ امریکی حکام سمجھتے تھے کہ خالد شیخ ہی ایک ایسا آدمی ہے جو اسامہ اور ایمن الظواہری کے ٹھکانوں اور منصوبوں کے بارے میں کچھ بتا سکتا ہے۔

ایک پلے بوائے کی حیثیت سے مشہور خالد شیخ کی زندگی میں 90ء کی دہائی کے بعد بہت سی تبدیلیاں آئیں۔ 90ء کی دہائی میں وہ ایک انتہائی دولت مند آدمی کے روپ میں عبدالماجد کے نام سے منیلا میں رہتا تھا۔ وہ اکثر اپنے ایک ساتھی عبدالباسط کے ساتھ گھومتا' کلبوں میں جاتا جس کی وجہ سے منیلا کے مقامی لوگ اسے ایک ایسا پلے بوائے سمجھتے تھے جو ہر وقت خواتین کو متاثر کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ اسی دوران (منیلا میں ہی) اس کا ایک خاتون سے معاشقہ شروع ہوگیا۔ ایک بار اس نے اپنے موبائل فون سے محبوبہ کو فون کیا اور اسے فوراً آسمان کی طرف دیکھنے کو کہا۔ جب اس خاتون نے نگاہ اوپر کی تو وہ فضا میں محو پرواز تھا اور ہوائی جہاز کے کاک پٹ میں بیٹھا ہاتھ ملا رہا تھا۔ یہ حقیقت بہت بعد میں سامنے آئی کہ عبدالماجد ہی دراصل خالد شیخ محمد تھا جس کا مشن امریکہ کی تباہی تھا اور اس کا دوست باسط ہی دراصل اس کا بھتیجا رمزی یوسف تھا۔ جہازوں کے ذریعے امریکہ کی بڑی عمارتوں کو اڑا کر جہاد کرنا ان چچا بھتیجوں کا مشن تھا اور اس مشن کے تحت ہی دونوں نے 1993ء میں بھی ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو اڑانے کی منصوبہ بندی کی تھی۔

امریکی انٹیلی جنس حکام کے مطابق خالد شیخ انتہائی خطرناک افراد میں سے ایک ہے لیکن وہ ابھی تک اپنے دعویٰ کے مطابق وہ یہ پتہ نہیں چلا سکے کہ آخر اس نے دہشت گردی کا یہ راستہ کیوں چنا؟

خالد شیخ ایام جوانی میں دنیا بھر میں گھوما اور کہا جاتا ہے کہ 90ء کی دہائی میں ہی وہ امریکہ کے خلاف بڑے حملے کی منصوبہ بندی میں شامل ہو چکا تھا۔ خالد شیخ کا تیار کردہ منصوبہ صرف امریکہ کی تباہی تھا جس کا کوڈ نام Explosion تھا۔ یہ منصوبہ خالد شیخ نے اپنے بھتیجے رمزی یوسف کے ساتھ مل کر بنایا تھا۔ جس کے تحت ایک ہی دن 12 مسافر طیاروں کو اغوا کرنا اور انہیں

فضا میں ہی تباہ کرنا تھا لیکن اس منصوبے پر عملدرآمد نہ ہوسکا اور یہ منصوبہ اس وقت ناکام ہوگیا جب منیلا میں رمزی کا ایک ساتھی عبدالحکیم مراد دھماکہ خیز مواد کو ملاتے ہوئے دھماکے کے باعث حکام کی نظروں میں آ گیا۔ عبدالحکیم نے انٹیلی جنس حکام کو بتایا کہ رمزی یوسف نے اس کے ساتھ ایک طیارہ اغوا کر کے سی آئی اے کے ہیڈکوارٹر سے ٹکرانے کے منصوبہ پر بات کی تھی لیکن یہ صرف فدائی حملہ تھا۔ اس وقت امریکی حکام یہ اندازہ نہیں لگا سکے کہ خالد شیخ کتنا خطرناک شخص ہے۔ اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ اس وقت ہوا جب نائن الیون کے بعد ابوزبیدہ کو گرفتار کیا گیا۔ منیلا میں اپنے ساتھی کے پکڑے جانے کے بعد رمزی پاکستان آ گیا اور پھر یہاں سے گرفتار ہوگیا اور اب وہ امریکی جیل میں قید کی زندگی گزار رہا ہے۔

خالد شیخ کی زندگی پر اگر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مہم جوئی اس کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ وہ اپنے سے تین برس چھوٹے بھتیجے رمزی یوسف کی طرح کویت میں پلا بڑھا۔ اس کی پرورش ایک مذہبی خاندان میں ہوئی۔ اس کے دعوے کے مطابق اس نے صرف سولہ برس کی عمر میں اخوان المسلمین میں شمولیت اختیار کی اور نوجوانوں کے کیمپ میں جہاد کا دیوانہ ہوگیا۔ 1983ء میں سیکنڈری سکول سے گریجویشن کے بعد اس نے کویت چھوڑ دیا اور چاون کالج، سرفرس یوروشمالی کیرولینا جوائن کیا۔ ایک سمیسٹر مکمل کرنے کے بعد اس نے نارتھ کیرولائنا ایگریکلچر اینڈ ٹیکنیکل اسٹیٹ یونیورسٹی گرینس یورو میں تبادلہ کرالیا۔ یہاں پر اس نے رمزی یوسف کے بھائی کے ساتھ تعلیم حاصل کی اور دسمبر 1986ء میں میکینیکل انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی۔

ہر چند کہ خالد شیخ امریکہ میں اپنے قیام کے دوران اسلامی انتہا پسندی کی جانب راغب نہیں تھا لیکن کالج سے گریجوایشن کے بعد وہ افغانستان میں سابق سوویت یونین کے خلاف جہاد میں شریک ہوگیا۔ 1987ء کے اوائل میں اس نے پہلی مرتبہ پاکستان کا دورہ کیا۔ اس نے پشاور کا سفر کیا جہاں اس کے بھائی زاہد نے اس کا تعارف حزب اتحاد اسلامی کے سربراہ پروفیسر عبدالوہاب رسول سیاف سے کرایا۔ سیاف اس کے اتالیق بن گئے اور اسے اپنے کیمپ میں فوجی تربیت فراہم کی۔ خالد شیخ کا دعویٰ ہے کہ اس کے بعد اس نے سوویت یونین کے خلاف جہاد میں حصہ لیا اور تین ماہ تک محاذ پر رہا۔ اس کے بعد اسے عبداللہ عزام کے لیے انتظامی فرائض کی ادائیگی کے لیے طلب کرلیا گیا۔ بعدازاں خالد شیخ نے افغان گروپوں کی مواصلاتی ضروریات

پوری کرنے والی ایک کمپنی میں کام شروع کر دیا۔ یہیں پر اسے افغانستان میں غاروں کو کھودنے کے لیے ڈرل کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں۔

1988ء سے 1992ء کے عرصہ میں خالد شیخ نے ایک غیر سرکاری سماجی تنظیم (این جی او) کی جلال آباد اور پشاور میں مدد کی۔ سیاف اس تنظیم کے معاون تھے۔ اس تنظیم کا مقصد نوجوان افغانوں کی مدد کرنا تھا۔ 1992ء میں خالد شیخ نے کچھ وقت بوسنیا میں مجاہدین کے ہمراہ گزارا اور ان کے لیے مالی مدد بھی فراہم کی۔ بوسنیا سے واپسی پر قطر کے وزیر برائے مذہبی امور خالد بن حماد التھانی کے مشورہ پر اس نے اپنے اہل خانہ کو قطر منتقل کر دیا۔ وہاں اس نے وزارت پانی و بجلی میں پراجیکٹ انجینئر کا عہدہ سنبھال لیا۔

ہر چند کہ اس دوران میں اس نے بین الاقوامی سفر بھی جاری رکھے تاہم انٹیلی جنس حکام کے مطابق اس کا زیادہ وقت مزید دہشت گردی کی سرگرمیوں میں گزرا۔ اس نے اپنی یہ پوزیشن 1996ء کے اوائل تک برقرار رکھی بعد ازاں امریکی حکام کے ہاتھوں گرفتاری سے بچنے کے لیے وہ پاکستان فرار ہو گیا۔

خالد شیخ پر امریکی اداروں کی نظر سب سے پہلے اس وقت پڑی جب ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر دھماکوں میں اس کا کردار ابھر کر سامنے آیا۔ خالد کے مطابق انہیں رمزی یوسف سے 1991ء یا 1992ء میں معلوم ہوا کہ وہ امریکہ میں حملے کا خواہاں ہے۔ اس وقت رمزی یوسف افغانستان میں دھماکہ خیز مواد کی تربیت حاصل کر رہا تھا۔ 1992ء میں یوسف کی خالد شیخ سے متعدد مرتبہ ٹیلی فون پر گفتگو ہوئی۔ اس دوران رمزی نے اس سے اپنے کام پر پیش رفت پر تبادلہ خیال کیا اور مزید رقم طلب کی۔ 3 نومبر 1992ء کو خالد شیخ نے قطر سے اسے 660 ڈالر ارسال کیے۔ جو رمزی کے ساتھی محمد سلامہ کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہوئے۔ خالد شیخ نے اس کے علاوہ اس آپریشن کے لیے کوئی کام نہیں کیا۔

1993ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کے ارادے نے خالد شیخ کو امریکہ کے خلاف کارروائی کی منصوبہ بندی کے لیے اکسایا۔ 1994ء میں خالد شیخ، رمزی یوسف اور دیگر دو افراد کے ہمراہ فلپائن گیا اور منصوبہ بندی شروع کر دی۔ اس منصوبے کو منیلا ائیر پورٹ، یا بوجنکا سازش کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس منصوبے کے تحت امریکہ کے بارہ جمبو جیٹ کمرشل طیاروں کو دو دن

MashalBooks.com

میں اغوا کیا جانا تھا۔ یہ خالد شیخ کی دہشت گردی کے کسی منصوبے میں پہلی باقاعدہ شرکت تھی۔ منیلا کے ایک اپارٹمنٹ میں 1994ء میں قیام کے دوران خالد شیخ اور رمزی یوسف نے بم اور ٹائمر تیار کرنے کے لیے کیمیکل اور دیگر ضروری اشیاء حاصل کیں۔ انہوں نے ہانگ کانگ اور سیول کے راستے امریکہ جانے والی پروازوں کی بھی نشاندہی کی۔ اسی دوران انہوں نے صدر بل کلنٹن کو ان کے دورہ فلپائن کے موقع پر قتل کرنے کی بھی سازش تیار کی۔ صدر بل کلنٹن کا دورہ نومبر 1994ء میں تھا۔

خالد شیخ ستمبر 1994ء میں فلپائن سے روانہ ہوا اور کراچی میں یوسف رمزی سے ملاقات کی۔ یہاں پر انہوں نے منیلا ائیر پورٹ سازش میں ولی خان امین شاہ کو بھی شامل کیا۔ یہ شخص اسامہ' اسموارائی کے نام سے بھی معروف ہے۔ 1994ء میں یوسف واپس منیلا پہنچا اور نہایت کامیابی سے ڈیجیٹل واچ ٹائمر چیک کیا۔ فلپائن کے حکام نے جب منیلا میں یوسف کا بم سازی کا آپریشن دریافت کیا تو ائیر پورٹ سازش کا بھی انکشاف ہوا تاہم اس وقت خالد شیخ نہایت محفوظ انداز میں اپنی سرکاری ملازمت پر قطر لوٹ آیا۔ یوسف نے کارگو طیارے کے منصوبے پر عملدرآمد کی کوشش کی تاہم 17 اگست 1995ء کو اسلام آباد میں پاکستانی حکام نے اسے گرفتار کرلیا۔ یوسف کی گرفتاری کے بعد خالد شیخ نے دنیا بھر میں اپنا سفر جاری رکھا اور ''جہادیوں'' سے رابطے میں رہا۔ اس نے 1995ء میں سوڈان' یمن' ملائشیا اور برازیل کے دورے کئے۔ ان مقامات پر اس کے دہشت گردی کی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے کوئی واضح شواہد نہیں ملے۔ سوڈان میں اس کی اسامہ سے ملاقات کی کوشش ناکام ہوئی تاہم یہاں پر اس کی ملاقات عاطف سے ہوئی جس نے اسے برازیل میں رابطے کا بتایا۔ جنوری 1996ء میں اسے معلوم ہوگیا تھا کہ امریکی حکام اس کے تعاقب میں ہیں' چنانچہ اس نے قطر چھوڑ دیا اور فرار ہو کر افغانستان پہنچ گیا۔ یہاں پر اس نے پروفیسر عبدالوہاب رسول سیاف سے اپنے تعلقات کی تجدید کی۔

انٹیلی جنس رپورٹوں کے مطابق جس وقت خالد شیخ افغانستان میں اپنے قیام کے مراحل طے کر رہا تھا اسی وقت اسامہ بن لادن سوڈان سے اپنی ہجرت مکمل کر رہے تھے۔ خالد شیخ نے عاطف کے ذریعہ تورابورا میں اسامہ سے ملاقات کا اہتمام کیا۔ اس دوران خالد نے انہیں دہشت گردی کی مختلف کارروائیوں کے لیے منصوبے پیش کئے۔ خالد شیخ کے مطابق 1989ء

کے بعد یہ اس کی اسامہ سے پہلی ملاقات تھی۔ ہر چند کے دونوں نے 1987ء میں ایک ساتھ سوویت یونین کے خلاف جہاد میں حصہ لیا تھا لیکن دونوں میں کوئی خصوصی قریبی تعلق نہیں تھا۔ خالد شیخ کو معلوم تھا کہ اسامہ بن لادن اس کے بھتیجے رمزی یوسف کی گرفتاری کے باعث اس سے ملاقات کریں گے۔ خالد شیخ نے اسامہ سے ملاقات کے دوران انہیں ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر پہلے دھماکے' منیلا ائیر پورٹ سازش اور دیگر منصوبوں سے بھی آگاہ کیا۔ اس دوران خالد شیخ نے ہوابازوں کی تربیت اور مغوی جہازوں کو امریکی عمارات سے ٹکرانے کی تجویز بھی پیش کی۔ یہ تجویز بالآخر گیارہ ستمبر کے واقعات کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

خالد شیخ اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ اس قسم کی کارروائی کے لیے افرادی قوت' رقم اور لاجسٹک سپورٹ کی ضرورت ہے۔ یہ سہولیات القاعدہ جیسی تنظیم ہی فراہم کرسکتی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اس قسم کی تجویز اسامہ بن لادن کو اپیل کرسکتی ہے جو عرصہ دراز سے امریکہ کے خلاف مصروف ہیں۔ خالد شیخ کے خیال میں اس وقت اسامہ بن لادن افغانستان میں اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے عمل سے گزر رہے تھے۔ وہ دوسروں کی تجاویز سن رہے تھے اور امریکہ کے خلاف کارروائی کے لیے کوئی ایجنڈا طے نہیں ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس ملاقات کے دوران اسامہ نے خالد شیخ کی تجویز کو غور سے سنا تاہم انہوں نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس دوران اسامہ نے خالد شیخ سے القاعدہ میں شمولیت اور اپنے اہل خانہ سمیت افغانستان منتقل ہونے کے لیے کہا۔ خالد شیخ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے آزاد رہنے اور مجاہدین کے دیگر گروپوں کے ساتھ کام کرنے کو ترجیح دی۔ اس میں عبدالوہاب رسول سیاف کا جہادی گروپ بھی شامل تھا جو احمد شاہ مسعود کے شمالی اتحاد کے قریب تھا۔ خالد شیخ کے لیے القاعدہ میں شمولیت اور اسامہ کے ساتھ کام کرنا مشکل تھا کیونکہ بن لادن شمالی اتحاد کے مخالف طالبان سے اپنے تعلقات مضبوط کررہے تھے۔

خالد شیخ نے گرفتاری کے بعد تفتیش کاروں کو بتایا کہ اسامہ سے ملاقات کے بعد اس نے بھارت' انڈونیشیا اور ملائشیا کا سفر اختیار کیا اور وہاں پر اس کی ملاقات جمعیت الاسلامیہ کے حنبلی سے ہوئی۔ حنبلی کا تعلق انڈونیشیا سے تھا۔ اس نے افغانستان کے جہاد میں حصہ لیا تھا اور وہ اس جہاد کا دائرہ جنوب مشرقی ایشیا تک بڑھانا چاہتا تھا۔ خالد شیخ نے ایران میں اپنی فیملی کو دوبارہ

MashalBooks.com

جوائن کیا اور وہاں سے انہیں کراچی منتقل کرنے کا اہتمام کیا۔ اس کے دعوے کے مطابق وہ جنوری 1997ء میں دوبارہ سامنے آیا۔ کراچی میں اپنے اہل خانہ کو منتقل کرنے کے بعد اس نے چیچنیا کے مجاہد رہنما الخطاب کا ساتھ دینے کی کوشش کی تاہم وہ آذربائیجان کے راستے وہاں نہیں جاسکا اور کراچی واپس آ گیا۔ اس کے بعد اس نے افغانستان کا رخ کیا تا کہ اسامہ بن لادن سے تعلقات کی تجدید کی جاسکے۔ اگرچہ خالد شیخ اس وقت القاعدہ کا رکن نہیں تھا تاہم اس نے اعتراف کیا کہ 1997ء میں اور 1998ء کی پہلی ششماہی کے دوران اس نے افغانستان کے متعدد سفر کیے۔ اس دوران اس نے اسامہ بن لادن اور اس کے معاونین سے اپنے تعلقات کو فروغ دیا۔ خالد نے عاطف اور سیف العادل کی مدد کی اور انہیں کمپیوٹر اور میڈیا کے پروجیکٹس فراہم کیے۔

خالد شیخ کے مطابق 1998ء میں نیروبی اور دارالسلام میں ہونے والے دھماکے 11 ستمبر کے واقعات کے ارتقا میں اہمیت کے حامل تھے۔ ان دھماکوں نے مجھے اس بات پر قائل کر دیا کہ اسامہ بن لادن نے واقعی امریکہ پر حملوں کا عزم کر رکھا ہے۔ خالد شیخ نے خود کو مفید بنانے' خبریں اور مضامین جمع کرنے' القاعدہ کے دیگر ارکان کی مدد کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ انٹیلی جنس رپورٹوں کے مطابق اسامہ نے عاطف کے مطالبہ پر بالآخر نائن الیون کے لیے خالد شیخ کو گرین سگنل دیا۔ یہ بات 1998ء کے آخر یا 1999ء کے اوائل کی ہے۔ اس کے بعد خالد شیخ نے اسامہ کی قندھار منتقل کرنے کی دعوت بھی منظور کر لی اور براہ راست القاعدہ کے ساتھ کام شروع کر دیا۔ اس نے نائن الیون آپریشن کی منصوبہ بندی' نگرانی اور تیاری کے علاوہ القاعدہ کی میڈیا کمیٹی کے ساتھ کام کیا تاہم اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے حلف وفاداری اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔ نائن الیون آپریشن کے لیے خالد شیخ کی بھرپور توجہ کی ضرورت تھی لیکن اس نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ دیگر منصوبوں پر بھی سوچ بچار جاری رکھی اور دہشت گردی کے دیگر امکانات کا جائزہ لیتا رہا مثلاً اس نے القاعدہ کے ایک رکن عیسیٰ البریطانی کو کوالالمپور بھیجا تا کہ وہ حنبلی سے ملاقات کر کے جنوب مشرقی ایشیا میں جہاد کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ خالد شیخ کے دعوے کے مطابق اس کے بعد بن لادن کی ہدایت پر 2001ء کے اوائل میں اس نے عیسیٰ البریطانی کو امریکہ روانہ کیا تا کہ وہ نیویارک میں یہودیوں کے اقتصادی مقامات کی

MashalBooks.com

نشاندہی کر سکے۔ اس کے علاوہ 2001ء کے موسم گرما میں خالد شیخ نے اسامہ بن لادن سے پھر رابطہ کیا۔ خالد شیخ نے انہیں سعودی عرب کی ایئر فورس کے ہوا باز بھرتی کرنے کی تجویز دی تا کہ سعودی فائٹر جیٹ کے ذریعہ اسرائیل کے شہر Eilat پر حملہ کیا جا سکے۔ اسامہ بن لادن نے یہ تجویز پسند کی تاہم انہوں نے خالد شیخ کو ہدایت کی کہ وہ پہلے نائن الیون آپریشن پر توجہ مرکوز رکھیں۔ خالد شیخ نے اس عرصہ میں عاطف کو بھی تھائی لینڈ' سنگاپور' انڈونیشیا اور مالدیپ میں حملوں کی تجویز دی لیکن اس پر عمل نہیں ہو سکا۔ حالانکہ حنبلی کی تنظیم جمعیت الاسلامیہ کے کارکن نے ممکنہ اہداف کی نشاندی کی تھی۔

خالد شیخ القاعدہ کی صفوں میں نہایت معروف و مقبول تھا۔ نائن الیون کے بعد اسے ایک فرض شناس رہنما قرار دیا جا رہا تھا۔ اس کے ساتھی کارکنان اسے ایک ذہین' محنتی' ذمہ دار اور متحمل مزاج انسان قرار دیتے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ اپنے ہدف میں یکسو تھا۔ القاعدہ کے رہنما ابوزبیدہ نے خالد شیخ کی اس سے بھی زیادہ تعریف کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس میں دوسروں کی پیش کردہ تجاویز کو بہترین بنانے کی زبردست صلاحیت ہے۔ القاعدہ کے رہنما نشری نے بھی اس کے بارے میں ایسے ہی جذبات کا اظہار کیا۔

القاعدہ کی جانب سے جنوب مشرقی ایشیا میں دہشت گردی کا باعث اس کے جماعت الاسلامیہ سے قریبی مراسم تھے۔ ان تعلقات میں حنبلی کو کلیدی اہمیت حاصل تھی۔ حنبلی انڈونیشیا میں پیدا ہوا' وہیں تعلیم حاصل کی۔ 80ء کے عشرے میں وہ روزگار کی تلاش کے لیے ملائشیا پہنچا۔ یہاں پر وہ مختلف انتہا پسند علما کی تعلیمات کے زیر اثر آ گیا۔ ان میں ایک عالم دین عبداللہ تھے۔ عبداللہ نے پہلے حنبلی کو اس بات پر اکسایا کہ جنوب مشرقی ایشیا میں ایک انقلابی اسلامی حکومت کے تصور پر کام کرے۔ اس کے بعد حنبلی کو جہاد میں شرکت کی ہدایت کی اور 1986ء میں افغانستان بھیج دیا۔ عبداللہ نے رسول سیاف کے صدر کیمپ میں تربیت حاصل کی۔ (خالد شیخ نے بھی بعد میں اسی کیمپ میں تربیت حاصل کی تھی) بعد ازاں سویت یونین کے خلاف افغان جہاد میں حصہ لیا۔ اٹھارہ ماہ بعد وہ افغانستان سے ملائشیا روانہ ہو گیا۔ 1998ء میں ہی عبداللہ' ان کی تنظیم جماعت الاسلامیہ اور اسی کے روحانی قائد ابوبکر بشیر نے القاعدہ سے اتحاد و تعاون کی پیشکش قبول کر لی۔ یہ اتحاد یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف جہاد کی غرض سے تھا۔

MashalBooks.com

حنبلی نے کراچی میں خالد شیخ سے ملاقات کی تا کہ جماعت الاسلامیہ کے کارکنوں کی افغانستان میں تربیت کا اہتمام کیا جاسکے۔ خالد شیخ سے قریبی تعلقات کے علاوہ حنبلی نے عاطف سے بھی بات چیت شروع کر دی۔ علاوہ ازیں القاعدہ نے جماعت الاسلامیہ کے لیے فنڈنگ تیز کر دی تا کہ دہشت گردی کے منصوبوں پر کام ہو سکے۔ عاطف اور خالد شیخ ان منصوبوں کو توسیع دینا چاہتے تھے۔

ان منصوبوں کے تحت جماعت الاسلامیہ کو ضروری اہداف کی نشاندی کرنا تھی۔ بم بنانے کا سامان اور دیگر اشیاء حاصل کرنا تھیں۔ جب کہ القاعدہ کو بم بنانے کی مہارت اور فدائی حملہ آور فراہم کرنا تھے۔ القاعدہ اور جماعت اسلامیہ کی اس شراکت کے نتیجہ میں بہت سی تجاویز پیش ہوئیں۔ حنبلی کے رابطوں نے ان میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس نے القاعدہ کی جانب سے محض فنڈ تقسیم کیا۔ ایک مرتبہ القاعدہ کو اپنے حیاتیاتی ہتھیاروں کی تیاری کے پروگرام کے لیے سائنسدان کی ضرورت تھی۔ عاطف نے اس کے لیے حنبلی سے رجوع کیا۔ جس نے امریکہ میں تعلیم حاصل کرنے والے یزید صفات کا ایمن الظواہری سے قندھار میں تعارف کرایا۔ 2001ء میں صفات نے القاعدہ کے لیے انتھریکس تیار کرنے کے لیے قندھار ائیر پورٹ کے قریب واقع لیبارٹری میں کئی ماہ صرف کئے اور اس کام کے لیے مدد کی۔

حنبلی ابتدائی یا بنیادی طور پر جماعت الاسلامیہ کے آپریشن امریکہ کے خلاف نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن القاعدہ سے وابستگی نے اسے امریکی اہداف کے خلاف کارروائی پر اکسایا۔ خالد شیخ نے گرفتاری کے بعد تفتیش کے دوران اس فکری تبدیلی کا کریڈٹ خود لیا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ اس نے جماعت الاسلامیہ کے آپریشن چیف سے کہا کہ وہ امریکی معیشت کو ٹھکانے لگانے پر توجہ مرکوز رکھیں۔ حنبلی کی نئی دلچسپی امریکہ کو ہدف بنانا تھی جو اس کے دہشت گردی کے منصوبوں سے عیاں ہے۔ تاہم اس کا کوئی منصوبہ بھی ثمر آور نہیں ہوا۔

جماعت الاسلامیہ اور حنبلی نے دہشت گردی میں القاعدہ کی اعانت کے علاوہ اس کے کارکنوں کو کوالالمپور سے گزرنے میں بھی مدد کی۔ اس حوالے سے ایک اہم موقع دسمبر 1999ء اور جنوری 2001ء میں آیا تھا۔ خالد شیخ کی درخواست پر حنبلی نے بعض کارکنوں کی مدد کی۔ انہیں کراچی میں تربیت فراہم کی گئی تھی۔ ان میں توفیق بن عطاش بھی شامل تھا۔ یہ شخص خالد

MashalBooks.com

MashalBooks.com

MashalBooks.com

کے نام سے بھی معروف ہے۔ اس نے بعد ازاں امریکی جہاز کول پر حملے اور نائن الیون کے ہائی جیکروں نواف الخزمی اور خالد المہاضر کی مدد کی تھی۔ حنبلی نے خالد شیخ کی درخواست پر القاعدہ کے ان کارکنوں کی رہائش اور مزید سفر کے لیے ٹکٹوں کا بندوبست کیا۔ بعد ازاں حنبلی اور اس کے ساتھیوں نے ذکریا موسوی کو رہائش اور دیگر سہولیات دیں جن میں فلائٹ اسکول کے بارے میں معلومات' المونیم نائٹریٹ کا حصول وغیرہ شامل ہے۔ ذکریا کو خالد شیخ اور عاطف نے ملائشیا بھیجا تھا۔

انٹیلی جنس رپورٹوں کے مطابق حنبلی نے افغانستان میں موجود اسامہ بن لادن کی سہولیات کو جماعت الاسلامیہ کے کارکنان کی تربیت کے لیے استعمال کیا' ہر چند کہ اس کے عاطف اور خالد شیخ سے قریبی مراسم تھے لیکن اس نے القاعدہ سے ہٹ کر اپنی تنظیم جماعت الاسلامیہ کی آزادانہ حیثیت برقرار رکھی۔ اس کا اصرار تھا کہ اس نے اسامہ سے کارروائیوں کے بارے میں خیالات کا تبادلہ کیا اور نہ ہی وفاداری کا حلف اٹھایا۔ وہ ابوبکر بشیر سے وفاداری کا پہلے ہی اظہار کر چکا تھا۔ حنبلی نے ایک پاورفل بیوروکریٹ کی طرح اس وقت سخت اعتراض کیا جب القاعدہ کی قیادت نے اسے مطلع کئے بغیر جماعت اسلامیہ کے ارکان کو دہشت گردی کے منصوبوں کی ذمہ داریاں تفویض کیں تاہم بعد میں اس کا اعتراض دور کر دیا گیا۔ اس دوران حالات پیدا کئے گئے کہ خالد شیخ اور حنبلی دونوں نے القاعدہ میں شمولیت کا فیصلہ کر لیا۔ ان کا خیال تھا کہ دہشت گردی کے ان کے منصوبوں کے لیے بھاری رقم اور افرادی قوت کی ضرورت ہے جو القاعدہ جیسی تنظیم ہی فراہم کر سکتی ہے۔

خالد شیخ کے مطابق اس نے امریکہ پر حملوں کے بارے میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملوں کے بعد رمزی یوسف کی پاکستان واپسی پر سوچنا شروع کر دیا۔ خالد شیخ کا خیال تھا کہ وہ امریکی معیشت کو ہدف بنا کر اس کی پالیسی پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ خالد کے خیال میں نیویارک امریکہ کا اقتصادی دارالحکومت ہے' اس لیے یہ شہر اس کا ابتدائی ہدف بنا۔ اسی بنا پر کیلی فورنیا کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ خالد شیخ کے دعویٰ کے مطابق ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر ہونے والے پہلے دھماکے سے انہیں یہ سبق ملا کہ بمباری اور دھماکہ خیز مواد کا استعمال مسئلہ ہے اور ایسے حملوں کے لیے زیادہ جدید انداز اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اس نے اور یوسف نے منیلا ائیر پورٹ سازش کے دوران

MashalBooks.com

ہی طیاروں کو بطور اسلحہ استعمال کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے 1995ء کے اوائل میں بھی ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور سی آئی اے ہیڈکوارٹر کو ہدف بنانے کے بارے میں سوچا تھا۔ دہشت گردی کے جدید طریقوں پر غور کرنے والا خالد شیخ تنہا نہیں تھا۔ بعض رپورٹوں کے مطابق اسامہ بن لادن ابھی سوڈان میں ہی تھے کہ عاطف نے اس ضمن میں ایک اسٹڈی کی اور اس میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ طیارہ اغوا کرنے کی روایتی کارروائی القاعدہ کے اہداف کے لیے موزوں نہیں ہے کیونکہ اس قسم کے اقدام کے بعد بڑے پیمانے پر ہلاکتوں کی بجائے قیدیوں کی رہائی کے لیے مذاکرات کئے جاتے ہیں۔ اس اسٹڈی میں طیاروں کو اغوا کرنے کے بعد دوران پرواز تباہ کرنے کی حکمت عملی پر غور کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔

خالد شیخ نے تفتیش کاروں سے کہا کہ وہ ہمیشہ تجارتی طیارہ اغوا کرنے اور انہیں فضا میں تباہ کرنے پر غور کرتا رہا۔ اس نے ایک نہایت زوردار منصوبے کا بھی انکشاف کیا۔ اس منصوبے کے مطابق مجموعی طور پر دس طیارے اغوا کئے جانے تھے' ان میں سے نو طیارے دونوں ساحلوں پر اہداف سے ٹکرانے تھے۔ ان میں گیارہ ستمبر کے اہداف کے علاوہ سی آئی اے' ایف بی آئی کے صدر دفاتر' نیوکلیئر پاور پلانٹس' کیلی فورنیا کی بلند ترین عمارات اور واشنگٹن شامل تھے۔ خالد شیخ کو خود دسواں طیارہ امریکی ہوائی اڈے پر اتارنا تھا اور تمام بالغ مردوں کو ہلاک کرنے کے بعد اسے تقریر کرنی تھی جس میں اسرائیل' فلسطین اور عرب دنیا کی جابر حکومتوں کی امریکی سرپرستی کو تنقید کا نشانہ بنایا جانا تھا۔ اس منصوبے سے خالد شیخ کے عزائم کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالد شیخ نے خود کو ایک ایسے منصوبہ ساز کے طور پر پیش کیا جو اپنی کارروائیوں کے لیے سرمایہ اور افرادی قوت کا متلاشی تھا۔ وہ القاعدہ سے تعاون کا خواہاں تھا۔ اس نے 1988ء یا 1989ء میں القاعدہ میں شمولیت اختیار کی۔ اس نے تفتیش کاروں کو بتایا کہ اس کے فوراً بعد ہی اسامہ بن لادن نے امریکہ میں حملوں کی اس تجویز کی تائید کا فیصلہ کیا۔ خالد کا خیال تھا کہ اسامہ کو اس پر عاطف نے قائل کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پورے منصوبے پر عاطف کا کردار نہایت اہمیت کا حامل تھا لیکن اس کا نام پس منظر میں چلا گیا کیونکہ وہ اسے بیان کرنے کے لیے دستیاب نہیں ہے۔ عاطف نومبر 2001ء میں ایک امریکی حملے میں مارا گیا۔

اسامہ نے خالد شیخ کو مارچ یا اپریل 1999ء میں قندھار طلب کیا تھا تاکہ اسے اس کی

تجویز کی حمایت کے فیصلے سے آگاہ کیا جاسکے۔ نائن الیون کمیشن کی رپورٹ کے مطابق القاعدہ میں اس سازش کو ''طیاروں کے آپریشن'' (Planes Operation) کے عنوان سے یاد کیا جانے لگا۔ اسامہ نے اس آپریشن کے بارے میں 1999ء کے موسم بہار میں خالد شیخ اور عاطف سے تبادلہ خیال کیا۔ یہ ملاقاتیں قندھار کے قریب المنز کمپلیکس میں ہوئیں۔ خالد شیخ کے منصوبے میں مغوی طیاروں کو اظہار کا ذریعہ بنانے کی جو تجویز تھی وہ خارج کر دی گئی تاہم اسامہ نے بنیادی آئیڈیا کو قابل عمل قرار دیا۔ خالد شیخ اور عاطف نے ابتدائی طور پر اہداف کی فہرست تیار کی۔ اس فہرست میں وائٹ ہاؤس، پینٹا گون اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر شامل تھے۔ خالد شیخ کے مطابق اسامہ بن لادن وائٹ ہاؤس اور پینٹا گون تباہ کرنا چاہتے تھے جبکہ خالد شیخ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کا خواہاں تھا البتہ دارالحکومت کو ہدف بنانے پر سب کا اتفاق تھا۔

تفتیش کاروں کے مطابق اسامہ بن لادن نے جلد ہی چار فدائی حملہ آوروں کا انتخاب کیا۔ جو خالد المہدر، نواف الہزمی، خلاد اور ابو براہ الیمنی تھے۔ المنز کمپلیکس میں ملاقاتوں کے دوران اسامہ نے خالد شیخ کو مطلع کیا تھا کہ المہدر اور الہزمی امریکی ٹھکانوں پر حملوں کے لیے نہایت پرجوش ہیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے وہاں کا ویزا بھی حاصل کر رکھا ہے۔ خالد شیخ کے مطابق انہوں نے یہ کام اپنے دوست غرام (نشیری کے کزن) کے خودکش حملے کے بعد کیا تھا۔ خالد شیخ کی ان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اسامہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ دونوں امریکہ جا کر ہوابازی کی تربیت حاصل کریں گے۔

خالد شیخ کی گرفتاری کی داستان بڑی دلچسپ ہے۔ انٹیلی جنس حکام اگرچہ اسے منظر عام پر لانا پسند نہیں کرتے لیکن وہ یہ ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ خالد شیخ نے انٹیلی جنس کو تگنی کا ناچ نچا رکھا تھا۔ اس کی گرفتاری شواہد کی کڑیوں سے کڑیاں ملانے کے باعث ممکن ہوئی۔ اس کے علاوہ القاعدہ کے گرفتار ہونے والے جنگجوؤں سے بھی خالد شیخ کے بارے میں مفید معلومات ملیں۔

انٹیلی جنس رپورٹوں کے مطابق 1996ء میں امریکہ کو اطلاع ملی کہ خالد شیخ قطر کے شہر دوحہ میں مقیم ہے۔ ایف بی آئی کی ٹیم اس کی گرفتاری کے لیے مقررہ مقام پر پہنچی تو وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ ایف بی آئی حکام نے بعدازاں شکایت کی کہ قطر حکومت کے بعض حکام نے اسے چھاپے کی پیشگی اطلاع دے دی تھی۔ قطر سے فرار ہونے کے بعد کئی سال ایف

MashalBooks.com

بی آئی کو خالد شیخ کا پتہ نہ معلوم ہوسکا۔ انٹیلی جنس حکام کے مطابق یوسف رمزی کی گرفتاری اور منیلا سے بچ نکلنے کے بعد خالد شیخ نے خود کو از سر نو منظّم کرنا شروع کیا۔

امریکی انٹیلی جنس نے نائن الیون کے بعد القاعدہ کے جنگجوؤں کی گرفتاری کے لیے پاکستان میں اپنے آپریشن شروع کیے تو گرفتار جنگجوؤں کے انکشافات اور ملنے والے شواہد کی روشنی میں امریکی حکام کو یقین ہوگیا کہ خالد شیخ پاکستان میں کہیں چھپا بیٹھا ہے۔ فیصل آباد سے ابوزبیدہ کی گرفتاری نے درحقیقت انٹیلی جنس حکام کے لیے خالد شیخ تک پہنچنے کا راستہ ہموار کیا۔

گرفتاری کے بعد خالد شیخ محمد نے تفتیش کاروں کو واضح طور پر بتایا کہ اسامہ بن لادن نے امریکہ پر حملوں کی منصوبہ بندی 1996ء میں شروع کر دی تھی۔ وہ سنگاپور میں امریکی اہداف پر حملوں کے منصوبے پر بھی کام کر رہے تھے۔ تاہم آگے جا کر یہ گیارہ ستمبر کے چار فضائی حملوں کا منصوبہ بن گیا۔

خالد شیخ محمد نے یہ بھی بتایا کہ 1996ء میں انہوں نے امریکہ پر حملوں کے لیے اسامہ بن لادن کی مدد مانگی تھی۔ ابتدائی منصوبے کے تحت امریکہ کے مشرقی ساحل پر پانچ اور مغربی ساحل پر پانچ مقامات کو نشانہ بنایا جانا تھا تاہم اسامہ بن لادن نے کہا کہ یہ مناسب نہیں۔

خالد شیخ کے تفتیشی ریکارڈ کے مطابق اسامہ بن لادن نے چار افراد خالد شیخ کے حوالے کئے تھے۔ ان میں سے دو یعنی خالد المذھر اور نواف الحازمی پینٹاگون سے ٹکرانے والے جہاز پر سوار تھے۔ دوسرے دو افراد یمن کے شہری تھے اور چونکہ وہ امریکی ویزے نہ حاصل کر سکے اس لیے ان کو ایشیا میں جہاز اغوا کرنے کے منصوبے پر لگا دیا گیا۔

تفتیشی ریکارڈ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گیارہ ستمبر کے حملوں میں محمد عطا سے کہیں زیادہ اہم کردار الحازمی اور المذھر کا تھا۔

تفتیش کے دوران خالد شیخ محمد نے یہ بھی بتایا کہ ان کو اس شخص کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہے جس کا نام عمر البایومی بتایا گیا ہے اور جس نے دونوں حملہ آوروں کو کیلی فورنیا آمد پر مدد فراہم کی تھی۔ خالد شیخ کے مطابق وہ مشرق بعید میں سرگرم تنظیم جماعت اسلامیہ کے ساتھ بھی کام کرتا رہا۔ جماعت اسلامیہ کے کئی کارکن بالی بم دھماکوں کے مجرم پائے گئے۔

MashalBooks.com

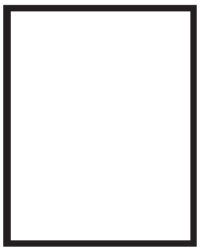

# ابوزبیدہ

26مارچ2002ء کو جب امریکی حکام نے پاکستانی انٹیلی جنس حکام کو القاعدہ کے ایک اہم لیڈر کی فیصل آباد میں موجودگی کی اطلاع دی تو اس وقت پاکستانی حکام کو شاید یہ اندازہ نہیں تھا کہ القاعدہ کی کتنی بڑی شخصیت وہاں چھپی ہوئی ہے لیکن پاکستان میں موجود ایف بی آئی اور سی آئی اے کے لوگ یہ جانتے تھے کہ فیصل آباد میں کون چھپا ہوا ہے؟

سی آئی اے، ایف بی آئی اور آئی ایس آئی کی مشترکہ ٹیم جب فیصل آباد میں اس مکان پر چھاپہ مارنے کی منصوبہ بندی کر رہی تھی جہاں القاعدہ کا وہ لیڈر چھپا ہوا تھا تو انہیں دوسری طرف سے مزاحمت کی توقع تھی۔ تب ہی ایسے انتظامات کئے گئے تھے کہ مقابلے کی صورت میں کسی بھی طرح القاعدہ کے جنگجو وہاں سے فرار نہ ہوسکیں۔ 27مارچ2002ء کو جب تینوں انٹیلی جنس ایجنسیوں کی چھاپہ مار ٹیمیں فیصل آباد پہنچیں تو سوائے چند ایک شخصیات کے کسی کو بھی پتہ نہیں تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں یہاں کیا ہونے والا ہے؟ شام کے وقت اس مکان کو گھیرے میں لیا جاچکا تھا جہاں القاعدہ کے جنگجو موجود تھے لیکن وہاں ہونے والی نقل وحرکت یا اناؤنسمنٹ سے انہیں بھی پتہ چل گیا کہ ان کے ٹھکانے کی نشاندہی ہوگئی ہے۔ تب ہی مکان کے اندر موجود القاعدہ کے جنگجوؤں نے بھی پوزیشنیں سنبھال لیں اور پھر فائرنگ کا تبادلہ شروع ہوگیا۔

MashalBooks.com

27مارچ2002 کی اسی شام فیصل آباد سے ہزاروں کلومیٹر دور سی آئی اے کے ہیڈکوارٹر میں لینگلے میں کچھ اور ہی منظر تھا۔سی آئی اے کے سربراہ جارج ٹینٹ اور ابوزبیدہ ٹاسک فورس کے ممبران گراؤنڈ فلور پر بنے کانفرس روم میں موجود تھے۔جدید مواصلاتی نظام کے ذریعے ان کا رابطہ سی آئی اے' ایف بی آئی اور پاکستان انٹیلی جنس کے ان افسران سے تھا جو اس مکان پر چھاپہ مار رہے تھے۔ جب سی آئی اے کے ایجنٹ نے لینگلے میں یہ اطلاع دی کہ مقابلے کے بعد زخمی حالت میں القاعدہ کے آپریشنل چیف ابوزبیدہ کو گرفتار کرلیا گیا ہے تو کانفرنس روم میں بیٹھے ٹاسک فورس کے تمام ممبران میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

ابوزبیدہ کی گرفتاری جہاں امریکہ اور پاکستان کے لیے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ایک بہت بڑی کامیابی تھی وہاں القاعدہ کے لیے ایک دھچکے سے کم نہیں تھی کیونکہ القاعدہ کے آپریشنل چیف کی گرفتاری کا مطلب یہ تھا کہ القاعدہ کی آدھی کمر ٹوٹ گئی۔اسی روز پوری دنیا میں یہ خبر پھیل گئی کہ ابوزبیدہ کو پاکستان کے صنعتی وتجارتی شہر فیصل آباد سے گرفتار کرلیا گیا ہے۔

ابوزبیدہ جیسا مشکل ٹارگٹ' جس نے نائن الیون کے حملوں میں کلیدی کردار ادا کیا ہو اور وہ القاعدہ کے تمام آپریشنل معاملات اور دہشت گردی کی کارروائیوں کا نگران بھی رہا ہو' اس کا اتنی آسانی سے پکڑے جانا ایک اچنبھے سے کم نہیں تھا تاہم باخبر حلقے جانتے تھے کہ ابوزبیدہ اتنی آسانی سے نہیں پکڑا گیا۔

نائن الیون کے واقعات کے فوراً بعد کاؤنٹر ٹیررازم سنٹر نے سی آئی اے کے ہیڈکوارٹر لینگلے میں میں سپیشل ابوزبیدہ ٹاسک فورس قائم کی تھی۔اس ٹاسک فورس کا کام صرف ابوزبیدہ کی تلاش تھا۔ ٹاسک فورس میں سو افراد کو شامل کیا گیا جن میں سی آئی اے کے سپیشل ایجنٹ' تجزیہ نگار' ٹیکنیشن اور آئی ٹی ایکسپرٹ شامل تھے۔اس ٹاسک فورس نے دنیا بھر سے سی آئی اے کے سپیشل ایجنٹوں کی ہزاروں رپورٹوں' سیٹلائٹ سے اتاری جاسوس تصویروں اور ٹیپ کی گئی ٹیلی فون گفتگو کے بعد بالآخر پتہ چلایا کہ ابوزبیدہ اس وقت فیصل آباد کے ایک مکان میں ہے۔ ٹاسک فورس کی طرف سے واشنگٹن میں بیٹھ کر ابوزبیدہ کا پتہ چلا لینے کے بعد اسے گرفتار کرنے میں صرف 12 گھنٹے لگے۔

ابوزبیدہ کوئی آسان ٹارگٹ نہیں تھا۔اسے محمد عاطف کی ہلاکت کے بعد القاعدہ کا آپریشنل

MashalBooks.com

چیف بنایا گیا تھا۔ محمد عاطف کی افغانستان پر امریکی حملے کے دوران ہلاکت القاعدہ کے لیے ایک دھچکے سے کم نہیں تھی لیکن ابوز بیدہ نے بہت جلد القاعدہ میں اس کمی کو کسی نہ کسی حد تک پورا کرلیا تھا۔

ابوز بیدہ 1973ء میں سعودی عرب میں پیدا ہوا۔ اس کے والدین فلسطینی تھے۔ اس تعلق کی وجہ سے اس کے فلسطین اور لبنان کے جہادی گروپوں سے بھی اوائل عمری میں ہی قریبی تعلقات قائم ہوگئے۔ ابوز بیدہ صرف 18 سال کی عمر میں غزہ میں اسلامک جہاد کا رکن بن گیا تھا۔ افغان جہاد کے دوران وہ پاکستان آ گیا اور یہاں اس نے افغان جہاد میں حصہ ڈالا۔ یہیں اس کی ملاقات اسامہ بن لادن سے بھی ہوئی جنہوں نے اس وقت پشاور کو اپنا مرکز بنایا ہوا تھا۔ ابوز بیدہ کے اسامہ سے یہ تعلقات 26 مارچ 2002ء کو اس کی گرفتاری تک قائم رہے۔

ابوز بیدہ کے مختلف نام تھے اور وہ مختلف حلقوں میں اپنے مختلف ناموں کی بدولت پہچانا جاتا تھا۔ کوئی اسے زیان البدین کے نام سے جانتا تھا اور کوئی اسے محمد حسین کہہ کر پکارتا تھا۔ ابوالہلائی الوہاب بھی دراصل ابوز بیدہ کا ہی نام تھا۔

اسامہ بن لادن نے جب اپنے قریبی حلقوں میں امریکہ کے خلاف اعلان جنگ کیا تو وہ ابوز بیدہ ہی تھا جس نے امریکہ کے خلاف کارروائیوں کے لیے مختلف سیلز تیار کیے تھے۔

ابوز بیدہ کے بارے میں تفتیشی حکام کا کہنا ہے کہ وہ پاکستان میں القاعدہ کے لیے رضا کارانہ طور پر جہادی جذبے کے ساتھ کام کرنے والے لوگوں کو بھرتی کر کے ان کی تربیت کا انتظام کرتا تھا۔ ان تفتیش کاروں کے مطابق ابوز بیدہ افغانستان میں خالدین ٹریننگ کیمپ کا انچارج تھا۔ جہاں القاعدہ کے بہت سے یورپین نژاد عرب جنگجوؤں کو تربیت دی جاتی تھی۔

امریکی حکام کے مطابق 1998ء میں جنوبی افریقہ میں امریکی سفارت خانے پر بم حملوں پر بھی ابوز بیدہ نے ہی عملدرآمد کرایا تھا۔

گرفتاری کے بعد ایف بی آئی اور سی آئی اے کے انتہائی ماہر افسران پر مشتمل جوائنٹ اینٹروگیشن ٹیم نے ابوز بیدہ سے 40 تفتیشی سیشن کیے۔ ابوز بیدہ نے تفتیش کاروں کو القاعدہ کے بہت سے ارکان کے بارے میں بتایا لیکن ان کی اکثریت یا تو گرفتار ہوچکی تھی یا ماری جاچکی تھی۔ ابوز بیدہ کے مطابق امریکہ کے تجارتی مراکز پر بھی حملوں کا منصوبہ بنایا گیا تھا جس

MashalBooks.com

پر عملدرآمد نہیں ہوسکا۔

ابوزبیدہ کو1999ء میں نیو ملینیم کے موقع پر لبنان کی فوجی عدالت نے سیاحتی مقامات پر دھماکے کرنے کے الزام میں سزائے موت سنائی۔ تفتیش کاروں کے مطابق ابوزبیدہ نے دسمبر 1999ء لاس اینجلس انٹرنیشنل ائیرپورٹ پر بھی حملے کا منصوبہ بنایا تھا۔ الجزائر کا احمد وسیم جو اس منصوبے میں ابوزبیدہ کا ساتھی تھا' نے دوران تفتیش فوجی عدالت کو بتایا کہ ابوزبیدہ نے اس مقصد کے لیے افغانستان کے ٹریننگ کیمپ میں ہدایات دیں اور القاعدہ کے لیے جنگجوؤں کو بھرتی کیا۔ احمد وسیم بھی اس کیمپ میں ٹریننگ لے رہا تھا جس میں ابوزبیدہ نے یہ ہدایات جاری کی تھیں۔ احمد وسیم کے مطابق ابوزبیدہ نے ہمیں کینڈین پاسپورٹ حاصل کرنے کو کہا تاکہ امریکہ پر حملے کئے جاسکیں۔

ابوزبیدہ کی گرفتاری کے وقت اس مکان سے جو دستاویزات ملیں اس میں اسامہ بن لادن کا لکھا ہوا ایک خط بھی شامل تھا جس پر اسامہ کے دستخط تھے اور اس میں یہ اطلاع تھی کہ وہ زندہ اور صحیح سلامت ہیں۔ مکان سے ملنے والے شواہد اور ہاتھ سے لکھے ہوئے پیپرز سے اندازہ ہوتا تھا کہ ابوزبیدہ اس وقت امریکی تیل کے ٹینکرز اور سمندر میں موجود امریکی بحری جہازوں پر حملوں کا منصوبہ بنا رہا تھا۔

ابوزبیدہ سے ہونے والی تفتیش کے مطابق اس کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے جہاز ٹکرانے والے بیسویں ہائی جیکر ذکریا موساوی سے بہت اچھے تعلقات تھے اور کہا جاتا ہے کہ فرانس سے تعلق رکھنے والا ذکریا موساوی دراصل خالدین کیمپ کا ہی تربیت یافتہ تھا۔

ابوزبیدہ نے تفتیشی حکام کو یہ بھی بتایا کہ اسامہ بن لادن کی ہدایات پر القاعدہ نے ڈرٹی بموں اور ریڈیالوجیکل بموں کی تیاری بھی شروع کر دی تھی جو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے خلاف استعمال ہونے والے تھے۔ ابوزبیدہ کے مطابق القاعدہ وہ تمام چور راستے جانتی ہے کہ اس طرح کے ہتھیاروں کو امریکہ میں کس طرح سمگل کر کے لایا جاسکتا ہے؟ تفتیش کاروں نے ابوزبیدہ کی اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اس ضمن میں ابوزبیدہ نے جو مزید تفصیلات بتائیں وہ اس کے پہلے بیان کی نفی کرتی تھیں۔

MashalBooks.com

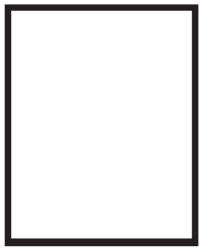

# رمزی بن الشیبہ

کراچی کے پرسکون رہائشی علاقے ڈیفنس فیز II کے چار منزلہ اپارٹمنٹ کی دوسری منزل کے ایک فلیٹ میں 11 ستمبر 2002 کی صبح پاکستانی ملٹری انٹیلی جنس، انٹر سروسز انٹیلی جنس اور پولیس کے چند اہلکار جب چھاپہ مارنے کے لئے سیڑھیاں چڑھ رہے تھے تو انہیں شدید یہ توقع نہیں تھی کہ مشتبہ افراد کی گرفتاری کے لئے انہیں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ چھاپہ مار کارروائی چند گھنٹوں قبل گرفتار کئے جانے والے دو یمنی باشندوں کی فراہم کردہ اطلاعات پر عمل میں آئی تھی جنہوں نے بتایا تھا کہ القاعدہ کے مشتبہ افراد کا ایک گروہ ڈیفنس سوسائٹی کے ایک اپارٹمنٹ میں چھپا ہوا ہے۔

اس آپریشن میں شامل ایک پاکستانی افسر کے مطابق جب وردی اور بغیر وردی والی پارٹی نے فلیٹ پر چھاپہ مارا تو عربی بولنے والے 6 مرد اور ایک خاتون نے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔ صورتحال اس وقت نازک ہوگئی جب ملحقہ فلیٹ سے اچانک ایک شخص نکلا جس کے ایک ہاتھ میں دستی بم اور دسرے ہاتھ میں خودکار ہتھیار تھا۔ اس نے دستی بم سیڑھیوں پر موجود اہلکاروں کی جانب پھینکا۔ اس اچانک حملے سے بعض اہلکار زخمی ہوگئے اور پولیس اور فوج کے اہلکاروں نے نیچے اتر کر پوزیشنیں سنبھال لیں جبکہ گرفتار کئے جانے والے 4 افراد خود کو چھڑا کر

MashalBooks.com

واپس اپارٹمنٹ کی طرف آ گئے۔ جس وقت چھاپہ مار ٹیم ایمبولینس اور قانون نافذ کرنے والی ایجنسیز کو طلب کرنے کے لئے اطلاع دے رہی تھی اس وقت القاعدہ کے مشتبہ افراد اور بلڈنگ کی چھت پر اور ایک کھڑکی میں پوزیشن سنبھال لی تھی اور اس کھڑکی سے عمارت کے باہر کے وسیع علاقے پر نظر رکھی جاسکتی تھی۔ دستی بم کے اچانک حملے سے متعدد اہلکار زخمی ہوئے جن میں ایک کرنل اور آئی ایس آئی کا ایک میجر بھی شامل تھا۔ زخمی ہونے والوں میں سب سے پہلے آئی ایس آئی کے اہلکار تھے جو آپریشن میں ہراول دستے کے طور پر کام کر رہے تھے۔ زخمی ہونے کے باوجود آئی ایس آئی کا ایک کرنل تین گھنٹے تک موقع پر رہا جبکہ انہیں دستی بم لگنے سے متعدد زخم آئے تھے اور ان سے خون رس رہا تھا۔ یہ فائرنگ کے تبادلے کی ابتدا تھی۔

اس دوران فلیٹ سے بھی فائرنگ شروع ہوگئی جس سے بچنے کے لئے پولیس میں بھگدڑ مچ گئی۔ کچھ پولیس والوں نے ایک دکان میں بھی پناہ لی۔ اس کے باوجود کچھ پولیس والے زخمی ہوگئے۔

تقریباً تین گھنٹے کے بعد دوسری طرف فائرنگ کم ہوتے ہوتے بند ہوگئی اور پولیس نے رینجرز کے ساتھ عمارت میں داخل ہونا شروع کر دیا۔

اس دوران چھتوں پر موجود پولیس والوں نے عمارت کے مختلف حصوں اور خاص طور پر ایک فلیٹ پر فائرنگ جاری رکھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد انٹیلی جنس اور رینجرز کے جوان ایک نوجوان کو لے کر باہر آئے۔ اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ بعد پولیس ایک اور ملزم کو باہر لائی اس کی آنکھوں پر خود اس کی اپنی قمیض بندھی تھی اور سر سے خون بھی بہہ رہا تھا۔

پہلے پولیس نے یہ موقف اختیار کیا کہ یہ کچھ جرائم پیشہ لوگ تھے جنہوں نے عمارت پر قبضہ کر کے لوگوں کو یرغمال بنا لیا تھا لیکن بعد میں کراچی پولیس کے سربراہ نے کہا کہ ملزموں سے تفتیش کے بعد ہی معلوم ہوگا کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کا تعلق کہاں سے ہے؟

تاہم بہت جلد یہ عقدہ کھل گیا کہ گرفتار ہونے والا القاعدہ کا مطلوب ترین جنگجو اور 11 ستمبر کے حملوں کا منصوبہ ساز رمزی بن الشیبہ ہے۔ رمزی بن الشیبہ کی گرفتاری نے پوری دنیا میں ہلچل مچا دی۔ رمزی ایک ایسے موقع پر دوبارہ عالمی فوکس میں آیا جب دنیا میں 11 ستمبر کے واقعات کی پہلی برسی کی تقریبات منائی جارہی تھی اور امریکی عوام خاص طور پر غمزدہ

MashalBooks.com

MashalBooks.com

تھے ۔ اس کے علاوہ اہم بات یہ کہ رمزی جب کراچی سے گرفتار ہوا تب جنرل پرویز مشرف جنرل اسمبلی کے اجلاس سے خطاب کے سلسلے میں امریکہ پہنچے ہوئے تھے اور امریکی صدر بش کے علاوہ دیگر اعلیٰ غیر ملکی سربراہوں سے ملاقاتیں کر رہے تھے۔

رمزی کی گرفتاری پاکستان ایجنسیوں کی ایک بہت بڑی کامیابی تھی کیونکہ اسے ایک انتہائی بائی پروفائل ٹیررسٹ ڈکلیئر کیا گیا تھا۔رمزی کی گرفتاری اس کے انٹرویو اور سٹیلائیٹ فون کی بدولت عمل میں آئی۔رمزی کا انٹرویو 5 ستمبر 2002 کو الجزیرہ ٹیلی وژن سے نشر کیا گیا تھا اور اس انٹرویو کے تین روز بعد کراچی میں کارروائی کی گئی۔

رمزی کی گرفتاری کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس وقت پاکستان کے اخبارات میں اس طرح کی خبریں بھی شائع ہو رہی تھیں جن سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کے ان اداروں میں بھی جنگ کی سی صورت پیدا ہوئی جنہوں نے ملزمان کی گرفتاری میں حصہ لیا یا جن کے پاس ملزمان تھے۔بعض ذرائع یہ بھی کہتے ہیں کہ گیارہ ستمبر 2002 کو کراچی میں ہونے والی کارروائی میں پولیس اور رینجرز نے حصہ لیا لیکن جیسے ہی دوسرے اداروں کو ملزمان کی اہمیت کا اندازہ ہوا تو ساری کارروائی انہوں نے سنبھال لی اور اس کی وجہ محض یہ ہے کہ رمزی بن الشیبہ کے سر کی قیمت امریکہ نے پچیس ملین ڈالر یعنی ایک ارب باسٹھ کروڑ روپے سے زائد مقرر کر رکھی تھی۔

گرفتاری کے بعد اگرچہ پاکستانی حکام نے یہ نہیں بتایا کہ ان ملزمان کو کہاں لے جایا گیا لیکن کہا جاتا تھا ہے کہ ان کی ابتدائی منزل بحیرۂ عرب میں موجود امریکی بیڑا یا خلیج کا کوئی امریکی اڈہ تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ 8 ستمبر 2002 کی صبح پاکستانی وزارت خارجہ نے یہ بتایا کہ رمزی بن الشیبہ کی حوالگی کے لئے امریکی درخواست حکومت کے زیر غور ہے۔

دفتر خارجہ کی ایک معمول کی پریس بریفنگ میں بھی یہ کہا گیا کہ اس درخواست پر کوئی بھی فیصلہ رمزی سے پاکستانی حکام کی تفتیش مکمل ہونے پر ہی کیا جائے گا لیکن جس وقت پاکستانی ترجمان رمزی کے پاکستان کی تحویل میں ہونے کا یقین دلا رہے تھے، اس وقت نہ صرف رمزی کو امریکی حکام کے حوالے کیا جا چکا تھا بلکہ ان کو پاکستان سے بھی لے جایا جا چکا تھا۔

رمزی بن الشیبہ القاعدہ کی اہم ترین لیڈرشپ میں شمار ہوتا تھا اور وہ 1996 سے روپوشی کی زندگی اختیار کر کے خفیہ طور پر اپنی کارروائیاں کر رہا تھا ۔ رمزی کی گرفتاری کے بارے

MashalBooks.com

میں تمام تفصیلات بڑی دلچسپ ہیں۔ یہ بات تو نہ صرف پاکستانی بلکہ امریکی حکام بھی تسلیم کرتے ہیں کہ رمزی بن الشیبہ پاکستان سے پکڑا جانے والا القاعدہ کا اہم ترین رکن تھا۔

رمزی یکم مئی 1972 کو یمن کے ایک شہر میں پیدا ہوا۔ اس کے خاندان اور پس منظر کے بارے میں کوئی خاص معلومات سامنے نہیں آئیں۔ اس کا ایک دوست جو اسے مذہبی شخص کے طور پر جانتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ رمزی نے 1987 سے 1993 تک انٹرنیشنل بینک آف یمن میں کلرک کے طور پر کام کیا۔ اس یمن سے رخصت ہونے کی پہلی کوشش 1995 میں کی اور امریکی ویزہ کیلئے درخواست دی جو مسترد ہوگئی۔ اس کے بعد اس نے رمزی عمر کے نام سے جرمنی میں سیاسی پناہ کی درخواست دی۔ اس مرتبہ اس نے خود کو سوڈانی شہری ظاہر کیا۔ اس کی یہ درخواست زیر غور رہی تاہم اس دوران وہ خود ہمبرگ میں مقیم تھا۔ اس دوران وہ مختلف مساجد کے گروپوں سے وابستہ رہا۔ کچھ عرصہ بعد اس کی سیاسی پناہ کی درخواست مسترد ہوگئی۔

دہشت گردی کے مختلف سرکاری سیلز سے وابستہ ماہرین کے مطابق رمزی یمن میں امریکی ہوائی جہاز اور تیونس میں یہودی عبادت گاہ پر بھی حملوں میں ملوث تھا۔ 1996ء سے وہ جرمنی کو مطلوب تھا۔ 1995ء میں وہ جرمنی میں سوڈانی مہاجر بن کر پہنچا۔ مگر 1997ء میں اُسے ملک سے نکال دیا گیا لیکن وہ دوبارہ کسی نہ کسی طرح ویزہ لے کر ہیمبرگ پہنچ گیا اور خود کو ایک اسلامک سنٹر میں روپوش کرلیا۔ ہمبرگ میں اس کا روم میٹ محمد عطاء تھا جو 11 ستمبر کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے جہاز ٹکرانے والے حملہ آوروں میں شامل تھا۔ رمزی محمد عطاء کے ساتھ 2 سال سے زائد عرصہ تک مقیم رہا اور اس نے امریکہ میں دہشت گردی کی وارداتوں کے لئے ملائیشیا اور سپین کے ساحل پر ہونے والے دونوں اجلاسوں میں محمد عطاء کے ساتھ شرکت کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ 11 ستمبر کے حملوں کی تیاری اور ہائی جیکروں کو تمام مالی امداد اس نے فراہم کی تھی۔

رمزی نہ صرف 11 ستمبر کے حملہ کی منصوبہ بندی کرنے والوں میں شامل تھا بلکہ اس نے خود بھی ہائی جیکر بن کر اس آپریشن میں حصہ لینا تھا تاہم امریکی ویزہ نہ ملنے کی وجہ سے رمزی اس ٹیم میں شامل نہ ہو سکا جو 11 ستمبر کے حملوں کے لئے منتخب کی گئی۔ رمزی کی جگہ زکریا موساوی نے ہائی جیکر بن کر حملوں میں حصہ لیا۔ بعض اطلاعات کے مطابق اس نے 1997ء میں افغانستان میں القاعدہ کے ٹریننگ کیمپوں میں بھی کچھ وقت گزارا۔ 11 ستمبر کے حملوں کے

MashalBooks.com

MashalBooks.com

MashalBooks.com

بعد جرمنی نے رمزی کی گرفتاری کے بین الاقوامی وارنٹ جاری کر دیئے لیکن وہ کہیں غائب ہوگیا۔

رمزی کا نام اُس وقت ایک بار پھر منظر عام پر آیا جب حملوں کے بعد ایف بی آئی نے مطلوب ترین افراد کی فہرست میں اس کا نام اور تصویر شامل کی۔ مطلوب قرار دیئے جانے اور افغانستان پر حملے کے بعد وہ پاکستان میں ہی کہیں روپوش ہوگیا اور پھر الجزیرہ چینل سے اس کا انٹرویو نشر ہوا تو اس انٹرویو نے پاکستان، جرمنی اور امریکہ کو ہلا دیا۔ تاہم یہی انٹرویو اس کی گرفتاری کا سبب بن گیا۔

رمزی کو شہرت حاصل کرنے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ پوری دنیا میں اس کا نام جانا جائے۔ شہرت حاصل کرنے کی یہی کوشش اس کی گرفتاری کا سبب بن گئی۔ رمزی نے قطر کے ٹی وی چینل الجزیرہ کے عرب صحافی فودا سے رابطہ کیا اور انٹرویو دینے کی خواہش ظاہر کی۔ رمزی سے غلطی یہ ہوئی کہ وہ اپنا ٹھکانہ راز میں رکھنے میں ناکام رہا۔ اس انٹرویو سے اُسے جس شہرت کی توقع تھی وہ الٹ کر اُسی پر جا پڑی 7 ستمبر 2002ء کو الجزیرہ چینل کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ اس نے 11 ستمبر کے واقعہ کے اہم ذمہ دار ایک یمنی باشندے کا انٹرویو کیا ہے جو کل (8 ستمبر) نشر کیا جائے گا۔ 8 ستمبر کو جب یہ انٹرویو نشر ہوا تو اس نے تہلکہ مچا دیا۔ اس انٹرویو میں رمزی بن الشیبہ نے دعویٰ کیا کہ وہ محمد عطاء کے ساتھ 11 ستمبر کے حملوں کا منصوبہ ساز تھا اور 29 اگست 2001ء کو محمد عطاء نے اس کے ساتھ اہم ملاقات کر کے امریکی اہداف پر حملوں کی تیاریوں کو آخری شکل دی تھی۔ رمزی نے انٹرویو میں اپنی کارکردگی کو بڑے فخریہ انداز میں بیان کیا اور کہا کہ وہ اسامہ بن لادن کے منصوبے میں ذاتی طور پر شامل تھا۔

انٹرویو نشر ہونے کے بعد امریکی اخبار نے بھی ایک عربی صحافی کی پوری روداد چھاپی جس میں اُس صحافی نے تفصیل بتائی تھی کہ اس نے کراچی میں اسامہ بن لادن کے ایک نہایت قریبی اور قابل اعتماد ساتھ کا انٹرویو کیا ہے۔ اسے یہ انٹرویو ریکارڈ کرانے کے لئے خصوصی طور پر بلایا گیا تھا اور آنکھوں پر پٹی باندھ کر مذکورہ جگہ لے جایا گیا تھا جہاں دو اہم افراد سے ملاقاتوں کا پروگرام تھا۔ عرب صحافی کے مطابق میں سمجھ رہا تھا کہ شاید دوسری اہم شخصیت خود اسامہ بن لادن یا ملا عمر کی ہوگی لیکن وہ شخصیت کسی اور کی تھی۔

MashalBooks.com

اس انٹرویو کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ عرب صحافی نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس نے رمزی کا یہ انٹرویو کراچی میں لیا ہے۔ امریکی اور پاکستان انٹیلی جنس کے لئے یہ اطلاع بڑی اہم تھی۔ چنانچہ دونوں ممالک کی طرف سے یہ ہر ممکن کوشش کی گئی کہ مذکورہ صحافی سے یہ معلوم کیا جائے کہ اس نے یہ انٹرویو کراچی میں کس جگہ لیا لیکن وہ صحافی پہلے ہی اس بات کی وضاحت کر چکا تھا کہ اُسے رمزی کے ٹھکانے کا علم نہیں اور اُسے آنکھوں پر پٹی باندھ کر رمزی کے ٹھکانے پر لے جایا گیا تھا۔

کراچی میں رمزی کے موجود ہونے کی اطلاع سے ایف بی آئی اور پاکستانی ایجنسیوں کو یہ فائدہ ہوا کہ وہ الرٹ ہوگئیں اور انہوں نے بالآخر کمیونیکیشنز نیٹ ورک کے ذریعے رمزی کی ایک فون کال کا سراغ لگالیا جو اس نے سٹیلائیٹ فون سے اپنے کسی ساتھی کو کی۔ اس فون کال کے ذریعے ایف بی آئی نے رمزی کے ٹھکانے کا پتہ لگالیا۔ سب سے پہلے اُن دو یمنی باشندوں کو اٹھایا گیا جنہیں رمزی نے فون کیا تھا۔ اور پھر دو گرفتار شدگان کی طرف سے رمزی کے ٹھکانے کی تصدیق کے بعد فوری چھاپے کا پروگرام بنایا گیا۔ اس پورے آپریشن کی ایف بی آئی کے اُن چار ایجنٹوں نے نگرانی کی جو چھاپے کے وقت اس اپارٹمنٹ کے باہر ایک کار میں موجود تھے اور فائرنگ شروع ہونے کے بعد وہاں سے چلے گئے۔

پولیس کے اعلیٰ ذریعوں کے مطابق مقابلے میں ہلاک ہونے والے القاعدہ کے دو ارکان میں سے ایک پاکستانی تھا جو ان مبینہ دہشت گردوں کا ساتھی تھا۔ ہلاک ہونے والا پاکستانی اتنا انتہا پسند تھا کہ اس نے مرنے سے قبل اپنے سینے اور گردن پر لگنے والی گولیوں کے زخموں سے رسنے والے خون سے سے دیوار پر ''اللہ اکبر'' تحریر کیا۔ پولیس اہلکار نے اعتراف کیا کہ وہ یہ منظر دیکھ کر جذباتی طور پر بہت متاثر ہوا۔ عمارت کی چھت پر پولیس کی فائرنگ سے مارا جانے والا دوسرا شخص نامعلوم یمنی باشندہ تھا جسے کراچی پولیس کے تحقیقاتی افسروں نے ابتدائی طور پر خالد محمد شیخ کے نام سے شناخت کیا تھا لیکن بعد ازاں ایک پاکستانی باشندے نے جو وال اسٹریٹ جنرل کے نمائندے ڈینئل پرل کے اغوا اور قتل کے الزام میں زیر حراست تھا نے تردید کرتے ہوئے کہا کہ مرنے والا یمنی باشندہ خالد محمد شیخ نہیں ہے۔

رمزی سے گرفتاری کے فوراً بعد پاکستان اور امریکی انٹیلی جنس افسروں پر مشتمل ٹیم نے جو

MashalBooks.com

تفتیش کی اس میں رمزی نے اعتراف کیا کہ وہ جرمنی میں قائم القاعدہ کے ہمبرگ سیل کا رکن تھا جس کا سربراہ محمد عطاء تھا۔ تفتیش کاروں کے مطابق انہیں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ رمزی یا ان کے ساتھ پاکستان میں دہشت گردی کی کارروائی کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ تین دن کی تفتیش میں ایسے اہم سوالات کا جواب نہیں مل سکا کہ ان دہشت گردوں کے مالی ذرائع کیا تھے؟ کیونکہ کراچی کے بہترین رہائشی علاقے میں تقریباً ایک درجن افراد کے قیام کے لئے مسلسل اور ٹھوس آمدنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابتدائی تفتیش سے ظاہر ہوا کہ یہ مشتبہ افراد وسط جون میں الجزیرہ ٹی وی کی طرف سے رمزی کے انٹرویو کے وقت سے ڈیفنس سوسائٹی کے گھر میں مقیم تھے۔

MashalBooks.com

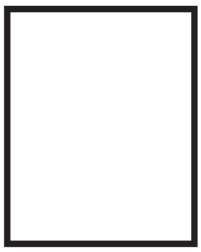

# احمد خلفان

24 جولائی 2004ء کا دن موسم کے لحاظ سے ایک گرم ترین دن تھا۔ سابق وزیراعظم پاکستان چودھری شجاعت حسین اور وزیراعلیٰ پنجاب چودھری پرویز الٰہی کے آبائی ضلع گجرات کے محلّہ اسلام نگر میں معمول کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ اس محلّہ کے ایک بنگلہ میں کچھ غیر ملکی مقیم تھے۔ اس محلّہ کے اکثر لوگ ان غیر ملکیوں کے یہاں قیام سے لاعلم تھے' کیونکہ ان غیر ملکیوں کی آمد و رفت بڑی محدود تھی۔ اس روز شام کے وقت بھی یہاں معمول کی سرگرمیاں تھیں۔ اس بنگلہ کے مکین اور محلے داروں میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں یہاں کیا ہونے والا ہے؟

شام کے وقت سادہ کپڑوں میں ملبوس انٹیلی جنس ایجنسیوں کے اہلکاروں اور جدید ہتھیاروں سے لیس پولیس کی بھاری نفری نے اس بنگلے کو گھیر لیا۔ علاقے میں ہر قسم کی آمد و رفت کے علاوہ بجلی بند کر دی گئی اور ڈی پی او گجرات راجہ منور حسن میگا فون ہاتھ میں لیکر نمودار ہوئے اور اعلان کیا کہ فرار کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں' لہٰذا اس بنگلے کے غیر ملکی مکین اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیں۔ یہ اعلان ہوتے ہی بنگلے کے مکینوں کو پتہ چلا کہ اُن کی شناخت ہو گئی

ہے اور وہ گھیرے میں آ چکے ہیں۔

یہ آپریشن آناً فاناً ہوا۔ لاہور ایئرپورٹ سے القاعدہ کے ایک رکن کی گرفتاری کے بعد حاصل ہونیوالی معلومات کی روشنی میں انٹیلی جنس کے کچھ افسر گجرات پہنچے۔ انہوں نے چند پولیس افسروں کو اعتماد میں لیا' ٹھکانے کی نشاندہی کی۔ فورس تیار ہوئی اور پھر آپریشن شروع ہوگیا۔ انٹیلی جنس ایجنسیوں کے افسر بھی نہیں جانتے تھے کہ اس بنگلے میں کتنا بڑا ٹارگٹ موجود ہے۔ تاہم بعد میں بنگلے کے مکینوں کی مزاحمت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کوئی بڑا ٹارگٹ موجود ہے۔ میگافون سے اعلان ہوتے ہی غیرملکی مکینوں نے گھر کے اندر ہی مورچے سنبھال لئے اور پولیس پر فائرنگ شروع کردی۔ گجرات پولیس کی تاریخ میں یہ سب سے بڑا آپریشن تھا جو 16 گھنٹے تک جاری رہا۔ پولیس 16 گھنٹے بعد اِن غیرملکیوں کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوسکی۔ گرفتار ہونیوالوں میں عبداللہ، سلیم اور فیروز کا تعلق کینیا، سوڈان اور جنوبی افریقہ سے جبکہ ان کے ساتھ موجود خواتین کا تعلق پاکستان، سعودی عرب اور ازبکستان سے تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ گرفتار ہونیوالوں میں القاعدہ کا ایک ''ہائی ویلیو ٹارگٹ'' احمد خلفان بھی شامل ہے' جو ایف بی آئی کو سب سے زیادہ مطلوب ہے اور اسکی گرفتاری پر 5 ملین ڈالر کا انعام بھی مقرر ہے۔

احمد خلفان کی گرفتاری نے دنیا بھر کو چونکا دیا۔ اس دوران انٹیلی جنس ایجنسیوں نے ایک کمپیوٹر انجینئر محمد نعیم عرف نور خان کو بھی گرفتار کیا۔ القاعدہ کے ان دونوں جنگجوؤں کی گرفتاری سے انتہائی حساس معلومات کا خزانہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کے پاس آ گیا۔ اور یوں القاعدہ کے ان جنگجوؤں کی گرفتاری سے ایک بہت بڑی تباہی کی سازش ناکام ہوگئی' تاہم القاعدہ کے یہ جنگجو پاکستان میں کس طرح متحرک رہے؟ اِن کا ماضی اور القاعدہ میں ان کی پوزیشن کیا ہے؟ پاکستان میں ان کے ہمدردوں اور خیرخواہوں کے علاوہ انہیں گرفتار کرانے میں کس نے کیا کردار ادا کیا؟ اور گرفتاری کے بعد کیا دلچسپ صورتحال پیدا ہوئی؟ یہ تمام باتیں بڑی دلچسپ ہیں۔

احمد خلفان کو جب گجرات سے گرفتار کیا گیا تو انٹیلی جنس ایجنسیوں کے اہلکار قطعاً نہیں جانتے تھے کہ وہ کتنا بڑا ہائی ویلیو ٹارگٹ ہے۔ تاہم اس کی گرفتاری کا فوری اعلان نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ امریکی ایجنسیوں سے تمام تر کوآرڈینیشن کے باوجود پاکستان کے پاس سوائے اس اطلاع کے کوئی بڑی معلومات موجود نہیں تھیں کہ وہ تنزانیہ اور کینیا میں امریکی

MashalBooks.com

سفارت خانوں پر ہونے والے حملوں میں ملوث ہے۔ بعد میں احمد خلفان کے بارے میں بہت سی معلومات پاکستان کو فراہم کی گئیں۔

احمد خلفان تنزانیہ کے خوبصورت جزیرے زنجبار میں پیدا ہوا اور وہ کئی نام اور عرفیتیں استعمال کرتا تھا۔ امریکی دستاویزات کے مطابق احمد خلفان گیلانی، احمد خلفان احمد، ابوبکر احمد، احمد خلفان، احمد خلفان علی، ابوبکر خلفان احمد، احمد گیلانی، احمد الاتنزانی، ابو جنار، ابوبکری خلفان، احمد گیلانی، عبداللہ حسین، شریف عمر محمد، فوپی، فپی اور احمد تنزانین سب اس کے نام ہیں۔ مختلف دستاویزات میں اس کی تاریخِ پیدائش مختلف درج ہے۔ ایک دستاویز کے مطابق وہ 14 مارچ 1974ء، دوسری کے مطابق 13 اپریل 1974ء، تیسری کے مطابق 14 اپریل 1974ء اور چوتھی دستاویز کے مطابق وہ یکم اگست 1970ء کو پیدا ہوا۔ اس حساب سے دیکھا جائے تو اس کی عمر 30 اور 34 سال کے درمیان ہے۔ وہ انگریزی اور سواحلی زبان روانی سے بول سکتا ہے۔

امریکہ احمد خلفان پر جو الزام عائد کرتا ہے اُس کے مطابق احمد خلفان نے 1998ء میں تنزانیہ اور نیروبی میں امریکی سفارتخانے میں بم دھماکے کرائے تھے۔ جن میں 224 افراد ہلاک اور 5 ہزار زخمی ہوگئے تھے۔ ان حملوں کے الزام میں اسکے ایک ساتھی محمد صادق اودھے کو سزا سنائی گئی، جبکہ احمد خلفان روپوش ہوگیا۔ صادق اودھے نے ایف بی آئی کو بتایا تھا کہ احمد خلفان دھماکے سے ایک دن قبل نیروبی سے کینیا ایئرویز کی پرواز سے پاکستان کیلئے روانہ ہوگیا تھا، اور اسکے بعد اسے کہیں نہیں دیکھا گیا۔ احمد خلفان کو بھی اسکی غیر موجودگی میں 16 دسمبر 1998ء کو امریکی عدالت نے سزا سنائی۔ اس پر الزام لگایا گیا کہ اُس نے وہ ٹرک خریدے تھے جو تنزانیہ اور کینیا میں امریکی سفارت خانے پر ہونے والے حملوں میں استعمال کئے گئے۔ احمد خلفان نے ان حملوں کی شدت بڑھانے کیلئے آکسیجن اور ایسٹیا ٹلین کے ٹینک بھی خریدے۔ ان دھماکوں کے بعد وہ افغانستان یا پھر پاکستان آگیا۔ چونکہ اس کا شمار القاعدہ کے سینئر رہنماؤں میں ہوتا تھا اور خالد شیخ محمد سے اسکا براہ راست رابطہ تھا۔ اس لئے امریکی ایجنسیاں اسکے پیچھے لگی رہیں، لیکن وہ ہاتھ نہیں آیا۔ مئی 2004ء میں ایف بی آئی نے مطلوب ترین دہشت گردوں کی فہرست اور پوسٹر جاری کیا تو اس میں احمد خلفان چھٹے نمبر پر تھا اور اس کی گرفتاری پر 5 ملین ڈالر انعام بھی مقرر تھا۔ احمد خلفان اس دوران انٹیلی جنس ایجنسیوں سے بچتا

MashalBooks.com

MashalBooks.com

پھرتا رہا۔ پانچ سال تک روپوش رہنے کے بعد وہ اچانک پاکستانی ایجنسیوں کے قابو میں کیسے آ گیا؟ اس کی تفصیلات بھی بڑی دلچسپ ہیں۔

بعض ذرائع کے مطابق انٹیلی جنس ایجنسیوں نے لاہور ایئرپورٹ سے ایک دہشت گرد کی گرفتاری کے بعد اسکی نشاندہی پر گجرات کے ایک ہوٹل پر چھاپہ مارا۔ اس ہوٹل سے منڈی بہاؤالدین کے سابق رکن اسمبلی امتیاز وڑائچ کے کزن اعجاز وڑائچ کو گرفتار کیا گیا۔ اعجاز وڑائچ نے ہی اسلام نگر میں وہ بنگلہ ان غیر ملکیوں کو 12 ہزار ماہانہ کرائے پر دیا تھا۔ پولیس نے محلّہ اسلام نگر میں آپریشن شروع کیا اور غیر ملکیوں کو گرفتاری دینے کو کہا تو انہوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ پولیس نے انہیں دھمکی دی کہ اگر وہ باہر نہ آئے تو پھر مکان پر ہینڈ گرنیڈ پھینکے جائیں گے۔ اس پر غیر ملکی جنگجوؤں نے دھمکی دی کہ اگر ایسا ہوا تو وہ بم باندھ کر باہر آ جائیں گے اور سب کو اڑا دیں گے۔ تاہم طویل مقابلے کے بعد یہ غیر ملکی جنگجو گرفتاری دینے پر رضامند ہو گئے۔ خود کو پولیس کے حوالے کرنے کے دوران ایک خاتون نے جدید اسلحہ سے بھری جیکٹ زیب تن کر رکھی تھی۔ گرفتار ہونے والے تمام افراد کو انتہائی سخت سیکورٹی میں لاہور لایا گیا جہاں سے انہیں سیف ہاؤس میں منتقل کر دیا گیا۔

باخبر ذرائع احمد خلفان کی گرفتاری کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ اسے القاعدہ کے کمپیوٹر انجینئر محمد نعیم نور خان کی نشاندہی پر گرفتار کیا گیا۔ محمد نعیم نور خان کی گرفتاری اسوقت عمل میں آئی جب لاہور میں متعین انٹیلی جنس حکام کو اپنے کراچی آفس سے اس بارے میں اطلاع ملی۔ گرفتاری کے بعد محمد نعیم کی تصویر کو خالد شیخ محمد اور رمزی یوسف کے عزیز مسادار وچی نے شناخت کیا جسے 12 جولائی 2004ء کو کراچی سے امریکی سی آئی اے کی ''ٹپ'' پر گرفتار کیا گیا تھا۔ محمد نعیم کی گرفتاری کے اگلے روز انٹیلی جنس کے افسران اپنے دفتروں میں بیٹھے یہ سوچ رہے تھے کہ نعیم خان پر کیسے ''چیک'' رکھا جائے؟ چنانچہ فوری طور پر محمد نعیم کے گھر کو چیک کیا گیا۔ وہاں سے انہیں ایک ٹائر شاپ کے وزیٹنگ کارڈ کے سوا کچھ نہ ملا۔ اس بات کی اطلاع انہوں نے اپنے باس کو دیدی۔ اس وزیٹنگ کارڈ کی مدد سے تفتیش کا دائرہ آگے بڑھایا گیا۔ ذرائع کے مطابق انٹیلی جنس ایجنسیوں نے ٹائر شاپ کی اس دکان کو معمول کے مطابق چیک کیا۔ اس ٹائر شاپ کے مالک نے یہ بتایا کہ اس نے کار نمبر LOX 247 کو تین ٹائر فروخت کئے ہیں۔ یہ

MashalBooks.com

ایک ٹپ تھی جس نے تفتیش کرنیوالے افسروں کو آگے بڑھنے کا ایک راستہ فراہم کر دیا۔ فوری طور پر کار اور اس کے مالک کے بارے میں تمام معلومات حاصل کی گئیں۔ اگلے ہفتے کے دوران کار کے مالک کو بھی تلاش کر لیا گیا اور پھر اس کار کی نگرانی شروع ہوگئی۔ 21 جولائی 2004ء کو کار اور اسکے مالک حاجی محمد افضل سے تفتیش کی گئی۔ اس تفتیش میں حاجی محمد افضل بالکل ''صاف'' نکلا۔ اگلے روز اس سے پھر تفتیش کی گئی۔ ایک دن کی مسلسل تفتیش اور روایتی ہتھکنڈوں کے بعد حاجی افضل سب کچھ بتانے پر تیار ہوگیا۔ حاجی افضل نے نت نئے انکشافات کر کے انٹیلی جنس کے افسروں کو حیرت میں ڈال دیا۔ حاجی افضل نے بتایا کہ یہ گاڑی اس سے ابو روبیعہ عرف قدرت اللہ نے خریدی ہے جو پنجاب میں القاعدہ کا سربراہ ہے۔ حاجی افضل نے یہ بھی بتایا کہ ابو روبیعہ ان دنوں ایک سیاہ رنگ کی ٹویوٹا نمبر LHX 2402 چلا رہا ہے۔ اس انکشاف کے بعد یہ پتہ چلانے میں ذرا دیر نہ لگی کہ کار نمبر LHX2402 گجرات کی سڑکوں پر دوڑ رہی ہے۔ ذرائع کے مطابق نوید الٰہی کی سربراہی میں 24 جولائی 2004ء کو ایک ٹیم گجرات پہنچی۔ دوپہر دو بجے کے قریب اس ٹیم نے اپنی مطلوبہ کار کو تلاش کر لیا لیکن اسوقت یہ کار قدرت اللہ کی بجائے اسکا ڈرائیور محمد آصف چلا رہا تھا۔ ڈرائیور آصف کو حراست میں لیکر تفتیش کی گئی تو اس نے بتایا ابو روبیعہ عرف قدرت اللہ، محمد نعیم کی گرفتاری کی اطلاع ملنے کے بعد روپوش ہوگیا ہے۔ اگرچہ محمد آصف گجرات پہنچنے والی ٹیم کا ٹارگٹ نہیں تھا لیکن اسکی نشاندہی پر کئی غیر ملکیوں کو گرفتار کیا گیا۔ ڈرائیور آصف کو ان غیر ملکیوں کے نام معلوم نہیں تھے جن کے پاس وہ رہائش پذیر تھا۔ ذرائع کے مطابق یہ بعد میں پتہ چلا کہ آصف جن غیر ملکیوں کے پاس تھا ان میں احمد خلفان بھی شامل تھا۔ اسی روز شام ساڑھے پانچ بجے کے قریب اس گھر کا محاصرہ کر لیا گیا جہاں غیر ملکی رہائش پذیر تھے۔ اطلاع یہی تھی کہ اسوقت احمد خلفان بھی گھر میں موجود ہے۔

عینی شاہدین کے مطابق اسوقت وہاں صورتحال یہ بن گئی تھی کہ پہلے فائرنگ کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ دونوں طرف سے یہ فائرنگ تین گھنٹے تک جاری رہی۔ اس کے بعد مقامی پولیس کو بلایا گیا اور پھر دونوں طرف سے فائرنگ کا سلسلہ طویل ہوگیا جو تقریباً 16 گھنٹے تک جاری رہا۔ مکان پر ریڈ کرنیوالی پارٹی کی یہ خوش قسمتی رہی کہ اس موقع پر ہینڈ گرنیڈ اور راکٹوں کا استعمال نہیں ہوا ورنہ ان غیر ملکیوں کے پاس یہ ہتھیار موجود تھے۔

MashalBooks.com

گرفتاری کے بعد انٹیلی جنس افسران کیلئے ایک مسئلہ اس وقت کھڑا ہوگیا جب ان غیر ملکیوں کی شناخت کا معاملہ سامنے آیا۔ اس وقت یہ دیکھا گیا کہ ایف بی آئی کی فہرست میں مطلوب افراد سے کسی دہشت گرد کی شکل تو نہیں ملتی؟ انٹیلی جنس افسروں کی پریشانی کا سبب یہ تھا کہ اس موقع پر چار افراد کی شکل ایف بی آئی کے مطلوب افراد کی فہرست سے مل رہی تھی۔ اس وقت چار افراد کے نام سامنے آئے جو گجرات سے گرفتار ہونے والے غیر ملکیوں کے حلیئے سے ملتے جلتے تھے۔ پہلا نام احمد خلفان گیلانی کا تھا' جبکہ دوسرا 22 سالہ مصری مصطفیٰ محمد فضل کا تھا۔ تیسرا شک کینیا کے 28 سالہ فہد محمد علی سلام پر اور چوتھا شک کینیا کے 35 سالہ شخص احمد سلیم سوڈانی پر تھا۔ بعد میں احمد خلفان کا نام کنفرم ہوگیا۔ گجرات سے دیگر گرفتار ہونے والے زبیر اسماعیل اور فیروز ابوبکر تھے جو جنوبی افریقہ سے آئے تھے۔ یہ لوگ 10 جولائی 2004ء کو جوہانسبرگ سے دوبئی اور وہاں سے دوسری پرواز کے ذریعے 11 جولائی 2004 کو لاہور پہنچے۔ 30 سالہ ڈاکٹر فیروز جوہانسبرگ میں سرجن جبکہ 24 سالہ فیروز ابوبکر پریٹوریا کے ایک مدرسے کا طالب علم ہے۔

دیگر گرفتار ہونے والے افراد میں حبیبہ (احمد خلفان کی ازبک بیوی)' سعودی نژاد طلحہ زبیر' لاہور کا محمد کاشف، مشتاق عرف عبداللہ' ڈرائیور آصف اقبال عرف فیصل منڈی بہاؤالدین' آسیہ بی بی (زوجہ آصف اقبال) فاطمہ (زوجہ جاوید' بلوچستان) اور بچوں کے علاوہ دس دن قبل پیدا ہونیوالی ایک بچی بھی شامل تھی۔ ذرائع دعویٰ کرتے ہیں کہ گرفتار ہونیوالوں میں سے سعودی نژاد طلحہ زبیر کو صدر جنرل پرویز پر خودکش حملوں کیلئے تیار کیا گیا تھا۔ گرفتار ہونیوالے افراد سے تفتیش کے بعد پتہ چلا کہ ان افراد نے صدر جنرل پرویز مشرف' چودھری شجاعت حسین' فیصل صالح حیات اور چودھری پرویز الٰہی کو بھی اپنی ہٹ لسٹ میں شامل کر رکھا تھا۔

احمد خلفان اور دیگر غیر ملکیوں کے قبضے سے جو اشیاء برآمد ہوئیں اُن میں دھماکہ خیز مواد، اسلحہ، ہینڈ گرنیڈ، موبائل فون کی سم، عربی، انگریزی اور اردو زبان میں دنیا کے نقشے، عربی لٹریچر، کتابیں اور 80 لاکھ کی کرنسی کے علاوہ کمپیوٹر ہارڈ ڈسک' لیپ ٹاپ کمپیوٹر اور اسکینر بھی شامل تھا۔ انٹیلی جنس ایجنسیوں نے انہیں بڑی اہمیت دی اور جب احمد خلفان کے لیپ ٹاپ کمپیوٹر اور ہارڈ ڈسک کو کھولا گیا تو القاعدہ اور اُسکے مستقبل کے منصوبوں سے متعلق انتہائی حساس معلومات سامنے آگئیں۔ احمد خلفان کو موصول ہونے والی اور اسکی بھیجی جانیوالی ای میلز سے پتہ چلا کہ وہ

MashalBooks.com

امریکہ اور برطانیہ کے اہم تجارتی مراکز پر حملوں کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ اس کمپیوٹر ہارڈ ڈسک میں اہم مراکز اور عمارتوں کی تصاویر بھی موجود تھیں۔ ذرائع کے مطابق احمد خلفان نے تفتیش کاروں کو بتایا کہ القاعدہ نے جنرل پرویز مشرف کے زیر استعمال چکلالہ ایئر بیس اور کراچی ایئر پورٹ پر خودکش حملوں کا منصوبہ بنایا تھا۔ اِن تفتیش کاروں نے بتایا کہ احمد خلفان سے برآمد ہونیوالے کمپیوٹر اور ڈسکس سے امریکہ، اسرائیل کے اہم مقامات کے علاوہ چکلالہ ایئر بیس، کراچی انٹرنیشنل ایئر پورٹ اور کراچی، لاہور، اسلام آباد کی اہم فوجی تنصیبات کے نقشے بھی برآمد ہوئے۔ اطلاعات کے مطابق احمد خلفان کے زیر استعمال لیپ ٹاپ کمپیوٹر اور ہارڈ ڈسک کو اپنی تحویل میں لینے پر دو انٹیلی جنس ایجنسیوں میں محاذ آرائی بھی ہوئی۔ اس طرح کی محاذ آرائی برطانوی انٹیلی جنس ایم آئی فائیو اور ایم آئی سکس میں بھی ہوئی۔ ایم آئی فائیو اور ایم آئی سکس میٹروپولیٹن پولیس اور جوائنٹ انٹیلی جنس کمیٹی کے حکام نے لندن میں امریکن بینک پر ممکنہ حملے کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔

ایک انٹیلی جنس آفیسر کے مطابق نعیم سے ملنے والی معلومات اسقدر تفصیلی ہیں کہ اُس نے اپنے 24 سالہ انٹیلی جنس کیریئر میں نہیں دیکھیں۔ نعیم نے دورانِ تفتیش بتایا کہ اُس نے امریکہ میں موجود 6 افراد سے رابطہ کیا اور القاعدہ کے امریکہ میں ممکنہ حملوں کے بارے میں پیغامات پہنچائے۔ تفتیش کاروں کے مطابق محمد نعیم نے لندن کے ہیتھرو ایئر پورٹ پر حملے کی منصوبہ بندی بھی کی۔ محمد نعیم اور احمد خلفان سے حاصل ہونے والی تمام معلومات فوری طور پر امریکہ بھجوائی گئیں۔

احمد خلفان کو جنوری 2005 میں سرکاری اعلان کے مطابق امریکہ کے حوالے کر دیا گیا تاہم بعض ذرائع کے مطابق ایک طیارہ گرفتاری کے بعد ہی اسے لے کر نامعلوم مقام کی طرف چلا گیا تھا۔

امریکی انٹیلی جنس نے احمد خلفان کی گرفتاری کو پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی کامیابی قرار دیا تاہم یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ ایف بی آئی کی فہرست میں شامل 22 انتہائی مطلوب دہشت گردوں میں سے لیبیا کا ایک اور مصر کے 4 باشندے پاکستان میں کہیں روپوش ہیں۔ ان کی گرفتاری بھی جلد یقینی بنائی جائے۔ یہ امریکی ''احکامات'' پاکستانی ایجنسیاں کب پورے کرتی ہیں؟ اور اب ان کا اگلا ٹارگٹ کون ہوگا؟ ان 5 مطلوب ترین افراد میں سے کسے کب ''شو'' کیا جائے گا، یہ آنیوالے کچھ عرصہ میں واضح ہو جائے گا۔

MashalBooks.com

# قاری سیف اللہ اختر

**6 اگست 2004ء.....**

دوبئی میں ایک معمول کا دن تھا۔ بحیرہ عرب کے کنارے بسے اس شہر کے وسط میں واقع انتہائی شاندار عمارت کے ایک لگژری کمرے میں پاکستانی انٹیلی جنس کے کچھ افسروں بیٹھے تھے۔ یہ افسروں ہنگامی بنیادوں پر مخبری ہونے کے بعد ایک خفیہ مشن پر دوبئی پہنچے تھے۔ دوبئی پہنچتے ہی انہوں نے کچھ لوگوں سے رابطے کئے اور پھر دوبئی کے سیکورٹی حکام سے گفت وشنید کی۔ اس وقت وہ دوبئی پولیس کے افسروں سے مصروف گفتگو تھے۔ بات چیت کے بعد پاکستانی اور عربی افسروں نے ہاتھ ملائے' ایک دوسرے کو Best of luck کہا اور پھر طے پانے والے منصوبے کے تحت دوبئی پولیس کے آپریشنل اسکواڈ کے کچھ افسر پاکستانی انٹیلی جنس افسروں کے ساتھ مل گئے اور پھر ان کی سرکاری گاڑیاں سڑکوں پر دوڑنے لگیں۔ سرکاری گاڑیوں کے قافلے میں سوار تمام افراد کا آپس میں وائرلیس اور موبائل فون پر رابطہ تھا۔ کچھ دیر کے سفر کے بعد یہ تمام گاڑیاں ایک عمارت کے سامنے رکیں۔ اس عمارت کی بھی پہلے سے نگرانی ہو رہی تھی۔ نگرانی کرنے والوں نے آنے والوں کو ''اوکے'' کی رپورٹ دی اور پھر چند ہی منٹوں میں اس عمارت

میں موجود لمبی داڑھی والے ''ٹارگٹ'' کو بغیر کسی مزاحمت اور مشکل کے اپنی حراست میں لے لیا گیا۔ سیکورٹی کے سخت حصار میں اس ''ٹارگٹ'' کو ایک خصوصی مقام پر پہنچایا گیا اور پھر پاکستانی انٹیلی جنس کے ایک افسر نے اسلام آباد میں ایک اعلیٰ افسر کو موبائل فون پر یہ اطلاع دی۔ ''ٹارگٹ حراست میں ہے''۔

دوسری طرف سے جواب ملا ''فوری طور پر اسے اسلام آباد پہنچایا جائے''۔

اس اطلاع کے بعد دوبئ اور اسلام آباد میں موجود پاکستانی انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسروں کے موبائل فون کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ اس گفتگو میں اس نوعیت کے سوال پوچھے جا رہے تھے۔ آپریشن کامیاب رہا؟ ٹارگٹ کیسے پکڑا گیا؟ کیا یہ وہی ٹارگٹ ہے؟ مزاحمت ہوئی یا نہیں؟ اب کیا پوزیشن ہے؟ موبائل فون کی گھنٹیاں کم ہوئیں تو فوری طور پر ایک طیارے کا بندوبست کیا گیا اور تقریباً تین گھنٹے میں طیارہ اپنے ''ٹارگٹ'' کو لے کر اسلام آباد پہنچ گیا۔ ائرپورٹ سے ہی اس ''ٹارگٹ'' کو آئی ایس آئی کے سیف ہاؤس میں منتقل کر دیا گیا۔

یہ سارا آپریشن کس کے لئے کیا گیا؟ یہ ٹارگٹ کون تھا؟ اس بارے میں مختصر تفصیلات دو دن بعد 8 اگست 2004ء کو سامنے آئیں۔ یہ آپریشن دراصل القاعدہ کے پاکستان میں مبینہ سربراہ اور اس کی سرگرمیوں کے نگران کی گرفتاری کے لئے تھا' جس کے بارے میں کراچی کے ایک دینی مدرسے سے ہی مخبری ہوئی تھی کہ وہ دوبئ میں ہے۔ اس کے بعد سب کچھ آناً فاناً ہوا۔ انٹیلی جنس ادارے کافی عرصے سے اس ''ٹارگٹ'' کی تلاش میں تھے۔

اس ''ٹارگٹ'' کا نام قاری سیف اللہ اختر تھا۔ انٹیلی جنس اور جہادی حلقوں میں ان کی شہرت اور پہچان کے کئی حوالے ہیں۔ افغانستان اور کشمیر کے جہاد میں انہوں نے کلیدی کردار ادا کیا۔ ہزاروں مجاہدین کی تربیت کی اور 1995ء کی ناکام فوجی بغاوت میں بھی انہوں نے اپنا حصہ ڈالا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب جہاد کسی اور معنوں میں جہاد تھا اور جہاد کی سمت نہیں بدلی تھی۔ تاہم جب افغان جہاد کے بعد اس کے معنی دانستہ بدل دیئے گئے تو قاری سیف اللہ اختر کی سوچ اور خیالات میں بھی تبدیلی آئی۔ اس کے بعد قاری سیف اللہ اختر نے نئے سرے سے اپنی ''جدوجہد'' شروع کی۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں چند ہی برس قبل حکومت اور انٹیلی جنس اداروں کا پسندیدہ ترین مجاہد ناپسندیدہ اور مطلوب ترین شخص بن گیا۔

MashalBooks.com

قاری سیف اللہ اختر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی گرفتاری پر امریکہ نے بھی مسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ ان کی گرفتاری سے دہشت گردی کے نیٹ ورک کے خاتمے میں مدد ملے گی اور یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔ قاری سیف اللہ اختر کی گرفتاری پر یقیناً بہت سے لوگوں کو دھچکا لگا ہوگا۔ ان لوگوں میں ممکن ہے اسامہ بن لادن اور ملا عمر بھی شامل ہوں کیونکہ قاری سیف اللہ اختر ان کے انتہائی قریب رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کشمیر اور افغانستان کے جہاد سے وابستہ ہزاروں مجاہد اور مدارس کے منتظمین بھی ان لوگوں میں شامل ہیں۔

قاری سیف اللہ اختر کون ہے؟ گزشتہ 25 سال تک وہ کیا کرتا رہا؟ اس کی جہادی سرگرمیوں اور روپوشی سے گرفتاری تک کی داستان بڑی دلچسپ ہے۔ قاری سیف اللہ اختر چونکہ آپریشنل کمانڈر رہے ہیں اس لئے ان کی زندگی اور شب و روز دیگر جہادی تنظیموں کے سربراہان کے مقابلے میں بڑی مختلف رہے ہیں۔ قاری سیف اللہ اختر نے عملی طور پر جہاد میں حصہ لیا۔ مقبوضہ کشمیر اور افغانستان کے اگلے مورچوں میں دوبدو جنگ سے لے کر مجاہدین کی تربیت تک کے مراحل اور بعدازاں ملا عمر کے مشیر کی حیثیت سے انہوں نے جو کام کئے انہیں بعض جہادی حلقے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تاہم ان کی بدقسمتی کا آغاز حرکت الانصار پر پابندی اور پھر صدر جنرل پرویز مشرف پر دو قاتلانہ حملوں کے بعد ہوا۔ قاری سیف اللہ اختر نے تنظیمی اعتبار سے سب سے بڑی جہادی تنظیم حرکت الجہاد الاسلامی کے امیر کی حیثیت سے طالبان کو اقتدار میں لانے میں اہم کردار ادا کیا اور وہ ملا عمر کے دور حکومت میں انتہائی بااثر شخصیت تصور کئے جاتے تھے تاہم اتنی اہم شخصیت ہونے کے باوجود ان کے عمومی حالات پر اب تک پردہ پڑا ہوا ہے۔

قاری سیف اللہ اختر کا تعلق صوبہ سرحد کے علاقے جنوبی وزیرستان سے ہے۔ وہ 1958ء میں پیدا ہوئے۔ جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی سے دینی تعلیم حاصل کی اور تعلیم سے فراغت کے بعد جامعہ بنوریہ کے شعبہ تدریس سے وابستہ ہو گئے۔ 1979ء میں جب افغان جہاد کا آغاز ہوا تو وہ سب سے پہلے اس جہاد میں شریک ہوئے۔ ان اولین جہادیوں میں قاری سیف اللہ اختر کے علاوہ مولانا ارشاد احمد کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ حرکت الجہاد الاسلامی اسی دور میں قائم ہوئی اور یہ جماعت افغانستان کے جہاد میں حصہ لینے والی پہلی جہادی تنظیم بھی ہے۔ قاری سیف اللہ اختر

MashalBooks.com

اور دیگر مجاہدین نے افغانستان میں ٹریننگ حاصل کی اور پھر نہ صرف پاکستان سے افرادی قوت فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کیا بلکہ پاکستانی علما سے جہادی فتویٰ بھی حاصل کئے۔ افغانستان کی جنگ کے دوران قاری سیف اللہ اختر اور مولانا ارشاد احمد کی حرکت الجہاد اسلامی کا تعلق افغانستان کی ایک اور جہادی تنظیم حرکت انقلاب اسلامی سے رہا جو دیوبند علما اور طلبا پر مشتمل تھی۔ حرکت انقلاب اسلامی سے حرکت الجہاد کا یہ تعلق طالبان کی آمد تک قائم رہا۔ جون 1985ء میں جماعت کے امیر مولانا ارشاد احمد افغانستان میں شرانہ کے مقام پر شہید ہو گئے تو قاری سیف اللہ اختر کو جماعت کا مرکزی امیر منتخب کیا گیا تاہم کچھ مجاہدین ان کی قیادت پر متفق نہ ہو سکے۔ ان میں مولانا فضل الرحمٰن خلیل بھی شامل تھے جنہوں نے بعدازاں مولانا مسعود علوی کے ساتھ مل کر حرکت المجاہدین کے نام سے الگ تنظیم قائم کر لی۔ اس کے باوجود قاری سیف اللہ اختر نے نہ صرف تنظیمی ڈھانچے کو مضبوط اور مربوط بنا لیا بلکہ اس دوران پوری دنیا کی جہادی تحریکوں کے ذمہ داران سے بھی مراسم پیدا کر لئے۔

1979ء سے 1988ء تک قاری سیف اللہ اختر کی حرکت الجہاد اسلامی نے افغانستان سے روسی فوجوں کے انخلا میں اہم کردار ادا کیا۔ حرکت الجہاد اسلامی کے پلیٹ فارم سے روس کے خلاف جہاد میں حصہ لینے کے سینکڑوں خواہش مند افغانستان پہنچے جہاں انہیں ٹریننگ دے کر روسی فوج کے مدمقابل کھڑا کر دیا گیا۔ اس دوران قاری سیف اللہ اختر پر یہ الزامات بھی عائد کئے گئے کہ ان کے افغان کمانڈر احمد شاہ مسعود کے ساتھ بھی تعلقات تھے اور حرکت الجہاد اسلامی شمالی اتحاد کے ساتھ بھی تعاون کرتی رہی لیکن قاری سیف اللہ اختر نے ہمیشہ اس کی تردید کی۔ قاری سیف اللہ اختر کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جہادی تنظیموں کے نمائندے کے طور پر افغان جہاد کے سلسلے میں پاکستانی فوجی حکام اور آئی ایس آئی سے مشاورت بھی انہی کی ذمہ داری تھی اور اس ذمہ داری کو انہوں نے بڑے احسن طریقے سے نبھایا۔ انہی خدمات کے اعتراف کے طور پر قاری سیف اللہ اختر کا شمار جہاد افغانستان کی معتبر شخصیات میں کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر عبداللہ عزام نے بھی ایک بار ان کی خدمات کا اعتراف ان الفاظ میں کیا کہ

''قاری سیف اللہ اختر کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ وہ مخلص اور جانباز ساتھیوں کو جمع کر کے جماعت کی شیرازہ بندی کریں کیونکہ مولانا ارشاد احمد کی شہادت کے بعد علم جہاد انہی کے ہاتھ

میں آیا۔ باوجود مشاغل کے، انہوں نے اب تک خاردار وادی میں خون بھرے راستوں کا سفر جاری رکھا ہوا ہے''۔

ڈاکٹر عبداللہ عزام کے اس اعتراف سے قاری سیف اللہ اختر کی خدمات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

افغان جہاد کے بعد جب دیگر جہادی تنظیموں کی توجہ مقبوضہ کشمیر کی طرف مرکوز ہوئی تو حرکت الجہاد اسلامی نے بھی مقبوضہ کشمیر کو اپنی کارروائیوں کا مرکز بنایا۔ مقبوضہ کشمیر میں قاری سیف اللہ اختر کی قیادت میں حرکت الجہاد اسلامی کے مجاہدین کا پہلا قافلہ 1991ء میں داخل ہوا تھا اور اس میں 16 مجاہدین شامل تھے۔ ان 16 مجاہدین میں سے 4 کشمیری اور 12 پاکستانی تھے جو افغانستان کی جنگ میں حصہ لے چکے تھے۔ قاری سیف اللہ اختر نے جب مقبوضہ کشمیر میں عسکری کارروائیاں شروع کیں تو وہاں ان کی جماعت کے خلاف یہ پراپیگنڈہ کیا گیا کہ یہ ایک تبلیغی جماعت ہے اور اس کا جہاد سے دور کا بھی تعلق نہیں لیکن بہت جلد یہ پروپیگنڈہ دم توڑ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ مقبوضہ کشمیر میں قاری سیف اللہ اختر کی حرکت الجہاد اسلامی کا مقابلہ مولانا فضل الرحمان خلیلی کی جماعت حرکت المجاہدین سے تھا اور دونوں جماعتوں کے کارکن اختلافات کے باعث ہی تقسیم ہوئے تھے اس لئے دونوں جماعتوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوششیں شروع ہوگئیں اور پھر ایک موقع پر بات جھگڑوں تک پہنچ گئی۔ یہ اختلافات اور جھگڑے ہی بعد میں دونوں تنظیموں کے انضمام کے بعد حرکت الانصار کے قیام کا باعث بنے۔ ان اختلافات کو دور کرانے اور دونوں جماعتوں میں صلح کی کوششیں کرانے والوں میں مولانا یوسف لدھیانوی اور مولانا سمیع الحق نے کافی کوششیں کیں۔ انہی کوششوں کے نتیجے میں جون 1993ء میں حرکت المجاہدین اور حرکت الجہاد اسلامی میں انضمام کے باعث حرکت الانصار قائم ہوئی۔

قاری سیف اللہ اختر کی عسکری سوچ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے پاک فوج کے 111 بریگیڈ کی طرز پر حرکت الجہاد اسلامی کا 111 بریگیڈ بھی قائم کر رکھا تھا جو مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج کے خلاف بڑی سرعت کے ساتھ عسکری کارروائیاں کرتا تھا۔ حرکت الانصار کے وجود میں آنے سے مقبوضہ کشمیر میں عسکری کارروائیوں میں تیزی آئی تاہم حیران کن بات یہ ہوئی کہ جب حرکت الانصار کے عہدیداروں کا انتخاب کیا گیا تو قاری سیف اللہ

MashalBooks.com

اختر کو کوئی مرکزی عہدہ نہیں دیا گیا۔ حرکت الانصار کا سرپرست اعلیٰ مولانا محمد امین، سرپرست مولانا فضل الرحمٰن خلیل اور نگران اعلیٰ مولانا عبدالصمد سیال کو مقرر کیا گیا۔ قاری سیف اللہ اختر کو محض شوریٰ کا ممبر اور امور حرب کا انچارج منتخب کیا گیا۔ قاری سیف اللہ اختر کو اس بات کا دکھ تو ہوا لیکن انہوں نے جہاد کے مقاصد کے حصول کی خاطر چپ سادھے رکھی۔ حرکت الانصار میں چونکہ پہلے سے دو گروپ تھے اور دونوں گروپوں کے اختلافات وقتی طور پر ختم ہوئے تھے۔ قاری سیف اللہ اختر گروپ کے مجاہدین بھی مرکزی عہدیداروں سے خوش نہیں تھے لیکن یہ وجہ حرکت الانصار میں انتشار کا باعث نہ بنی بلکہ اس کی وجہ مولانا مسعود اظہر کی گرفتاری بنی۔

11 فروری 1994ء کو مولانا مسعود اظہر مقبوضہ کشمیر میں حرکت کے ایک کمانڈر سجاد افغانی کے ساتھ گرفتار ہو گئے۔ حرکت الانصار کی طرف سے ان دونوں کو آزاد کرانے کے لئے کارروائیوں کا آغاز ہوا۔ اپریل 94ء میں سجاد افغانی کی جگہ لینے والے کمانڈر سکندر نے برطانوی سیاحوں کو اغوا کر لیا اور بدلے میں مولانا مسعود اظہر اور سجاد افغانی کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ یہ حربہ کارگر ثابت نہ ہوا اور ان کوششوں سے مولانا مسعود اظہر اور سجاد افغانی کو رہائی تو نہ ملی لیکن حرکت الانصار انتشار کا شکار ہو گئی۔ 1995ء میں اس طرح کی ایک کوشش پھر کی گئی۔ مقبوضہ کشمیر میں پلگام کے مقام سے امریکی، جرمن، برطانوی اور ناروے کے سیاحوں کو اغوا کر لیا گیا۔ اس اغوا کی ذمہ داری ''الفاران'' نامی تنظیم نے قبول کی۔ یہ تنظیم بھی کمانڈر سکندر اور کمانڈر عبدالحمید نے بنائی تھی اور اس مقصد بھی مولانا مسعود اظہر کو رہا کرانا تھا۔ چونکہ ان دونوں کمانڈروں کا تعلق حرکت المجاہدین سے تھا اس لئے حرکت الانصار میں حرکت المجاہدین پر ہی اس کی ذمہ داری ڈالی گئی۔ امریکہ نے اس کارروائی کے بعد پاکستان پر دباؤ بڑھایا اور حرکت الانصار پر پابندی لگا دی۔ حرکت الانصار میں انتشار کی ایک وجہ حرکت الجہاد اسلامی کی طرف سے 1995ء کی فوجی بغاوت بھی قرار دی جاتی ہے۔

قاری سیف اللہ اختر کی جدوجہد چونکہ انقلابی طرز کی رہی ہے۔ اس لئے مبینہ طور پر انہوں نے پاکستان میں عسکری نوعیت کا انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی۔ 1995ء میں جب میجر جنرل ظہیر الاسلام عباسی اور بریگیڈیئر مستنصر باللہ نے جی ایچ کیو اور بینظیر بھٹو کی حکومت کے خلاف بغاوت کا منصوبہ بنایا تو قاری سیف اللہ اختر بھی اس منصوبے میں شریک تھے۔ منصوبہ یہ

بنایا گیا تھا کہ افغان اور کشمیری مجاہدین کو پاکستانی فوجی کمانڈوز کی یونیفارم پہنا کر جی ایچ کیو پر ہلہ بول دیا جائے۔ جی ایچ کیو میں داخلے کے لئے ''انقلابیوں'' نے یہ حکمت عملی وضع کی کہ میجر جنرل ظہیرالاسلام عباسی کی سٹاف کار پر لیفٹیننٹ جنرل کے تین سٹار اور فلیگ لگا کر اسے جی ایچ کیو میں داخل ہونا تھا۔ پیچھے بڑی گاڑی میں مسلح کمانڈوز ہوتے۔ جنرل عباسی کی سٹاف کار ان کمانڈوز کو اسکارٹ کرتی ہوئی جی ایچ کیو میں داخل ہوتی اور سیدھی کانفرنس ہال کا رخ کرتی جہاں کور کمانڈرز فارمیشن کمانڈر اور پرنسپل سٹاف افسروں کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ دستی بموں اور اے کے 47 رائفلوں سے مسلح ان کمانڈوز نے سب کو یرغمال اور مزاحمت کرنے والوں کو اڑا دینا تھا۔ اس کے بعد میجر جنرل عباسی کو چیف آف آرمی سٹاف مقرر کیا جاتا۔ جنرل عباسی نے بعدازاں اپنے حامی فوجی افسروں کو اگلے دو گریڈوں میں ترقی دے کر سینئر کمانڈ سونپ دینی تھی اور پھر وہ سارے ملک کی فوجی کمان سنبھال لیتے۔ قاری سیف اللہ اختر نے اس آپریشن کے لئے 30 ''مجاہدین'' فراہم کرنے تھے اور اس کے علاوہ اسلحہ' ایمونیشن' موبائل فونز' یونیفارم اور مشن میں استعمال ہونے والی دوسری اشیا کا بندوبست بھی انہوں نے کرنا تھا۔ اس سازش میں ملوث کرنل راجہ کے بعدازاں دیئے گئے تحریری بیان کے مطابق کوہاٹ کے ہوٹل گرین میں قیام کے دوران قاری سیف اللہ اختر نے ہتھیاروں کا بندوبست کیا۔ قاری سیف اللہ اختر یہ ہتھیار ایک کار میں لے کر راولپنڈی جا رہے تھے کہ مخبری ہونے پر قاری سیف اللہ اختر کو اسلحہ سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ قاری سیف اللہ اختر نے پکڑے جانے کے بعد یہ بیان دیا کہ ہتھیار کشمیری مجاہدین کے لئے خریدے گئے تھے۔

قاری سیف اللہ کے آئی ایس آئی اور فوج میں رابطے ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ چنانچہ انہیں گرفتاری کے فوراً بعد ہی وعدہ معاف گواہ کا درجہ دے دیا گیا۔ استغاثہ کے سمری آف ایوڈینس کے مطابق قاری سیف اللہ اختر سے بغاوت کی سازش میں استعمال ہونے والا اسلحہ 8 ستمبر 1995ء کو کوہاٹ کے قریب آئی ایس آئی کے ایک افسر جواد سلطان نے ملٹری انٹیلی جنس کی مدد سے پکڑا۔ اس اسلحہ میں 26 کلاشنکوف رائفلیں' ایک عدد راکٹ لانچر' 50 راکٹ' 2 راکٹ کارتوس' 12 عدد میگزین کلاشنکوف اور 50 دستی بم شامل تھے۔ اسلحہ کی مالیت 40 لاکھ روپے بتائی گئی۔ سو کے قریب گرفتار ہونے والے ملزموں میں سے قاری سیف اللہ اختر کا نام پانچویں

نمبر پر تھا لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ جب چارج شیٹ پیش کی گئی تو اس میں ان کے خلاف کوئی الزام عائد نہیں کیا گیا۔ قاری سیف اللہ اختر نے مقدمہ میں مندرجہ ذیل وجوہات ریکارڈ پر لانے کی درخواست کے ساتھ اپنا بیان قلمبند کرانے اور گواہان طلب کرنے سے انکار کر دیا۔

1- مقدمے کی تمام کارروائی، بشمول تفتیش مکمل طور پر غیر اسلامی ہے۔

2- ایک مسلمان ہونے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کا شہری ہونے کی حیثیت سے میرا مطالبہ ہے کہ مقدمے کی اگلی کارروائی قرآن وسنت میں بیان کردہ اسلامی اصول وقوانین کے تحت کی جائے۔

3- عدالت ایسے علما، ججوں پر مشتمل ہونی چاہئے جو اسلامی فلسفہ قانون پر کامل دسترس رکھتے ہوں۔ میری مراد وفاقی شرعی عدالت سے ہے۔

4- انصاف کے تقاضوں کے مدنظر، وکیل صفائی کی خدمات حاصل کرنے اور صفائی کے گواہوں کو طلب کرنے کی سہولت کے لئے مقدمے کی کارروائی وفاقی دارالحکومت میں چلائی جائے۔

5- حتمی فیصلہ ہونے تک مجھ پر عائد تمام غیر قانونی اور غیر اسلامی پابندیاں ختم کی جائیں۔

قاری سیف اللہ اختر اس دوران آئی ایس آئی کی تحویل میں رہے۔ 1996ء کی دوسری سہ ماہی میں انہیں اچانک رہا کر دیا گیا۔ ان کی اس اچانک رہائی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے وعدہ معاف گواہ بن کر خود کو بچا لیا۔

1995ء کی فوجی بغاوت میں واضح طور پر ملوث ہونے کے باوجود وہ کیا وجوہات تھیں جن کی بنا پر قاری سیف اللہ اختر کو رہا کر دیا گیا؟ ابھی تک صیغہ راز میں ہیں لیکن اس سے ان کی جہاد اور پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کی لگن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

فوجی بغاوت کی ناکامی، آئی ایس آئی کے ہاتھوں گرفتاری اور پھر دباؤ دراصل قاری سیف اللہ اختر کا ایک امتحان تھا۔ اس امتحان سے جب وہ 1996ء کے وسط میں باہر نکلے تو حرکت الانصار ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی تھی۔ امریکہ کی طرف سے جماعت پر پابندی کے بعد مولانا فضل الرحمان خلیل اپنی حرکت المجاہدین کو منظم کر رہے تھے۔ قاری سیف اللہ اختر نے بھی اپنی سابقہ جماعت کو بحال کیا اور پھر پوری تندہی کے ساتھ جہادی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔ اس وقت وہ بہت سے تجربات کے نتیجے میں بہت سے سبق حاصل کر چکے تھے۔

جہادی ذرائع کے مطابق یہ قاری سیف اللہ اختر کے عروج کا زمانہ تھا۔ انہوں نے اپنی محنت

MashalBooks.com

اور رابطوں سے حرکت الجہاد الاسلامی کو ایک منظم اور عالمگیر جہادی تنظیم بنا دیا۔ دنیا کے 24 ممالک میں جماعت کا نیٹ ورک قائم ہو گیا اور پاکستان کے 40 اضلاع میں جماعت کے دفاتر کھل گئے۔1996ء میں ہی قاری سیف اللہ افغانستان منتقل ہو گئے تھے جہاں طالبان کئی صوبوں پر اپنی حکومت قائم کر چکے تھے۔ قاری سیف اللہ اختر کے مجاہدین نے اس عرصے کے دوران نہ صرف طالبان کے ساتھ مل کر شمالی اتحاد اور دیگر افغان وار لارڈز کے خلاف بھرپور جنگ لڑی بلکہ برما' ازبکستان' تاجکستان اور چیچنیا میں بھی حرکت کے مجاہدین نے جہاد میں تیزی پیدا کی۔ جماعت کے ایک تعارفی بروشر کے مطابق حرکت الجہاد الاسلامی کے شاہین صفت مجاہدین افغانستان کے بعد کشمیر' برما' تاجکستان' چیچنیا' فلسطین اور وسطی ایشیا کی کئی ریاستوں میں شجاعت و بہادری کی داستانیں رقم کر رہے ہیں۔ حرکت الجہاد الاسلامی کو سب سے پہلے بھارت' بنگلہ دیش' برما' ایران' فلپائن' ملائشیا' افریقہ' برطانیہ' آئرلینڈ' فجی سمیت اکثر عرب ممالک اور وسط ایشیائی ریاستوں کے مجاہدین کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے عملی جنگی میدانوں میں شرکت کا موقع فراہم کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔''

جہادی ذرائع کے مطابق قاری سیف اللہ اختر کی جماعت کو اس کے علاوہ بھی بہت سے اعزازات حاصل ہیں مثلاً افغانستان کے صوبہ پکتیکا کی مشہور فوجی چھاؤنی ارگون کو فتح کرنے کے صلے میں حرکت کے مرکزی کمانڈر مولانا خالد زبیر شہید کو افغان مجاہدین کی عبوری حکومت کی طرف سے گولڈ میڈل پیش کیا گیا۔ بھارتی فوج سے اسلحہ چھیننے کی روایت بھی سب سے پہلے حرکت الجہاد الاسلامی نے قائم کی۔ 40 ہزار سے زائد بھارتی فوج کا 72 گھنٹے تک محاصرہ رکھنے کا منفرد اعزاز بھی حرکت الجہاد الاسلامی کو ہی حاصل ہے اس کے علاوہ مقبوضہ کشمیر میں 7 لاکھ انڈین فوج کی موجودگی میں ٹریننگ کیمپ قائم کر کے ہزاروں کشمیری نوجوانوں کو جہاد کی تربیت دینے کا اعزاز بھی حرکت الجہاد الاسلامی کے ہی حصے میں آیا۔ حرکت الجہاد الاسلامی کو اس مقام تک پہنچانے میں قاری سیف اللہ اختر نے کس طرح کام کیا؟ پروفیسر خواجہ ابوالکلام صدیقی کے مطابق ''قاری سیف اللہ پر صبح سے رات تک بے پناہ مصروفیت کے باوجود تھکن طاری نہیں ہوتی۔ ان کا چہرہ ہر وقت ہشاش بشاش اور دماغ جسم سے بھی زیادہ متحرک ہے۔ وہ کسی بھی مصروفیت میں ہوں وائرلیس کے ذریعے اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتے رہتے ہیں۔ وہ کسی کے

MashalBooks.com

ساتھ مجلس میں بیٹھے ہوں یا سفر پر ہوں۔ ان کا ذہن نجانے کتنی ذمہ داریاں ادا کر رہا ہوتا ہے''۔

دسمبر 1999ء میں مولانا مسعود اظہر کی رہائی کے بعد جب انہوں نے اپنی نئی جماعت جیش محمد کا اعلان کیا تو اس قسم کی افواہیں منظر عام پر آئیں کہ قاری سیف اللہ اختر نے جیش محمد کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے اور حرکت الجہاد الاسلامی کا پورا نظم جیش محمد میں شمولیت اختیار کر رہا ہے۔ تاہم یہ صرف افواہیں ہی ثابت ہوئیں کیونکہ اس وقت قاری سیف اللہ اختر افغانستان میں طالبان حکومت کے انتہائی قریب ہو چکے تھے۔ قاری سیف اللہ اختر کو جیش محمد کے قیام سے تھوڑا بہت نقصان ضرور ہوا کیونکہ حرکت الجہاد کے بہت سے کارکن جیش محمد میں شامل ہو گئے۔ تاہم اس دوران قاری سیف اللہ اختر نے افغانستان میں طالبان کے برسر اقتدار آنے سے فائدہ اٹھایا اور انہوں نے اپنے بہت سے مجاہدین کو طالبان انتظامیہ اور فوج میں باقاعدہ ملازم بھرتی کروالیا۔ کہا جاتا ہے کہ قاری سیف اللہ نے طالبان حکومت سے حرکت الجہاد الاسلامی کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے بے پناہ جہادی سہولیات حاصل کیں۔ طالبان حکومت سے پہلے ان کے افغانستان میں ٹریننگ کیمپوں کی تعداد صرف دو تھی جو طالبان دور میں بڑھ کر 6 ہو گئی۔ یہ 6 ٹریننگ کیمپ قندھار' کابل اور خوست میں تھے۔ مجاہدین کی تمام تربیت وہیں پر ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ حرکت کا ایک کیمپ مقبوضہ کشمیر میں ہے۔ قاری سیف اللہ اختر کی ان کوششوں کی وجہ سے جماعت کو پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک کے مجاہدین کی بھی سب سے زیادہ افرادی قوت میسر آئی۔ دیگر ممالک کے مجاہدین عسکری تربیت کے لئے حرکت الجہاد کے کیمپوں میں آتے۔ وہ وہاں تربیت حاصل کرتے اور لانچنگ کا انتظار کئے بغیر انہیں عملی جہاد میں شرکت کا موقع مل جاتا۔ قاری سیف اللہ اختر نے اس دوران کابل میں ''دارالاشاد'' کے نام سے اپنا مرکزی سیکرٹریٹ قائم کیا۔ جہادی ذرائع کے مطابق قاری سیف اللہ اس وقت ملا عمر کے اتنے قریب ہو چکے تھے کہ ملا عمر نے شمالی اتحاد کے خلاف عسکری منصوبہ بندی کی ذمہ داری بھی قاری صاحب کو سونپ دی تھی۔ اس کے علاوہ طالبان فوج اور طالبان پولیس کی تیاری و تربیت کا 80 فیصد کام بھی انہیں ہی سونپ دیا گیا۔

شمالی اتحاد کے خلاف طالبان کا بھرپور ساتھ دینے کی پاداش میں حرکت الجہاد الاسلامی کے مجاہدین کو افغانستان میں ''پنجابی طالبان'' کہا جاتا تھا۔ حرکت اور طالبان میں تعلقات کا اندازہ

MashalBooks.com

اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ طالبان حکومت کے تین وزرا اور 20 ججوں کا تعلق حرکت الجہاد الاسلامی سے تھا۔ قاری سیف اللہ اختر کو ملا عمر کے خصوصی مشیر کا درجہ حاصل تھا۔ قاری سیف اللہ اور ملا عمر میں اس قربت کی وجہ حرکت الجہاد الاسلامی کے ان 300 مجاہدین کو بھی قرار دیا جاتا ہے جو طالبان کی طرف سے شمالی اتحاد کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ طالبان اور ملا عمر کی مدد سے قاری سیف اللہ اختر دنیا بھر کی جہادی تنظیموں کا ایک بہت بڑا نام اور ان کی جماعت دیکھتے ہی دیکھتے تنظیمی اعتبار سے سب سے بڑی جہادی تنظیم بن گئی اور اس نے یہ ماٹو اختیار کر لیا تھا۔

''ہر مسلم ملک کی سیکنڈ ڈیفنس لائن' حرکت الجہاد الاسلامی''

حرکت الجہاد الاسلامی کے بعض اراکین کے مطابق دنیا بھر کی جہادی تحریکوں کے ارکان ہم سے متاثر تھے تاہم ''جیش محمد'' کے قیام سے ہمیں نقصان پہنچا۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ نقصان اکتوبر 2001ء میں افغانستان پر امریکی حملے سے ہوا۔ قاری سیف اللہ اختر اور حرکت الجہاد اسلامی کا برا وقت یہیں سے شروع ہوا۔ امریکی حملے کے نتیجے میں حرکت کے ڈیڑھ سو سے زائد مجاہدین شہید ہو گئے جن میں کئی معروف کمانڈر مولانا نذیر تبسم' کمانڈر استاد حسن اور اسد اللہ کے نام بھی شامل ہیں۔ 90 مجاہدین مزار شریف اور کچھ دیگر خواجہ غار اور بگرام کے محاذوں پر کام آئے۔ قاری سیف اللہ اختر امریکی حملے کے دوران کابل میں تھے۔ کابل پر شمالی اتحاد کے قبضے سے پہلے ہی وہ قندھار پہنچ گئے اور پھر بعد ازاں ملا عمر کے ساتھ ہی قندھار سے نکل گئے۔ بعض ذرائع کے مطابق وہ کافی عرصہ قبائلی علاقوں میں روپوش رہے۔ جبکہ حرکت کے دیگر مجاہدین بھی ادھر ادھر نکل گئے۔ جہادی ذرائع کے مطابق بہت سے مجاہدین ازبکستان' تاجکستان اور چیچنیا میں روپوش ہو گئے۔ جبکہ پاکستان میں موجود حرکت الجہاد الاسلامی کے کارکنوں سے کہا گیا کہ وہ گھروں میں رہیں اور اگلے حکم کا انتظار کریں۔

جنرل پرویز مشرف نے جب امریکی دباؤ کے باعث جہادی تنظیموں کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کیا تو حرکت الجہاد الاسلامی کے 111 بریگیڈ نے جمعیت المجاہدین کے ساتھ عسکری معاونت کر لی۔ قاری سیف اللہ اختر نے اس دوران روپوشی کی حالت میں بھی بڑا کام کیا۔ بعض ذرائع کے مطابق قاری سیف اللہ اختر کے افغانستان پر امریکی حملے کے بعد روپوشی

MashalBooks.com

کی حالت میں عرب جنگجوؤں سے روابط بہت بڑھ گئے۔ کچھ ذرائع یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ افغانستان میں ملا عمر کی قربت کے باعث ان کے رابطے القاعدہ کے بعض ذمہ داران سے ہو چکے تھے۔ ان دعووں کو اس قسم کے شواہد سے تقویت ملتی ہے کہ افغانستان میں ملا عمر کے خصوصی مشیر اور عسکری انچارج کی حیثیت سے بیشتر فوجی چھاؤنیوں اور ٹریننگ کمپیوں کا کنٹرول انہی کے ہاتھ میں تھا۔

قاری سیف اللہ افغانستان سے نکلنے اور بعدازاں جہادی تنظیموں پر پابندی لگنے کے بعد کیا کرتے رہے؟ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ روپوشی کے دوران ہی انہوں نے فوج اور آئی ایس آئی میں اپنے روابط کو استعمال کیا اور پھر وہ دوستوں کی مدد سے بحفاظت سعودی عرب پہنچ گئے۔ سعودی عرب میں وہ آرام دہ زندگی گزار رہے تھے۔ یہ تمام معاملات حکومت پاکستان اور سعودی گورنمنٹ کے بھی علم میں تھے تاہم ان پر پوری طرح نظر رکھی جا رہی تھی۔ ذرائع کے مطابق قاری سیف اللہ اختر جنرل مشرف کی پالیسیوں اور جہاد کے خلاف اٹھائے گئے ان کے اقدامات سے خوش نہیں تھے۔ ان عوامل نے قاری سیف اللہ کی سوچ اور خیالات میں تبدیلی پیدا کی۔ بعض ذرائع کے مطابق انہوں نے سعودی عرب میں قیام کے دوران بھی اپنی جہادی سرگرمیاں بند نہیں کیں۔ چین کی طرف سے جب یہ بات حکومت پاکستان کے علم میں لائی گئی کہ قاری سیف اللہ چینی مسلمانوں کو ان کے سرحدی صوبے میں شورش پھیلانے کے لئے استعمال کر رہے ہیں تو ان کی کڑی نگرانی شروع کر دی گئی۔ چین کے ایک سرحدی صوبے سے تعلق رکھنے والے 70 چینی مسلمانوں کو قاری سیف اللہ نے حرکت الجہاد میں شامل کر کے افغانستان میں ٹریننگ دی تھی اور پھر انہیں جہاد کے لئے بھجوایا جانا تھا لیکن ملا عمر نے اس کی اجازت نہیں دی تھی۔

باخبر ذرائع کے مطابق القاعدہ اور دیگر مجاہدین کے خلاف کریک ڈاؤن کے باعث جب انہوں نے اپنے دفاع کے لئے مغربی اہداف پر حملے شروع کئے تو دیگر جماعتوں کی طرح حرکت کے کارکن بھی اس میں شامل ہو گئے۔ اس ردعمل کے نتیجے میں گزشتہ 23 سالوں سے مجاہد کہلانے والے دہشت گرد قرار دے دیئے گئے۔ حکومتی ادارے اس کا ذمہ دار قاری سیف اللہ اختر کو ہی سمجھ رہے تھے اور اس سلسلے میں ان کے پاس کئی دلائل تھے۔ القاعدہ بھی اس وقت تک

MashalBooks.com

کالعدم جہادی تنظیموں میں گھس چکی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ حرکت کے بہت سے لوگ استعمال ہوئے لیکن اس کے باوجود قاری سیف اللہ اختر کو نہیں چھیڑا گیا۔

القاعدہ نے جب ردعمل کے طور پر سعودی عرب کو بھی اپنی کارروائیوں کا مرکز بنایا تو سعودی حکومت نے قاری سیف اللہ کی مشکوک سرگرمیوں کے باعث انہیں نکلنے کا الٹی میٹم دے دیا۔ قاری سیف اللہ اختر یہاں سے دوبئ آ گئے۔ حکومت پاکستان نے بھی اس دوران بعض شواہد ملنے پر ان کی گرفتاری کا حکم دے دیا لیکن اس وقت تک وہ روپوش ہو چکے تھے۔

جنرل پرویز مشرف پر دو قاتلانہ حملوں کے بعد انٹیلی جنس اداروں کو حملے میں ملوث ملزموں کے بارے میں جو شواہد ملے' ان میں کسی نہ کسی طرح قاری سیف اللہ اختر کا نام بھی سامنے آیا۔ اس کے بعد سیکورٹی ادارے قاری سیف اللہ اختر کی گرفتاری کے لئے متحرک ہو گئے لیکن وہ ان کے ہاتھ نہ آئے۔ بعض انٹیلی جنس حکام کے مطابق سوچ اور خیالات میں تبدیلی کے باعث قاری سیف اللہ اختر نے انتہائی غلط کردار ادا کیا اور وہ باقاعدہ طور پر القاعدہ کے ساتھ مل کر پاکستانی مفادات کو نقصان پہنچانے لگے۔ حرکت کے مجاہدین القاعدہ کے بعض ذمہ داران کی ہدایات پر کام کرنے لگے جس کے نتیجے میں ملک میں کئی مقامات پر خودکش حملوں اور دھماکوں کے باعث انسانی جانیں ضائع ہوئیں۔''

قاری سیف اللہ اختر کے پاکستانی مفادات کو نقصان پہنچانے' جنرل مشرف پر حملوں اور سیکورٹی حکام کے دعووں کے مطابق ملک میں انتہا پسندانہ کارروائیاں کروانے کے ضمن میں کوئی ٹھوس شواہد تو سامنے نہیں آئے لیکن سیکورٹی اداروں نے جنرل مشرف پر خودکش حملے میں ان کے ملوث ہونے کا شبہ ظاہر کیا۔ اس شبہ کی وجہ حرکت کا ایک کارکن امجد فاروقی تھا جو مبینہ طور پر جنرل مشرف پر ہونے والے دونوں حملوں میں ملوث تھا۔ امجد فاروقی کے قاری سیف اللہ اختر سے تعلقات تھے۔ ان ذرائع کے مطابق قاری سیف اللہ اختر القاعدہ کا پاکستان میں آپریشنل ہیڈ بن چکے تھے اور وہ دوبئ سے سب کچھ کنٹرول کر رہے تھے۔

قاری سیف اللہ اختر کی گرفتاری کے فوراً بعد آئی ایس آئی کے اعلیٰ افسروں پر مشتمل ایک ٹیم نے ان سے تفتیش کی۔ اہم اور باخبر ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق قاری سیف اللہ ان دنوں بلوچستان میں چینی انجینئروں پر حملوں کی منصوبہ بندی کر رہے تھے تاکہ

پاک چین تعلقات کو خراب کیا جا سکے اور ان 70 چینی مسلمانوں کو بھی استعمال کیا جا سکے جنہیں انہوں نے 1997ء میں تربیت دے کر ملا عمر سے متعارف کروایا تھا۔ یہی منصوبہ بندی انہیں لے بیٹھی۔ باخبر ذرائع کے مطابق دوران تفتیش یہ انکشاف بھی سامنے آیا کہ قاری سیف اللہ نے روس کے خلاف جہاد کے ابتدائی ایام میں جن لوگوں کے ہمراہ فوجی تربیت حاصل کی تھی ان میں مولانا فضل الرحمان خلیل' کمانڈر جبار' مولانا مسعود اظہر اور کمانڈر الیاس کے علاوہ ریاض بسرا بھی شامل تھے۔

قاری سیف اللہ اختر کی گرفتاری کو انٹیلی جنس اداروں نے اپنی ایک بہت بڑی کامیابی قرار دیا ہے اور بعض سیکورٹی ذمہ داران کے مطابق وہ القاعدہ نیٹ ورک میں گھس چکے ہیں۔ قاری سیف اللہ کی گرفتاری کو ایک بڑا ''بریک تھرو'' قرار دینے کی وجہ یہ بھی ہے کہ سیکورٹی ادارے یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ایک ''ماسٹر مائنڈ'' کو قابو کر لیا ہے۔

MashalBooks.com

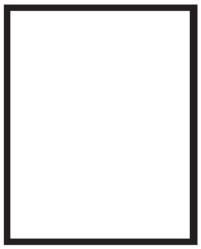

# طاہر یلدے شیف

جنوبی وزیرستان کے صدر مقام وانا کے مغرب میں تقریباً 15 کلومیٹر کے فاصلے پر ''کالوشا'' نام کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔

16 مارچ 2004ء کا دن تھا۔

''کالوشا'' میں مقیم احمد زئی قبیلے کا ایک قبائلی اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا تھا۔ گھر سے کچھ دور اسے وہ منظر صاف دکھائی دے رہا تھا جہاں فوج کے مسلح دستوں اور گاڑیوں نے ایک مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ دونوں طرف سے شدید فائرنگ کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ فوج نے چاروں طرف اپنی چوکیاں بنا رکھی تھیں اور بظاہر یہی لگ رہا تھا کہ چند ہی لمحوں میں محصورین کی مزاحمت دم توڑ جائے گی لیکن سب کچھ اس کے برعکس ہوا۔ اچانک ہر طرف دھوئیں کے بادل چھا گئے۔ کسی کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا لیکن اندھا دھند فائرنگ جاری تھی۔ اس دوران اس مکان سے ایک ڈبل کیبن بلٹ پروف گاڑی انتہائی تیز رفتاری سے نکلی۔ اس گاڑی کے آگے پیچھے اور دونوں سائیڈوں پر نقاب پوش مسلح جنگجوؤں سے بھری چار ڈبل کیبن گاڑیاں بھی تھیں جو درمیان والی گاڑی کو ''کور'' دے رہی تھیں اور ساتھ ہی چاروں طرف فائرنگ بھی کر رہی تھیں۔ یہ پانچوں گاڑیاں گولیوں کی بوچھاڑ کے باوجود سیکورٹی فورسز کے محاصرے کو چیرتے ہوئے نکل گئیں اور

MashalBooks.com

انہیں روکنے والے فوجی ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

فرار ہونے والوں کی پلاننگ اور یہاں ہونے والی مزاحمت سے یہی لگ رہا تھا کہ یہاں القاعدہ کا کوئی اہم رہنما موجود تھا جس کی حفاظت کے لیے جنگجوؤں کی طرف سے شدید مزاحمت ہو رہی تھی۔ سیکورٹی فورسز کی طرف سے تمام تر کوششوں کے باوجود جب دھواں مدہم ہوا اور گاڑیوں کی دھول بیٹھی تو پتہ چلا کہ مطلوب افراد گھیرا توڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ فوجی آپریشن ناکام ہو چکا تھا۔ کسی کی لاش فوج کے ہاتھ نہ لگی۔ اس آپریشن کی ناکامی سے فوج کو ایک بہت بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔

آخر یہ فرار ہونے والے کون لوگ تھے؟

اس آپریشن سے قبل یہ اطلاعات سامنے آ چکی تھیں کہ جنوبی وزیرستان میں ایک انتہائی ہائی ویلیو ٹارگٹ موجود ہے اور پاک فوج کو علاقے میں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس ہائی ویلیو ٹارگٹ کا پتہ اس وقت چلا جب مارچ 2004ء کے دوسرے ہفتے میں جنوبی وزیرستان سے ایک ویڈیو ٹیپ جاری ہوا جسے خفیہ انداز میں صرف اسی علاقے میں تقسیم کیا گیا۔ اس ویڈیو ٹیپ میں ایک لمبی داڑھی والے لمبے چوڑے شخص کو مسلح محافظوں کے جھرمٹ میں دکھایا گیا۔ پس منظر میں گھنے جنگلات سے اس مقام کی نشاندہی ممکن نہیں تھی کہ یہ فلم کہاں بنائی گئی ہے۔ فلم میں سب کے چہرے صاف نظر آ رہے تھے اور سب شکل وصورت سے ازبک باشندے معلوم ہوتے تھے۔ اس فلم نے ایک سنسنی پھیلا دی۔ انٹیلی جنس اور سیکورٹی فورسز کے ذمہ داران نے اس فلم کو ریلیز کرنے کا یہی نتیجہ نکالا کہ جیسے یہ فلم تقسیم کرنے والے علاقے میں ''اسلامک موونٹ آف ازبکستان'' کا مورال بلند کرنا چاہتے ہیں اور جنوبی وزیرستان میں القاعدہ کے اس مطلوب رہنما کے ماننے اور اس کے حکم سے جان دینے والوں کی کمی نہیں ہے۔

اس ویڈیو ٹیپ کے ذریعے سیکورٹی فورسز کو پتہ چلا کہ علاقے میں ایک ہائی ویلیو ٹارگٹ موجود ہے۔ اس ہائی ویلیو ٹارگٹ کی تلاش اور ٹھکانے کی نشاندہی کے بعد فوجی آپریشن کچھ اس طرح ترتیب دیا گیا کہ وہ ہائی ویلیو ٹارگٹ کسی بھی طرح ہاتھ سے نہ نکل سکے لیکن ساری منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ گئی اور ہائی ویلیو ٹارگٹ فوج کا گھیراؤ توڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

MashalBooks.com

یہ ہائی ویلیو ٹارگٹ کون تھا؟ بہت سے لوگوں کا کہنا تھا کہ یہ ہائی ویلیو ٹارگٹ اسامہ بن لادن یا ایمن الظواہری تھا۔ تاہم تقریباً ایک ہفتے بعد فوج کے محکمہ تعلقات عامہ آئی ایس پی آر کے سربراہ میجر جنرل شوکت سلطان نے اعلان کیا کہ یہ ''ہائی ویلیو ٹارگٹ'' اسامہ بن لادن یا ایمن الظواہری نہیں بلکہ القاعدہ کا ازبک راہنما طاہر یلدے شیف تھا۔ اسے کئی گولیاں لگیں اور وہ زخمی حالت میں فرار ہوا ہے۔

ازبکستان کا شہری طاہر یلدے شیف کون ہے؟

ازبکستان سے پاکستان تک اور ایران سے سعودی عرب تک اس پراسرار شخصیت کے رابطوں اور تعلقات کے باوجود وہ انتہائی مطلوب ترین شخص کیسے بن گیا؟ طاہر یلدے شیف کے پیچھے وسطی ایشیاء کے تین ممالک روس، امریکہ اور پاکستان کیوں لگے ہوئے ہیں؟ آخر اس نے کون سے ایسے جرائم کئے ہیں جس کی بدولت وہ اپنے آپ کو منظر عام پر نہیں لا رہا؟ پاکستان میں اس کی کیا دلچسپیاں ہیں اور کن لوگوں سے مراسم ہیں؟ اسامہ بن لادن، ایمن الظواہری، ملا عمر، نیک محمد اور قبائلی سرداروں سے اس کے کس طرح کے رابطے اور تعلقات ہیں؟ پاک فوج کو وہ کیوں مطلوب ہے؟ ان تمام سوالوں کے جوابات بڑے دلچسپ ہیں۔ تاہم سب سے پہلے یہ بات بتا دی جائے کہ طاہر یلدے شیف القاعدہ کا وہ اہم رہنما ہے جس نے قبائلی علاقوں میں پاک فوج کے خلاف جنگجوؤں کی مزاحمت کو منظم کر کے ان کی کمانڈ کی اور اس مقصد کے لیے پیسہ پانی کی طرح بہایا۔

طاہر یلدے شیف نے پاک فوج کو جو نقصان پہنچایا اس کی تفصیلات تو بہت زیادہ ہیں اور ان کا پتہ پاک فوج کی متعلقہ کور یا آئی ایس پی آر کو ہوگا تاہم وہ اس بارے میں کچھ بھی بتانے یا تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں لیکن بعض مقامی لوگوں سے اس بارے میں جو تفصیلات معلوم ہو سکیں وہ یہ ہیں۔

☆ 2002ء میں جنوبی وزیرستان میں پاک فوج کے گشت پر گئے ہوئے جوانوں کو گھیر کر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی جس سے 15 فوجی شہید ہو گئے۔

☆ اس سال دو فوجی افسروں کو اس نے فائرنگ کر کے شہید کر دیا۔

☆ 2003ء میں بھی ایک جھڑپ کے دوران طاہر یلدے شیف نے پاک فوج کا بھاری

جانی و مالی نقصان کیا۔

☆ 2004ء میں کالوشا میں ہونے والے آپریشن کے دوران طاہر یلدے شیف اور اس کے ساتھیوں نے پاک فوج کو پھر جانی و مالی نقصان پہنچایا۔

☆ طاہر یلدے شیف نے قبائلی علاقوں کے بہت سے نوجوانوں کو گمراہ کر کے ان کے ہاتھوں میں کلاشنکوف اور اے کے 47 رائفل تھما دی۔

☆ ازبکستان اور تاجکستان کے پاس بھی طاہر یلدے شیف کے جرائم کی ایک طویل فہرست موجود ہے اور انہی جرائم کی بدولت ان دونوں ممالک میں اسے اس کی غیر موجودگی میں ہی سزائے موت بھی سنائی جا چکی ہے۔

''کالوشا'' وہ قصبہ ہے جہاں طاہر یلدے شیف نے افغانستان سے فرار ہونے کے بعد اپنا ٹھکانہ بنایا۔ ماضی کے برعکس ''کالوشا'' کی وجہ شہرت اب یہ بن گئی ہے کہ یہاں سے ایک ایسی مزاحمتی تحریک کی بنیاد رکھی گئی جس نے جنوبی وزیرستان کے تمام علاقوں وانا' کالوشا' شکئی' سروکئی اور موسانیکا میں پاک فوج کو شدید نقصان پہنچایا۔ اس قصبے کے بارے میں صدر جنرل پرویز مشرف سے لے کر فوج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کے تمام ذمہ داران کو یہی رپورٹیں پیش کی گئی تھیں کہ اس قصبے میں القاعدہ کا ایک انتہائی ''ہائی ویلیو ٹارگٹ'' موجود ہے۔

اس ہائی ویلیو ٹارگٹ کو پکڑنے کے آپریشن کی ناکامی نے جنرل پرویز مشرف سے لے کر فوج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کے تمام ذمہ داران کو ہلا کر رکھ دیا۔

طاہر یلدے شیف کی ''جہادی'' سرگرمیوں کا آغاز ازبکستان سے ہوا۔ سوویت یونین کے خاتمے کے بعد جب آزاد ریاستوں میں جہادی نظریے کا احیاء ہوا تو یہ نظریہ ازبکستان کے ایک دور دراز قصبے وادی فرغانہ تک بھی جا پہنچا۔ وادی فرغانہ وہ قصبہ ہے جہاں مغل سلطنت کا بانی شہنشاہ ظہیر الدین بابر پیدا ہوا تھا۔ اسی قصبے میں طاہر یلدے شیف پیدا ہوا۔ طاہر یلدے کا پورا نام طاہر بعد الاحمد وچ یلدے شیف ہے تاہم دسمبر 1989ء میں ازبکستان میں شروع ہونے والی ہنگامہ آرائی کے نتیجے میں وہ طاہر یلدے شیف کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یہی ہنگامہ آرائی دراصل طاہر یلدے شیف کی سرگرمیوں کا نقطہ آغاز ثابت ہوئی۔ اس ہنگامہ آرائی کا آغاز اس وقت ہوا جب نعمان گن قصبے میں علاقے کے ہی کچھ لوگوں نے قصبے کے میئر سے مسجد کی تعمیر

MashalBooks.com

کے لیے زمین کا مطالبہ کیا۔ میئر نے زمین دینے سے انکار کر دیا۔ نتیجتاً کچھ پرجوش نوجوانوں نے حکمران جماعت ''ازبک کمیونسٹ پارٹی'' کے ہیڈکوارٹر کی عمارت پر قبضہ کرلیا۔ یہ سب کالج کے طالب علم تھے۔ ان طالب علموں کو اس جرم کی پاداش میں کالج سے نکال دیا گیا۔ مقامی انتظامیہ کے اس اقدام نے ان نوجوانوں کی زندگی کے دھارے کو بدل کر رکھ دیا۔ ان نوجوانوں کی قیادت طاہر یلدے شیف کر رہا تھا جس کی عمر اس وقت صرف 24 سال تھی۔

طاہر یلدے شیف کے رابطے اس دوران ان ممالک سے بھی ہوگئے جو جہادی نظریے کو پروان چڑھانے کے لیے طاہر جیسے پرجوش نوجوانوں کو سپورٹ کرتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ طاہر یلدے شیف کی مذہبی اور جہادی تربیت سعودی عرب نے کی تو یہ بے جا نہیں ہوگا۔ طاہر یلدے شیف نے سب سے پہلا دورہ سعودی عرب کا ہی کیا۔ سعودی عرب میں ایک سعودی فاؤنڈیشن سے اس کے قریبی تعلقات قائم ہوگئے جس نے طاہر یلدے شیف اور اس کے 5 ہزار کے قریب ساتھیوں کی مالی امداد کی حامی بھر لی۔

1990ء میں طاہر یلدے شیف اور اس کے ساتھیوں نے نعمان گن قصبے میں ہی ایک مسجد اور مدرسے کی تعمیر شروع کر دی اور وہاں اسلامی تعلیمات کو سختی سے نافذ کرنا شروع کر دیا۔ طاہر یلدے شیف اور اس کے ساتھی لوگوں کو باقاعدگی سے نماز پڑھنے کی تاکید کرتے۔ خواتین کو نمود ونمائش والے لباس پہننے سے روکا جانے لگا اور انہیں برقعہ پہننے کی ہدایات دی جانے لگیں' جرائم میں کمی اور ناجائز منافع خوری کے خلاف بھی مہم شروع کی گئی۔ اس دوران طاہر یلدے شیف نے ازبکستان کے صدر اسلام کریموف سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ ریاست میں اسلامی شریعت نافذ کریں۔ کریموف طاہر یلدے شیف کی دعوت پر 1991ء میں بات چیت کے لیے نعمان گن آئے لیکن یہ بات چیت کامیاب نہ ہوسکی۔

اس بات چیت کی ناکامی کے بعد طاہر یلدے شیف نے یہ مطالبہ بھی کر ڈالا کہ اسلام کریموف جلد از جلد ازبکستان کو اسلامی ریاست قرار دیں اور زیادہ سے زیادہ مساجد اور مدرسے بنائے جائیں۔ یہ مطالبات تسلیم نہ کئے جانے پر طاہر یلدے شیف اور اس کے ساتھیوں نے حکمران ازبک کمیونسٹ پارٹی کے ہیڈکوارٹر پر پھر حملہ کر دیا اور اس بات کا اعلان کر دیا کہ کریموف حکومت غیر اسلامی ہے اور وہ کریموف حکومت کے خاتمے تک جہاد جاری رکھیں

MashalBooks.com

گے۔تاہم طاہر یلدے شیف اور اس کے ساتھیوں کا یہ ''جہاد'' اس وقت دم توڑ گیا جب انہوں نے نئی تشکیل دی گئی جماعت ''احیائے اسلام ازبکستان'' میں شمولیت اختیار کر لی۔ طاہر یلدے شیف اور اس کے ساتھیوں کو اس تنظیم کے اغراض و مقاصد نے متاثر کیا تھا کیونکہ اس تنظیم کا مطالبہ بھی ایک اسلامی ریاست تھا۔ تاہم بہت جلد طاہر یلدے شیف اپنے پیروکاروں سمیت اس تنظیم سے بددل ہو گئے اور انہوں نے اپنی ایک جماعت بنا ڈالی۔ اپنی جماعت کا نام انہوں نے ''عدالت پارٹی'' رکھا۔ یہ جماعت بہت جلد پوری وادی فرغانہ میں پھیل گئی۔ ''عدالت پارٹی'' نے احیائے اسلام جماعت کو خاصا نقصان پہنچایا۔ طاہر یلدے شیف نے پوری وادی میں مساجد اور مدارس قائم کرنے شروع کر دیئے اور ساتھ ہی ساتھ حکومت کے خلاف مسلح کارروائیاں بھی شروع کر دیں۔

ازبکستان کی حکومت نے کچھ عرصہ تک تو طاہر یلدے شیف کی مسلح کارروائیوں کو برداشت کیا اور پھر یہ کارروائیاں بڑھنے پر سخت اقدامات کا فیصلہ کیا۔ مارچ 1992ء میں ازبک حکومت نے ''عدالت پارٹی'' پر پابندی لگا دی اور اس کے کارکنوں کے خلاف کریک ڈاؤن کا آغاز کر دیا۔ سینکڑوں کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا جبکہ طاہر یلدے شیف تاجکستان فرار ہو گیا۔ تاجکستان میں اس نے ''جماعت احیائے اسلام'' میں شمولیت اختیار کر لی۔ ان دنوں یہ جماعت تاجک حکومت کے خلاف خانہ جنگی کی تیاری کر رہی تھی۔ طاہر یلدے شیف نے دوشنبہ میں جماعت کے رکن اور تاجکستان کے مفتی قاضی اکبر طراجان زادہ کے مدرسے میں فوجی تربیت حاصل کی۔

1992ء میں افغانستان میں شروع ہونے والی خانہ جنگی کے باعث جب ازبکستان اور تاجکستان کے مختلف جلاوطن اور مطلوب لیڈروں نے افغانستان کا رخ کیا تو ازبک اور تاجک لیڈروں کے ساتھ طاہر یلدے شیف بھی افغانستان آ گیا۔ افغانستان آمد کے بعد اس کی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ یہیں اس کے رابطے دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں سے وابستہ لوگوں اور مختلف ممالک کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ساتھ ہوئے۔ افغانستان سے وہ پاکستان آیا اور پھر سعودی عرب، ایران، ترکی اور متحدہ عرب امارات گیا۔ ان دوروں کا مقصد اسلامی تحریکوں کے بارے میں جاننا اور ان سے وابستہ افراد کے ساتھ روابط قائم کرنا تھا۔ بعض انٹیلی جنس حکام کے مطابق طاہر یلدے شیف نے سعودی عرب، ایران اور ترکی کے خفیہ اداروں سے مالی امداد

MashalBooks.com

حاصل کی۔ اسی دوران اس نے ایک ایسے ازبک تاجر سے مالی عطیات وصول کئے جو سعودی عرب میں مقیم تھا اور ازبکستان کے صدر اسلام کریموف سے شدید متنفر تھا۔ ان انٹیلی جنس حکام کے مطابق طاہر یلدے شیف نے اس دوران بے پناہ عطیات وصول کئے۔ سعودی عرب کی طرف سے بھی اسے دیئے جانے والے عطیات میں گرانقدر اضافہ ہوا۔ بعض رپورٹوں کے مطابق 1994ء سے 1996ء کے دوران طاہر یلدے شیف نے ان باغی چیچن کمانڈروں سے رابطے کئے جنہوں نے روس کے خلاف پہلی جنگ لڑی تھی۔ اس طرح طاہر یلدے شیف نے اپنے آپ کو ازبکستان میں اسلامی انقلاب اور جہاد کے سب سے بڑے داعی اور روحانی راہنما کے طور پر منوالیا۔ اس کا فائدہ اسے یہ پہنچا کہ وہ بہت جلد ایسی اسلامی تحریکوں سے مالی امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا جو وسطی ایشیاء میں اسلام کا فروغ چاہتی تھیں۔

اس وقت تک ازبکستان کی عدالتیں طاہر یلدے شیف کو موت کی سزا سنا چکی تھیں تاہم یہ سزا اس کی غیر موجودگی میں سنائی گئی۔ اس سزا کے بعد طاہر یلدے شیف کے لیے کھلے عام گھومنا پھرنا ناممکن ہوگیا۔ اس دوران طاہر یلدے نے کئی ملکوں کا سفر کیا۔ طاہر یلدے شیف نے جن جن ملکوں کا سفر کیا وہاں کی مذہبی اور جہادی جماعتوں کے علاوہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ذمہ داران سے بھی رابطے کئے اور مالی معاونت کی درخواست کی۔

1995ء سے 1998ء تک طاہر یلدے شیف نے پشاور کو اپنا مرکز بنائے رکھا۔ افغان جنگ اور بعد ازاں ہونے والی خانہ جنگی کے باعث افغانستان اس وقت پاکستانی یا افغان اسلامی گروپوں کا ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کی اسلامی جہادی گروپوں کی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔

پشاور میں قیام کے دوران اس کی ملاقاتیں اسامہ بن لادن کے ساتھ مل کر جہاد کرنے والے عرب اور افغانوں سے ہوئیں۔ یہاں اس کی ملاقات اسامہ بن لادن سے بھی ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ پشاور میں قیام کے دوران جمعیت علمائے اسلام نے طاہر یلدے شیف کو فنڈز فراہم کئے اور اس کے پیروکار ازبک نوجوانوں کو اپنے مدارس میں تعلیم و تربیت دی۔ 1996ء میں جمعیت علمائے اسلام کے مدارس میں ازبکستان اور تاجکستان کے سینکڑوں طلباء کو خصوصی کلاس رومز میں مترجموں کے ذریعے تعلیم دی جاتی تھی۔ ان طلباء کا تعلق ''عدالت پارٹی'' اور ''جماعت احیائے اسلام'' سے تھا۔

MashalBooks.com

پشاور میں قیام کے دوران طاہر یلدے شیف ازبکستان اور تاجکستان کے خفیہ دوروں پر جایا کرتا تھا۔ یہ سفر عموماً جعلی پاسپورٹ پر ہوتا اور اس کا اہتمام جہادی تنظیمیں کرتیں اور سعودی تاجر مالی معاونت فراہم کرتے۔

طاہر یلدے شیف کی یہ سرگرمیاں ازبک حکومت کے لیے سخت پریشان کا باعث بن رہی تھیں۔ حکومت نے دسمبر 1997ء میں نعمان گن میں جہادیوں کے خلاف ایک اور کریک ڈاؤن کا آغاز کیا۔ ہر داڑھی والے سے تفتیش کی گئی۔ اس کریک ڈاؤن کی وجہ کئی پولیس اہلکاروں اور بعض دیگر سرکاری حکام کی ہلاکت تھی جنہیں کسی ایک مزاحمتی گروپ نے ہلاک کر دیا تھا تاہم اس کی ذمہ داری کسی نے قبول نہیں کی تھی۔

طاہر یلدے شیف کا گھرانہ بھی اس کریک ڈاؤن کا نشانہ بنا۔ حکومت نے طاہر کی والدہ کرامت عسکروفا کو مجبور کیا کہ وہ اپنے بیٹے سے لاتعلقی کا اظہار کرے۔ اس مقصد کے لیے ایک عوامی اجتماع میں انہیں بلایا گیا اور وہاں ان سے یہ کہلوایا گیا۔

''اپنے والد کی وفات کے بعد یہ میرا چھوٹا بیٹا (طاہر یلدے شیف) پانچ سال کا تھا۔ میں نے ایک بیکری میں محنت مشقت کر کے بڑی مشکلوں سے اسے پالا پوسا۔ میں نے اپنے نافرمان بیٹے طاہر کو اپنے چھوٹے بھائی کو بلاوجہ مارنے پر گھر سے نکال دیا۔ اس کے بعد میں نے اس کی شکل نہیں دیکھی۔ یہ شیطان اگر میرا بیٹا ہے تو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ کاش زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں غرق ہو جائے۔ وہ اور اس کے ساتھی قبر میں بھی چین نہ پا سکیں' میں اپنے صدر اور قوم سے بے پناہ شرمندہ ہوں۔ کاش میرا یہ باغی بیٹا طاہر جس نے مجھے اس حال کو پہنچایا' مر جائے۔

طاہر یلدے شیف کی والدہ نے یہ بیان جس مجبوری اور دباؤ کے عالم میں دیا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ازبک حکومت ان ''جہادیوں'' (طاہر یلدے شیف اور ساتھیوں) کے کس قدر خلاف تھی۔ طاہر یلدے شیف کے ایک ساتھی نعمان غنی کے گھر والوں کے ساتھ اس سے بھی برا سلوک کیا گیا۔ نعمان غنی کی بہن اور بھائی نے اگرچہ اس سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا لیکن پولیس نے اس کی ایک بہن کو جیل میں ڈال دیا اور اسے مسلسل ہراساں کیا جاتا رہا۔ بعد ازاں نعمان غنی کی والدہ کو ایک عوامی اجتماع میں لایا گیا جہاں طاہر یلدے شیف اور نعمان غنی اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں مارے جانے والے ازبک فوجیوں کے رشتہ دار جمع تھے۔ ان

MashalBooks.com

سب سے نعمان غنی کی والدہ کا منہ کالا کرایا گیا اور ایک ناہنجار بیٹے (نعمان غنی) کو جنم دینے پر اس پر لعنت ملامت کی گئی۔ نعمان غنی کی والدہ اس صورتحال سے شدید ذہنی اذیت کا شکار ہوگئی۔ وہ روتے روتے معافی مانگتی رہیں اور دباؤ کے باعث اپنے بیٹے کو لعن طعن کرتی رہیں۔

جہادیوں کے خلاف کریک ڈاؤن اور ان کے اہل خانہ کو رسوا کرنے کے باعث حکومت کا پلہ بھاری ہو چکا تھا۔ طاہر یلدے شیف کے ساتھی گوریلے روپوش ہو چکے تھے۔ بعد ازاں وہ پناہ گزین کے طور پر ازبکستان کے ایک سرحدی علاقے میں نعمان غنی کے فارم پر پہنچے اور طاہر یلدے شیف پر دباؤ بڑھایا کہ وہ ازبک حکومت کے جبر و تشدد کا مقابلہ کرنے کے لیے منصوبہ بندی کریں۔ طاہر یلدے شیف اس کے لیے پہلے سے تیار تھا لیکن وہ یہ جدوجہد ازبکستان میں رہ کر نہیں کرسکتا تھا۔ اس مقصد کے لیے افغانستان آئیڈیل سرزمین تھی۔ طالبان سے اس کا تعارف ہو چکا تھا اور وہ اسے پناہ دینے کے لیے بھی تیار تھے۔ طالبان کا اس میں مفاد یہ تھا کہ ازبکستان کے صدر اسلام کریموف افغانستان میں طالبان مخالف قوتوں کی حمایت کر رہے تھے۔ طالبان، طاہر یلدے شیف کو اپنی مخالف قوتوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتے تھے۔ اس دوران طاہر یلدے شیف نے افغانستان میں اسامہ بن لادن سے ملاقات کی۔ کہا جاتا ہے کہ بن لادن نے ازبکستان کو اسلام کریموف کے چنگل سے چھڑانے اور اس سلسلے میں ایک اہم جماعت کی تشکیل کے لیے طاہر یلدے شیف کی حوصلہ افزائی کی۔ طالبان اور اسامہ بن لادن دونوں کو ہی اس وقت طاہر یلدے شیف اپنا مستقبل کا ایک مضبوط اتحادی نظر آ رہا تھا۔ طالبان اور اسامہ کی حمایت کے باعث طاہر یلدے شیف اور اس کے ہزاروں ساتھیوں نے افغانستان کو اپنی جدوجہد کا مرکز بنالیا۔

ایف بی آئی یہ دعویٰ کرتی ہے کہ طاہر یلدے شیف کی ازبک اسلامی تحریک کی تشکیل میں بن لادن نے بنیادی کردار ادا کیا اور اس مقصد کے لیے فنڈز بھی فراہم کیے۔

جہادی حلقوں کے مطابق بن لادن اور طالبان کے قائد ملا عمر سے تعلقات کی بدولت طاہر یلدے شیف نے 1998ء میں کابل میں رہائش اختیار کرلی۔ اسے سفارتی علاقے میں رہائش مہیا کی گئی۔ اس طرح کی ایک رہائش اسے قندھار میں دی گئی جہاں ملا عمر قیام پذیر تھے۔ 1999ء میں باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ طاہر یلدے شیف نے کابل

MashalBooks.com

میں اپنی نئی جماعت ازبک اسلامی تحریک کے قیام کا اعلان کیا اور کریموف کے خلاف جدوجہد جاری رکھنے کے عزم کا اظہار کیا۔

ازبک اسلامی تحریک کے مقاصد کے بارے میں طاہر یلدے شیف نے بتایا ''تحریک کے کارکنوں کا پہلا مقصد اپنے وطن میں جبر وتشدد' رشوت' عدم مساوات کے خلاف لڑنا اور اپنے مسلمان بھائیوں کو جیل سے رہا کرانا ہے۔ ان لوگوں کا بدلہ کون لے گا جو حکمرانوں کی جیلوں میں مارے گئے۔ بلاشبہ ان کا انتقام ہم لیں گے۔ ان کا انتقام لینا ہمارا فرض ہے اور یہ فرض ادا کرنے سے ہمیں کوئی نہیں روک سکتا۔ ازبک حکمرانوں کے خلاف اعلانِ جہاد پر ہمیں کوئی پچھتاوا نہیں۔ اللہ نے چاہا تو ہم جہاد کو اس کے منطقی انجام تک لے جائیں گے۔

ہم نے اسلامی نظام اور اسلامی حکومت کی تشکیل کے لیے اعلانِ جہاد کیا ہے۔ ہم شریعت نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم افغانستان' ایران' پاکستان یا سعودی عرب کا اسلام نہیں لانا چاہتے بلکہ نبی کریم ﷺ کا رائج کردہ اسلام چاہتے ہیں۔ ان ممالک میں مذہب کا مثالی اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلامی ریاست کے قیام سے پہلے ہم جبر وتشدد کا ماحول ختم کرنا چاہتے ہیں' اس لیے ہم آج خون بہا رہے ہیں۔ اگلا مرحلہ اسلامی ریاست کا قیام ہوگا۔ ہماری تحریک ایک لاکھ لوگوں پر مشتمل ہے۔ کسی جنگل کو آگ لگا دینے کے لیے صرف ایک شعلہ ہی کافی ہوتا ہے اور اس کے لیے ایک ماچس بھی بہت ہے۔ اسلام کریموف سے نمٹنے کے لیے ہمارے پاس بہت لوگ ہیں اور خدا نے چاہا تو ہزاروں اور مجاہدین بھی ہیں جو اس خواب کی تکمیل کے لیے ہمارے ساتھ ہوں گے۔

ہماری جڑیں 80 سال پیچھے تک جاتی ہیں جب ہمارے آباؤ اجداد نے کمیونسٹوں سے جہاد کیا تھا۔ ہم اپنا موازانہ اپنے ان اجداد سے کرتے ہیں اور ان کے کام کو آگے بڑھانے میں کوئی پچھتاوا محسوس نہیں ہوتا۔ ہمیں کسی بیرونی رابطے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہماری جڑیں انتہائی گہرائی تک اپنے وطن کی سرزمین میں پیوست ہیں۔

طاہر یلدے شیف اور اس کی ''ازبک اسلامک پارٹی'' اپنے مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے ازبک حکومت کے خلاف اس قسم کا جہاد تو شروع نہ کر سکی جس کی توقع کی جا رہی تھی تاہم طاہر یلدے شیف کے ساتھیوں نے اسلام کریموف کی حکومت کو پریشان ضرور کئے رکھا۔ طاہر

یلدے شیف اور نعمان غنی افغانستان میں مصروف رہے اور طالبان نے شمالی اتحاد کے خلاف جنگ کے لیے انہیں استعمال کیے رکھا۔ انٹیلی جنس ذرائع کے مطابق دونوں احمد شاہ مسعود کی فوجیوں کے خلاف لڑتے ہوئے بار بار دیکھے گئے۔ بعض جہادی حلقوں کے مطابق ان دنوں میں طاہر یلدے شیف پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسیوں اور اسٹبلشمنٹ کی آنکھوں کا تارا بنا ہوا تھا اور اسے ہر قسم کی مراعات حاصل تھیں۔

ستمبر 2001ء میں امریکہ پر حملوں کے بعد دنیا بدل گئی۔ افغانستان پر امریکی حملے نے سب کچھ تلپٹ کر کے رکھ دیا۔ نومبر 2001ء میں افغانستان پر امریکی کروز میزائلوں کے حملے کے وقت طاہر یلدے شیف اور نعمان غنی ''کندوز'' کے علاقے میں تھے۔ اس حملے کے نتیجے میں 4 دسمبر 2001 کو ''کندوز'' میں ہی نعمان غنی جاں بحق ہوگیا۔ طاہر یلدے شیف قندھار میں ملاعمر کے پاس آ گیا۔ اس کے ساتھ اس کی دو بیویاں اور چھ بچے بھی تھے۔ قندھار میں طالبان کے اقتدار کا سورج غروب ہوتے ہی طاہر یلدے شیف، اسامہ بن لادن کے ساتھ تورا بورا کے غاروں میں پناہ گزین ہوگیا۔ امریکہ نے جب ''ڈیزی کٹر'' بموں کے ذریعے تورا بورا کے پہاڑوں کو ملیامیٹ کر دیا تو طاہر یلدے شیف وہاں سے نکل کر جنوبی وزیرستان آ گیا جہاں اس کا ایک پرانا ساتھی نیک محمد میزبانی کے لیے موجود تھا۔ جنوبی وزیرستان میں طاہر یلدے شیف نے ایک عرب خاتون سے شادی کر لی' یہ اس کا تیسرا نکاح تھا۔

امریکی دباؤ پر جب پاکستان نے القاعدہ کے عرب' افغان اور ازبک جنگجوؤں کے خلاف قبائلی علاقوں میں آپریشن شروع کیا تو طاہر یلدے شیف اور اس کے ساتھی بھی اس سے متاثر ہوئے۔ حکومت نے انہیں اپنے نام رجسٹرڈ کرانے اور خود کو حکومت پاکستان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا مگر جنگجوؤں نے انکار کر دیا۔ اس انکار کے بعد حکومت نے ان علاقوں میں آپریشن کا آغاز کر دیا جس پر جنگجوؤں نے ہتھیار اٹھا لئے۔ یہ سب عرب' افغان اور ازبک جنگجو تھے۔ جن کے پاس نہ تو اسلحہ کی کمی تھی اور نہ ہی پیسوں کی کمی تھی۔ طاہر یلدے شیف نے سب کو منظّم کیا اور لوگوں کو اپنا آلہ کار بنالیا۔ روپے اور اسلحہ کے لالچ نے بہت سے مقامی لوگوں اور سرداروں کو بھی طاہر یلدے شیف سے تعاون پر مجبور کر دیا۔ علاقے میں ٹریننگ کیمپ کھل گئے اور مقامی لوگوں کو بھی فوج کے خلاف لڑنے کی تربیت دی جانے لگی۔ اس طرح جہاد کے معنی بدل گئے اور اسلام

MashalBooks.com

دشمنوں کے خلاف شروع ہونے والی جنگ کا رخ بھی تبدیل ہوگیا۔ اپنے دفاع کے لیے ان ''جہادیوں'' نے مزاحمت شروع کر دی اور پاک فوج کے خلاف ہتھیار اٹھا لیے۔ طاہر یلدے شیف ان لوگوں میں پیش پیش تھا۔ اسی پس منظر میں 2003ء میں وانا میں وہ افسوسناک سانحہ پیش آیا جس میں پاک فوج کے 15 سے زائد جوان اور افسر شہید ہوگئے۔ اس کا ذمہ دار واضح طور پر طاہر یلدے شیف اور اس کے ساتھیوں کو ٹھہرایا گیا۔ اس واقعے کے بعد بھی طاہر یلدے شیف نے پاک فوج کے قافلوں اور چوکیوں پر حملے جاری رکھے جس سے بہت سا جانی و مالی نقصان ہوا۔

16 مارچ 2004ء کو وانا آپریشن کے دوران طاہر یلدے شیف سیکورٹی فورسز کا گھیرا توڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ اس فرار میں نیک محمد اور اس کے ساتھیوں نے طاہر یلدے شیف کی ہر ممکن مدد کی۔ شدید زخمی حالت میں فرار ہونے کے بعد ابھی تک اس کا کچھ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کہاں ہے؟

بعض ذرائع دعویٰ کرتے ہیں کہ طاہر یلدے شیف نے فرار ہونے کے بعد شوال کے گھنے جنگلات میں پناہ لی۔ طاہر یلدے شیف اور اس کے ساتھیوں نے شوال کے جنگلات تک پہنچنے اور وہاں خفیہ ٹھکانوں میں پناہ لینے کے لیے مقامی لکڑہاروں سے مدد لی اور اس کے بعد میں انہیں دس دس ہزار روپے معاوضہ دیا۔ کچھ باخبر حلقے یہ بھی بتاتے ہیں کہ جس روز وہ کالوشا سے فرار ہوا اس روز وہ نیک محمد اور اس کے ساتھیوں کی پناہ میں تھا۔ ان باخبر حلقوں کے مطابق نیک محمد نے اس کو فرار کروانے میں بنیادی کردار ادا کیا تھا۔

انٹیلی جنس اداروں کو یقین ہے کہ طاہر یلدے شیف کہیں نہ کہیں بیٹھ کر قبائلی علاقوں کے حالات کو خراب کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ امریکہ' ازبکستان' تاجکستان اور پاکستان اس کے تعاقب میں ہیں لیکن وہ سب کو مات دے کر نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے۔

MashalBooks.com

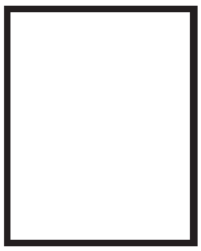

# نیک محمد

18جون2004ء.....

رات کے آٹھ یا نو بجے کا وقت تھا۔

جنوبی وزیرستان کے علاقہ اعظم وارسک کے قریب ہی ''ڈوگ'' نامی قصبہ میں لمبی داڑھی والا ایک کم عمر نوجوان اپنے مسلح محافظوں کے گھیرے میں معروف قبائلی رہنما شیر زمان کے قلعہ نما مکان میں پہنچا۔ محافظوں نے حفاظت کیلئے اردگرد پوزیشنیں سنبھال لیں۔ میزبانوں نے کھانا تیار کر رکھا تھا۔ اس دوران اس لمبی داڑھی والے نوجوان نے ریڈیو آن کیا اور بی بی سی سے نشر ہونے والا اپنا وہ انٹرویو سننے لگا جو اس نے گذشتہ روز ریکارڈ کرایا تھا اور جس میں اس نے پاک فوج کو دھمکی دی تھی کہ اگر فوجی آپریشن بند نہ ہوا تو غیر ملکی مجاہدین اور اس کے ساتھی پہاڑوں سے اتر کر زمین پر لڑائی شروع کر دیں گے۔ اسی دوران میزبانوں نے کھانا رکھ دیا۔ اس سے قبل کہ مہمان کھانا شروع کرتے، مشرق کے پہاڑوں سے ایک روشنی سی شیر زمان کے گھر کے اوپر آ کر رکی اور پھر اندھیرا چھا گیا۔ میزبانوں اور مہمانوں نے اس طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی اور بدستور اپنی باتوں میں لگے رہے۔ اس سے قبل کہ مہمان کھانا شروع کرتے، اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا اور پلک جھپکتے میں ہی پورا گھر تباہ ہو گیا۔ اس قلعہ نما مکان کے

MashalBooks.com

اندر موجود میزبان اور مہمان سمیت سب مارے گئے ،صرف وہی لوگ بچے جو گھر سے باہر رہ کر نگرانی کر رہے تھے لیکن وہ بھی شدید زخمی تھے۔

ادھر اس تباہ ہونے والے مکان سے بہت دور ایک فوجی کیمپ اور 10 ہزار فٹ سے زائد کی بلندی پر موجود ایک جنگی طیارے کے کنٹرول روم سے ''ٹارگٹ ہٹ'' کے پیغام بھیجے جا رہے تھے۔اس حملے میں شیر زمان اور اس کے بیٹوں سمیت حکومت کو مطلوب وہ جنگجو ہلاک ہو چکا تھا جس نے حکومت اور پاک فوج کو ایک عرصے سے پریشان کر رکھا تھا۔اس جنگجو کا نام نیک محمد تھا ۔ پاک فوج پر حملوں اور غیر ملکی جنگجوؤں کو پناہ دینے والے طالبان اور القاعدہ سے تعلق رکھنے والے اس ''جہادی'' کی گرفتاری میں ناکامی کے بعد منظّم طریقے سے منصوبہ بندی کر کے اسے گائیڈڈ میزائلوں کا حملہ کر کے ہلاک کیا گیا تھا۔

نیک محمد طالبان اور القاعدہ سے تعلق رکھنے والا وہ جنگجو ''جہادی'' تھا جو ایک عرصے سے ''جہاد'' کے نام پر نہ صرف حکومت پاکستان اور پاک فوج بلکہ طالبان اور القاعدہ کی قیادت کو بھی اپنی انگلیوں پر نچاتا رہا۔ نیک محمد کا نام اس وقت منظر عام پر آیا جب حکومت پاکستان نے القاعدہ کے حامی مطلوب افراد اور انہیں پناہ دینے والے قبائلیوں کے خلاف جنوبی وزیرستان کے صدر مقام وانا میں فوجی آپریشن شروع کیا۔اس آپریشن کے بعد نیک محمد کو اتنی شہرت ملی کہ اسامہ بن لادن ،ایمن الظواہری ،خالد شیخ کے بعد نیک محمد بھی ان لوگوں میں سے تھا جس کا نام دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ کی زینت بنا۔ جوں جوں نیک محمد کی شہرت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا ،امریکہ اور پاکستان کے دردسر میں اضافہ اور صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جا رہا تھا۔ دونوں ملکوں کو مطلوب القاعدہ کے تمام سرکردہ لیڈرز نیک محمد کی پناہ گاہ میں تھے اور وہ نیک محمد کے ذریعے پاک فوج پر حملے کر رہے تھے۔

9 جون 2004ء کی شب نیک محمد اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے پاک فوج کے قافلوں پر حملے کئے گئے۔ان حملوں میں 15 فوجی ہلاک ہو گئے ،اس حملے کے بعد نیک محمد نے اپنا یہ بیان میڈیا کو جاری کیا کہ

''یہ تو صرف وانا میں ہوا ہے۔انشاءاللہ یہ کراچی میں بھی ہوگا۔ہم بہت بڑا منصوبہ رکھتے ہیں ،آپ انشاءاللہ دیکھیں گے کہ اگلے ایک دو روز میں اسلام آباد اور پشاور میں بھی یہی کچھ ہوگا''۔

MashalBooks.com

نیک محمد کا اپنے بارے میں دعویٰ تو یہ تھا کہ وہ پیدا ہی ''جہاد'' کیلئے ہوا ہے۔ اس دعویٰ کے باوجود اس کی اپنی زندگی تضادات سے بھری پڑی تھی۔ نیک محمد ایسے بہت سے جہادی ابھی بھی قبائلیوں اور افغانستان میں موجود ہیں لیکن ان سب میں نیک محمد کی داستان بڑی دلچسپ ہے۔

نیک محمد کا تعلق وزیرستان کے مشہور احمد زئی قبیلے سے ہے۔ احمد زئی وزیر قبیلے کو 8 چھوٹے قبیلوں کی شاخوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ سب سے بڑی زئی خیل شاخ کہلاتی ہے جبکہ باقی شاخیں فوجہ خیل، گنجی خیل، تاج خیل، سرکی خیل، پرکی، فوینہ خیل، شودیا خیل اور مغل خیل کہلاتی ہیں۔ یہ سب ذیلی قبیلے آگے بھی مزید شاخوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ سب سے بڑی شاخ زئی خیل کی بھی آگے چار شاخیں اتمان خیل، کاکا خیل، یارگل خیل اور شیخ بازید خیل ہیں۔ ان ذیلی قبیلوں کے لوگوں کی بڑی تعداد جنوبی وزیرستان کے صدر مقام وانا کے مغرب میں اعظم وارسک اور قلوشہ میں آباد ہے۔ نیک محمد کا تعلق یارگل خیل قبیلے سے تھا اور یہ قبیلہ اپنی دولت اور قوت کے اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس قبیلے کے ایک فرد نواز خان کے گھر 1975ء میں نیک محمد پیدا ہوا۔ نواز خان کا شمار علاقے کے اہم معززین میں ہوتا تھا۔ ان کے چار بیٹے تھے اور قلوشہ نامی علاقے میں ہی ان کی جائیداد تھی۔ نواز خان ان لوگوں میں بھی شامل رہا جنہیں حکومت پاکستان کی جانب سے وظائف اور مراعات دی جاتی ہیں، تاہم دوسرے بہت سے لوگوں کے مقابلے میں وہ زیادہ امیر آدمی نہیں تھا۔ تھوڑی سی زمین پر وہ اپنے چاروں بیٹوں کے ساتھ کاشتکاری کرتا جہاں سے ان کی ضروریات پوری ہوتیں۔ نواز خان کی یہ زمین وانا کے علاقے ''کالوشا'' میں تھی اور یہ وہی علاقہ ہے جہاں دریافت ہونے والی زیرزمین سرنگوں نے عالمی شہرت حاصل کی اور جن کے بارے میں حکومت کی طرف سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ القاعدہ کے بہت سے جنگجو انہی سرنگوں کے ذریعے جنوبی وزیرستان سے فرار ہونے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک سرنگ نیک محمد کے بڑے بھائی محمد شریف کے گھر کے نیچے سے گزرتی ہے۔

نیک محمد نے ابتدائی تعلیم سابق ایم این اے مولانا نور محمد وزیر کے دینی مدرسے سے حاصل کی جو جمعیت علمائے اسلام فضل الرحمٰن گروپ کے اہم رہنماء بھی ہیں۔ ''جامعہ دارالعلوم وزیرستان'' جہاں نیک محمد نے ابتدائی تعلیم حاصل کی، وہاں کے اساتذہ اور علاقے کے لوگ بتاتے ہیں کہ نیک محمد پڑھائی میں انتہائی کمزور تھا، دوران تعلیم اس نے کبھی سنجیدگی اور ذہانت کا

MashalBooks.com

مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ انتہائی ضدی، ہٹ دھرم اور تشدد پسند لڑکا تھا اور اس کی انہی حرکتوں کی بدولت اسے کئی بار مدرسے سے نکالا گیا تاہم اپنے والد کی وجہ سے وہ پھر داخلہ لینے میں کامیاب ہوجاتا۔ نیک محمد کے زمانہ طالب علمی کا جو واقعہ سب سے زیادہ مشہور ہے وہ یہ ہے کہ ایک بار سبق یاد نہ کرنے کی پاداش میں اس کے استاد مولانا دین محمد نے اس کی خوب پٹائی کی۔ بے انتہاء مار کھانے کے بعد نیک محمد نے اپنا بستہ اٹھایا اور سخت پیچ وتاب کھاتا ہوا مدرسے سے نکل گیا۔ مدرسے کے اساتذہ اور علاقے کے لوگ اس کی سابقہ حرکتوں کی وجہ سے یہ توقع کررہے تھے کہ اب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسلح ہوکر مدرسے اور اساتذہ پر حملہ کرے گا۔ ممکن ہے کہ وہ ایسا کرتا کہ علاقے کے کچھ معززین نے بیچ بچاؤ کروادیا، تاہم اس واقعہ کے بعد اس کے مولانا دین محمد سے تعلقات خراب ہی رہے۔

نیک محمد کے قریبی حلقے اس کے تشدد پسند، ہٹ دھرم اور باغی ہونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ جہادی نظریہ رکھتا تھا اور جہادی لیڈروں سے ذہنی طور پر بڑا متاثر تھا۔ نیک محمد کے دعویٰ کے مطابق اس نے بعدازاں کوئٹہ کے ایک کالج میں داخلہ بھی لیا لیکن وہ یہاں ایڈجسٹ نہیں ہوسکا۔ جہادی طبیعت اسے کہیں اور پکار رہی تھی اور قدرت اس سے کچھ اور کام لینا چاہتی تھی۔ 1990ء کے عشرے میں اس پر کار چوری کے الزامات بھی لگے۔ کہا جاتا ہے کہ محسود قبیلے کے ایک فرد کی گاڑی چوری کرکے نیک محمد اور اس کے ساتھی پنجاب جارہے تھے کہ دریائے سندھ کے پل پر پولیس نے انہیں روک لیا۔ پولیس کو دیکھ کر نیک محمد اور اس کے ساتھی بھاگ گئے تاہم محسود قبیلے کے اس فرد نے نیک محمد کا سراغ لگا لیا۔ بعد میں نیک محمد کے خاندان نے گاڑی کے مالک کو جرمانہ ادا کرکے جان چھڑائی۔ بعد میں نیک محمد نے خاندان کے کچھ بڑوں کے مجبور کرنے پر وانا میں ایک جنرل سٹور کھول لیا لیکن اپنی اکھڑ طبیعت اور جارحانہ رویئے کی وجہ سے جلد ہی نقصان کے باعث بند کرنا پڑا۔ انہی دنوں اس کا رابطہ محمد گل نامی ایک شخص سے ہوا۔ محمد گل ہی وہ شخص تھا جس نے اسے طالبان سے متعارف کروایا جو ان دنوں افغانستان میں اپنی فتوحات کے باعث مشہور ہورہے تھے۔ طالبان نے محمد گل کے ذمے یہ کام لگا رکھا تھا کہ وہ قبائلی علاقوں سے نوجوان کو پیسہ دے کر بھرتی کرے۔ طالبان ان نوجوانوں کو ٹریننگ دے کر شمالی اتحاد کے خلاف جنگ کیلئے استعمال کررہے تھے۔ اس طرح محمد گل کی گاڑی چل رہی تھی۔

MashalBooks.com

محمد گل نے اس دوران علاقے سے سینکڑوں نوجوانوں کو بھرتی کر کے طالبان کے حوالے کیا۔ نیک محمد بھی انہی نوجوانوں میں شامل تھا۔

نیک محمد کو یہ مہم جوئی اس لئے اچھی لگی کیونکہ یہ اس کی طبیعت کے مطابق تھی۔ افغانستان میں تربیت حاصل کرنے کے بعد طالبان کے ساتھ مل کر جہاد کرنا اس کیلئے ایک نئی دنیا کھول دینے کے مترادف تھا۔1996ء میں نیک محمد کابل چلا گیا، جہاں اس نے مولوی سیف الرحمٰن منصور اور جلال الدین حقانی کے ساتھ رابطے قائم کئے۔ طالبان کے ایک وزیر ملا نذیر کے باعث وہ طالبان کی قیادت کے کافی قریب ہوگیا۔ طالبان کے قریب ہونے کا ایک اور سبب اس کی جنگی طبیعت بھی تھی ،جس کی بدولت اس نے شمالی اتحاد کے خلاف بے پناہ کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ انہی تعلقات کی بدولت وہ کابل سے 10 کلومیٹر مغرب میں طالبان کے ایک کیمپ ''کارگاہ'' کا کمانڈر بن گیا۔ اس کیمپ میں زیادہ تر تعداد پاکستانیوں کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ریاض بسرا بھی اس کیمپ میں موجود تھا اور وہ نیک محمد کی ماتحتی میں کام کرتا تھا۔

نیک محمد نے اس عرصے کے دوران طالبان کی فتوحات میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ نیک محمد اور اس کے ساتھیوں نے بامیان، مزار شریف، تخار اور بادفیس ایسے اہم علاقوں میں طالبان کی طرف سے شمالی اتحاد کے خلاف بھرپور جنگ لڑی۔ اس کے علاوہ بگرام ایئرپورٹ پر قبضہ کرنے اور وادی پنج شیر میں احمد شاہ مسعود کو شکست دینے کیلئے طالبان اور شمالی اتحاد کے خلاف خونریز جنگوں میں بھی وہ شریک رہے۔ ان کارناموں کی بدولت ایک وقت ایسا بھی آیا جب طالبان حکومت نے انہیں 3 ہزار طالبان فوج کا کمانڈر مقرر کر دیا۔ قبائلی ذرائع کے مطابق نیک محمد کو جب ''کارگاہ'' کیمپ کا کمانڈر بنایا گیا تو اس کیمپ میں اسامہ بن لادن اور ایمن الظواہری کے علاوہ جلال الدین حقانی، طاہر یلدے شیف اور چینی مسلمان مجاہدین بھی آیا کرتے تھے۔ یہی وہ وقت تھا جب نیک محمد نے القاعدہ کے رہنماؤں سے بھی روابط استوار کئے۔

نیک محمد کی افغانستان سے واپسی نومبر 2001ء میں اس وقت ہوئی جب شمالی اتحاد اور امریکی فوج نے مل کر بگرام پر حملہ کیا۔ نیک محمد اور اس کے ساتھی اس وقت بگرام کے دفاع کیلئے موجود تھے۔ نیک محمد اور اس کے ساتھیوں کو طالبان کی ساری قوت اور تمام تر دفاعی انتظامات امریکی حملے کے بعد تہس نہس ہوتے دکھائی دیئے۔ نیک محمد اور اس کے ساتھی تتر بتر ہوگئے۔

MashalBooks.com

MashalBooks.com

طالبان اور القاعدہ کی ساری جمعیت بکھر گئی۔ امریکی آپریشن کے نتیجے میں وسطی ایشیاء، عرب، چیچنیا سمیت دنیا بھر کے مجاہدین کو روپوش ہونا پڑا تو اکثریت نے قبائلی علاقوں کا رخ کیا۔ نیک محمد پہلے ہی وانا آچکا تھا۔ اس دوران نیک محمد نے خود کو مالی طور پر مستحکم کرنے اور القاعدہ کے سفر اور راہنماؤں میں قریبی تعلقات استوار کرنے پر توجہ دی۔ ان مفرور راہنماؤں کے پاس پیسے اور گاڑیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ ان مفرور رہنماؤں کو بھی پتہ تھا کہ وانا میں نیک محمد موجود ہے، اس لئے سب ادھر کا ہی رخ کر رہے تھے۔ نیک محمد کے پاس اس وقت 44 جدید گاڑیاں تھیں جن میں سے کچھ بلٹ پروف تھیں۔ نیک محمد نے کچھ گاڑیاں فروخت کر دیں جبکہ باقی اپنے مہمانوں کیلئے رکھ لیں۔ ازبکستان کی اسلامی تحریک کے رہنما طاہر بلدے شیف اسی بلٹ پروف گاڑی کے ذریعے پاک فوج کا گھیرا توڑ کر فرار ہوئے جو نیک محمد کے استعمال میں تھی۔

حکومت پاکستان نے جب نیک محمد اور ان کے ساتھیوں کے خلاف آپریشن کا فیصلہ کیا تو پہلے سرحد حکومت کی طرف سے ملنے والی تجاویز کی روشنی میں مذاکرات کا راستہ اپنایا۔ قبائلی جرگوں کے نتیجے میں حکومتی نمائندوں نے نیک محمد کے ساتھ بات چیت شروع کی اور بعد ازاں نیک محمد اور اس کے چار ساتھیوں کیلئے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ حکومت نے اس سلسلے میں وانا سے 30 کلومیٹر شمال میں شکئی کے ایک مدرسے میں تقریب کا انعقاد کیا۔ تقریب میں حکومت کو مطلوب افراد اور ہزاروں قبائلیوں کے علاوہ کور کمانڈر پشاور لیفٹیننٹ جنرل صفدر حسین اور دیگر اعلیٰ حکام نے بھی شرکت کی۔ نیک محمد اور ان کے ساتھیوں حاجی شریف، مولوی محمد عباس اور نور اسلام نے کور کمانڈر کو ہار پہنائے اور بغل گیر ہوئے۔ یہ معاہدہ زیادہ دیر نہ چل سکا کیونکہ نیک محمد اور ان کے ساتھیوں کا موقف یہ تھا کہ غیر ملکی افراد کے بارے میں معلومات فراہم کرنا اس معاہدے میں شامل نہیں تھا جبکہ حکومت کا کہنا یہ تھا کہ نیک محمد غیر ملکی مشتبہ افراد کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کا پابند ہے۔ اس معاہدے کی خلاف ورزی کے بعد نیک محمد اور اس کے ساتھی روپوش ہو گئے اور انہوں نے غیر ملکی جنگجوؤں کے ساتھ مل کر پاک فوج پر حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حکومت نے نیک محمد کو Most wanted قرار دے کر اس کے سر کی قیمت 20 لاکھ روپے مقرر کر دی۔

اس وقت صورتحال یہ تھی کہ امریکہ نیک محمد کی طرف سے غیر ملکیوں کی رجسٹریشن سے انکار

MashalBooks.com

کے بعد حکومت پاکستان پر مسلسل دباؤ ڈال رہا تھا کہ نیک محمد کا قصہ ختم کیا جائے ،تاہم نیک محمد کے ذہن میں یہ بات ڈال دی گئی تھی کہ انہیں کسی قیمت پر نہیں مارا جائے گا ۔اس لئے کہ وہ مطلوب افراد سے مذاکرات اور ان تک پہنچنے کیلئے ایجنسیوں کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے قریبی ساتھیوں کے بار بار منع کرنے کے باوجود نیک محمد ملکی و غیر ملکی ذرائع ابلاغ کو انٹرویو دینے سے باز نہ آیا۔ یہ بات باعث حیرت تھی کہ جس شخص کو پکڑنے کیلئے ہزاروں فوجی اور کمانڈو آپریشن کر رہے تھے وہ صحافیوں کے ساتھ ہر وقت رابطے میں تھا اور اس تک پہنچنا کسی کیلئے ناممکن نہیں تھا۔

امریکی دباؤ اور پھر خود نیک محمد کی طرف سے پاکستانی ایجنسیوں کیلئے جب مشکلات اور مسائل پیدا کئے گئے تو پاکستان ایجنسیوں میں بھی ان کے خلاف منصوبے بنائے جانے لگے۔ انٹیلی جنس ایجنسیوں کو نیک محمد کی طرف سے ایک دھچکا اس وقت لگا جب اس نے اپنا قد بڑھانے کیلئے نہ صرف کور کمانڈر کراچی اور دہشت گردی کے بعض دوسرے واقعات کی ذمہ داری قبول کی بلکہ اس قسم کے مزید واقعات کی دھمکی دی جس پر اعلیٰ عسکری قیادت نے انتہائی سختی سے نوٹس لیا اور انہیں اس کی تردید کرنے کیلئے کہا گیا لیکن نیک محمد نے تردید نہ کی۔اس دوران اس بات کی خبر بھی ملی کہ نیک محمد کا پاکستانی ایجنسیوں کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے ملک کی خفیہ ایجنسی سے بھی رابطہ ہے۔ یوں ایک بڑی سازش کا پتہ چلایا گیا۔ وانا سے تعلق رکھنے والے بعض دوسرے عمائدین حکومت سے مسلسل مطالبہ کر رہے تھے کہ وہ نیک محمد کی نگرانی کریں کیونکہ اس کی سرگرمیاں مشکوک ہیں۔سرکاری حکام کے نزدیک بھی نیک محمد کی یہ حقیقت بے نقاب ہو چکی تھی کہ وانا میں روپوش غیر ملکی نیک محمد پر اعتماد نہیں کرتے اور نیک محمد کو ان کی سرگرمیوں کی بھی درست اطلاعات نہیں ہیں ۔ نیک محمد کو اسامہ بن لادن ان کے دست راست الظواہری اور طالبان کے رہنماء ملا عمر کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں تھی کہ وہ کہاں ہیں لیکن وہ اس طرح ظاہر کرتے تھے کہ ہر چیز سے آگاہ ہیں اور القاعدہ کے رہنماء ہر کام انہیں اعتماد میں لے کر کر رہے ہیں۔

اس دوران سی آئی اے اس کی تمام سرگرمیوں کو مانیٹر کر رہی تھی۔اس بات کے باوجود کہ اس کا سیٹلائٹ فون ریکارڈ ہو رہا ہے اور اس کی گاڑی میں خفیہ آلات نصب کر دیئے گئے ہیں

۔نیک محمد خود کہتا تھا کہ انہیں بھی اس بات کا علم ہے۔آخری دنوں میں نیک محمد کی بات پر نہ پاکستانی ایجنسیاں اعتماد کرنے کیلئے تیار تھیں اور نہ ہی طالبان اور القاعدہ کے ارکان ۔ وہ دونوں کی نظروں میں مشکوک ہو گئے تھے ۔مقتدر حلقوں کو اس بات کا بھی خطرہ تھا کہ نیک محمد اپنا قد بڑھانے کیلئے ایسے ''راز'' نہ اگل دیں جن سے ملکی سلامتی اور وقار داؤ پر لگ جائے کیونکہ نیک محمد پر یہ الزام بھی تھا کہ وہ پیسوں کی خاطر کچھ بھی کر سکتے تھے اور اس کا کام صرف پیسے لینا تھا، چاہے آئی ایس آئی دے یا سی آئی اے یا کسی اور ملک کی ایجنسی۔

امریکہ، پاکستان کی حکومت اور فوجی اداروں کی اس بدلتی سوچ اور اقدامات سے نیک محمد بھی بے خبر نہیں تھا۔ اسے بھی یہ اطلاعات مل چکی تھیں کہ اسے مارنے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں ۔ نیک محمد نے اس صورتحال کو بھانپتے ہوئے اپنی موت سے محض دس روز قبل روپوشی اختیار کر لی تھی، حالانکہ اس سے قبل وہ آزادانہ گھوم پھر رہا تھا اور امریکہ براہ راست اپنے ذرائع سے نیک محمد کا پیچھا کر رہا تھا، دوسری طرف پاکستان پر دباؤ ڈالا جا رہا تھا کہ وہ نیک محمد اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر لے۔

اپنی ہلاکت سے ایک روز قبل نیک محمد نے بی بی سی کو ایک انٹرویو دیا۔ یہی انٹرویو اس کی ہلاکت کا باعث بنا۔ کہا جاتا ہے کہ نیک محمد نے خود اپنے سیٹلائٹ فون کے ذریعے بی بی سی سے رابطہ کیا اور انٹرویو دینے کی خواہش ظاہر کی ۔ اس کی یہی خواہش آخری ثابت ہوئی ۔ بی بی سی نے اس دوران نیک محمد سے جو سوال جواب پوچھے وہ یہ تھے۔

سوال:۔ یہ کہا جاتا ہے کہ آپ تربیت یافتہ جنگجو ہیں کیونکہ آپ نے افغان جنگ میں حصہ لیا ہے۔

نیک محمد:۔ ہاں یہ بالکل سچ ہے، میں نے افغانستان میں طالبان کے ساتھ بہت وقت گزارا ہے۔ میں وہاں اپنی مذہبی تعلیم مکمل کرنے کے بعد گیا تھا۔ میں نے طالبان کے شانہ بشانہ شمالی اتحاد اور بعد میں امریکی فوج کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا تھا۔

سوال:۔ پاکستان حکومت یہ شبہ کرتی ہے کہ آپ غیر ملکی عناصر کو پناہ دیئے ہوئے ہیں، جن کے متعلق خیال ہے کہ وہ القاعدہ کے اراکین ہیں۔

نیک محمد:۔ یہ بالکل بے بنیاد ہے۔ افغان جہاد کے دوران پوری دنیا سے سینکڑوں مجاہدین روس کے خلاف افغان جنگ میں حصہ لینے آئے ۔ اس وقت سے یہ افراد افغانستان، قبائلی

MashalBooks.com

علاقوں اور پاکستان کے دوسرے شہری علاقوں میں رہ رہے ہیں۔ان میں سے کئی قبائلی علاقوں میں 15 سال سے زائد عرصے سے رہ رہے ہیں۔انہوں نے مقامی عورتوں سے شادیاں کی ہیں اور یہاں گھر بنائے ہیں۔اب امریکہ کے دباؤ پر پاکستان نے جنوبی وزیرستان میں آپریشن شروع کر دیا ہے جس کو وہ القاعدہ کے مشتبہ افراد کے خلاف آپریشن کہہ رہے ہیں۔جو غیر ملکی یہاں رہ رہے ہیں وہ دہشت گرد نہیں ہیں بلکہ وہ افغان جہاد میں حصہ لینے والے مجاہدین ہیں۔

سوال:۔جنرل مشرف اور دوسرے حکومتی اہلکاروں نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ القاعدہ کے نمبر دو ایمن الظواہری اور ازبک شدت پسند طاہر یلدے شیف بھی اس علاقے میں موجود ہیں۔

نیک محمد:۔یہ ان افواہوں سے زیادہ کچھ نہیں ہے جو مغربی میڈیا یا قاعدہ پھیلا رہا ہے۔میں نہیں سمجھتا کہ اتنے مشہور لوگ یہاں چھپ سکتے ہیں۔

سوال:۔حکومت نے آپ کیلئے عام معافی کا اعلان کیا تھا کہ غیر ملکیوں کو اندراج کیلئے قائل کریں لیکن آپ نے معاہدے کی خلاف ورزی کی، کیا ہوا تھا؟

نیک محمد:۔غیر ملکیوں کا اندراج معاہدے کا حصہ نہیں تھا، میں نے کبھی اس پر رضامندی ظاہر نہیں کی تھی۔میں نے حکومت پاکستان کے ساتھ وفاداری کا اعلان کیا تھا اور یقین دلایا تھا کہ میں اور میرے ساتھی ایسی کوئی حرکت نہیں کریں گے جو پاکستان کے مفادات کے خلاف ہو۔

سوال:۔تو پھر آپ نے معاہدے کے مطابق اپنے آپ کو حکومت کے حوالے کیوں کیا تھا؟

نیک محمد:۔میں نے اپنے آپ کو حکومت کے حوالے نہیں کیا تھا۔یہ بالکل غلط ہے۔حوالے کرنے کا مطلب ہے کہ آپ اپنا مشن ترک کر دیں۔ایسا نہیں تھا۔میں اپنے نقطہ نظر پر قائم ہوں اور آخر دم تک لڑتا رہوں گا۔

سوال:۔اب حکومت چاہتی ہے کہ سیاسی عمل دوبارہ شروع کیا جائے تاکہ غیر ملکی عناصر پر تنازعہ ختم کیا جا سکے۔کیا آپ حکومت سے اس بارے میں بات کریں گے؟

نیک محمد:۔کبھی نہیں۔میں اس عمل کو رد کرتا ہوں۔حکومت نے نیا فوجی آپریشن شروع کر دیا ہے اور ہم اس کی مزاحمت کریں گے اور اپنی جدوجہد اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک ہم اپنے مقاصد حاصل نہیں کر لیتے۔

سوال:۔آپ کے مقاصد کیا ہیں؟

MashalBooks.com

نیک محمد:۔ یہ بالکل واضح ہیں۔ہم پاکستان اور افغانستان میں بنائی جانے والی کٹھ پتلی حکومتوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں ۔ جب ہم انہیں اتار دیں گے ،تب امن آجائے گا اور کوئی بھی مسلمان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

اس انٹرویو کے دوران امریکہ اور پاکستان کا علاقے میں نصب شدہ سیٹلائٹ سسٹم کام کر رہا تھا۔ نیک محمد کی طرف سے سیٹلائٹ فون استعمال کرتے ہی ان کے ٹھکانے کی نشاندہی ہوگئی ،تاہم اسے فوری طور پر نشانہ نہیں بنایا گیا۔

بعض ذرائع دعوی کرتے ہیں کہ اس دوران امریکہ نے بعض قبائلی سرداروں کی بھی خدمات حاصل کر لی تھیں ۔ان قبائلی ایجنٹوں کو امریکیوں نے ایک مخصوص چپ دی تھی کہ جہاں وہ نیک محمد کو پائیں ، وہاں اسے رکھ کر ''اطلاع'' دے دیں ۔ یہ حکمت عملی امریکی ایجنٹوں نے افغانستان پر جارحیت کے ارتکاب کے دوران بھی استعمال کی تھی جس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ نشانے کی Accuracy (ہدف کو مارنے کی درستگی ) بڑھ جاتی ہے۔یہی کچھ نیک محمد کے ساتھ بھی ہوا۔کمپیوٹر چپ رکھی گئی اور اطلاع کے بعد نیک محمد پر لیزر گائیڈڈ میزائل داغا گیا۔ بعض عینی شاہدین کے مطابق حملے سے قبل ایک خودکار جاسوس امریکہ طیارہ نیچی پرواز کر رہا تھا۔ اس جہاز نے لگ بھگ ایک گھنٹے تک نیک محمد کے ٹھکانے کے اردگرد پرواز کی اور جب اطمینان حاصل کر لیا گیا کہ نیک محمد یہیں موجود ہے تو پھر امریکی فوجیوں نے از خود ایک لیزر گائیڈڈ میزائل داغا جو چپ کی کرامت کے باعث ٹھیک نشانے پر جا کر لگا۔

اس ضمن میں یہ استدلال بھی پیش کیا گیا کہ ڈوگ کے قریب پاکستان آرمی جہاں سے میزائل فائر کر سکتی ہے،وہ زیریں نور کا بیس کیمپ ہے جبکہ میزائل اس کی مخالف سمت سے داغا گیا ،جس کا مطلب ہے کہ یہ کارروائی پاک فوج کی نہیں تھی۔

نیک محمد کے بارے میں یہ باتیں بھی مشہور تھیں کہ وہ جہاد کے ساتھ ساتھ عاشقانہ مزاج بھی رکھتا تھا اور اس کا اعظم وارسک کے ایک بااثر قبائلی محمد صادق کی خوبرو بیٹی کے ساتھ 6 سال سے افیئر بھی چل رہا تھا۔ نیک محمد نے محبت کی تمام منازل طے کیں ۔اس نے متعدد بار جرگے کے ذریعے محمد صادق کو راضی کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی اس کے ساتھ کر دے لیکن محمد صادق راضی نہ ہوا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ صادق اسے اپنی بیٹی کے لائق نہیں سمجھتا تھا،تاہم

MashalBooks.com

اس کے خوف کی وجہ سے وہ اپنی بیٹی کی شادی بھی نہیں کر سکا۔ وانا آپریشن کے بعد جب پوری دنیا میں نیک محمد کا نام جانا جانے لگا تو نیک محمد نے پھر صادق کو مجبور کیا۔ صادق اس وقت تک نیک محمد کے زیر اثر آ چکا تھا چنانچہ اسے اپنا فیصلہ بدلنا پڑا اور نیک محمد کی شہرت کو دیکھتے ہوئے وہ فوراً اپنی بیٹی کی شادی کرنے پر مجبور ہو گیا، تاہم قبائلیوں کے مطابق اس نے نیک محمد سے اس کی قیمت ضرور وصول کی۔ نیک محمد کو اپنی محبت کے بدلے محمد صادق کو 3 لاکھ روپے کی ادائیگی کرنا پڑی۔ نیک محمد کے ولیمے میں اس کے سو کے قریب رشتہ داروں نے شرکت کی۔ پیسہ اس وقت نیک محمد کیلئے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ولیمہ میں نیک محمد نے اپنے مہمانوں کی تواضع بریانی اور دنبوں کو ذبح کر کے کی، حالانکہ علاقے میں اس وقت صورتحال یہ تھی کہ پاک فوج نے علاقے کی معاشی ناکہ بندی کر رکھی تھی اور اشیائے صرف کی قلت تھی۔ یہ محبت کی شادی نیک محمد کی دوسری شادی تھی۔ اس کی پہلی شادی اوائل عمر میں ہی ہو گئی تھی، جس سے اس کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔

نیک محمد کو محبت کی یہ شادی راس نہ آئی۔ یہ شادی اس کیلئے موت کا پیغام لے کر آئی اور وہ زیادہ دیر زندگی کی خوشیوں سے لطف اندوز نہ ہو سکا۔ گولیوں اور راکٹوں کی گھن گھرج میں اس کا ہنی مون شادی کے ایک ہفتہ بعد ہی اختتام کو پہنچ گیا۔

MashalBooks.com

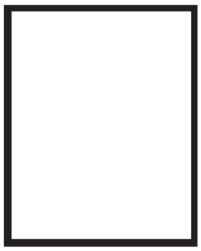

# عبداللہ محسود

گوانتاناموبے کی بدنام زمانہ جیل سے مارچ2004ء کے آخری ہفتے میں ہلکی داڑھی اور مصنوعی ٹانگ والے ایک قیدی کو رہا کیا گیا۔ رہائی کے بعد یہ قیدی خوشی کے تاثرات چہرے پر سجائے سیدھا گھر جانے کی بجائے کراچی کے ایک دینی مدرسے میں پہنچا اور اپنے استاد مفتی جمیل کے پاس حاضری دی۔ مفتی جمیل سے ہدایات لینے کے بعد وہ جنوبی وزیرستان میں اپنے گاؤں نانو چلا گیا۔ نانو جنوبی وزیرستان کا ایک انتہائی پسماندہ گاؤں ہے جہاں جنوبی وزیرستان والی بنیادی سہولتیں بھی موجود نہیں۔ یہ وہ دن تھے جب القاعدہ کے غیر ملکی جنگجوؤں کے خلاف آپریشن پوری شدت سے جاری تھا اور جنوبی وزیرستان میں نیک محمد اور ازبک جنگجو طاہر یلدے شیف نے پاک فوج کو تگنی کا ناچ نچا رکھا تھا۔

والدین سے ملنے کے بعد لنگڑا کر چلنے والے اس شخص نے سب سے پہلا رابطہ نیک محمد اور طاہر یلدے شیف سے کیا۔ اس وقت تک علاقے میں بھی اس کی آمد کی خبر پھیل چکی تھی۔ یہ تینوں افراد طالبان کے دور اقتدار سے ہی ایک دوسرے سے خوب واقف تھے۔ اس مصنوعی ٹانگ والے معذور لیکن پھرتیلے شخص نے نیک محمد کی میزائل حملے میں ہلاکت اور طاہر یلدے شیف کے وانا سے فرار تک پانچ ماہ کا عرصہ خاموشی سے اپنے گاؤں میں گزارا تاہم اس دوران

MashalBooks.com

اس نے اپنے رابطے جاری رکھے۔ کراچی میں مفتی نظام الدین شامزئی اور پھر 9 اکتوبر 2004ء کی شام مفتی جمیل کی دہشت گردی کے واقعہ میں شہادت نے پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیا۔ مفتی جمیل کی شہادت ان کے چہیتے شاگرد کے لیے رنج والم کے ایک سانحے سے کم نہیں تھی۔

مفتی جمیل کی شہادت کے ٹھیک دو دن بعد 11 اکتوبر 2004ء کو ڈیرہ اسماعیل خان کے قریب گومل زام ڈیم پر کام کرنے والے دو چینی انجینئروں کو ڈرائیور اور محافظ کانسٹیبل سمیت اغوا کرنے کے واقعہ نے پورے ملک میں ہلچل مچادی۔ چینی انجینئروں کے اغوا سے جہاں چین اور پاکستان کے دوستانہ تعلقات متاثر ہونے کا خدشہ پیدا ہوگیا وہاں دہشت گردی کے خلاف جنگ کرنے والے ممالک بھی تشویش میں مبتلا ہوگئے۔

ان چینی انجینئروں کو اغوا کرنے والا گوانتانا موبے سے رہا ہوکر آنے والا وہی مصنوعی ٹانگ والا قیدی تھا جسے امریکی، افغانی اور پاکستانی حکام عبداللہ محسود کے نام سے پہلے سے ہی جانتے تھے۔ تاہم کم از کم پاکستانی حکام کو یہ توقع نہیں تھی کہ عبداللہ محسود چینی انجینئروں کو اغوا کرکے پاکستان پر ہی وار کرے گا۔ عبداللہ محسود نے یہ واردات اپنے تین افغانی اور محسود قبائل کے دو دیگر افراد کے ساتھ مل کر کی تھی اور وہی انہیں کمانڈ کر رہا تھا۔

گوانتانا موبے سے عبداللہ محسود کی رہائی مفتی جمیل سے ملاقات، نیک محمد اور طاہر یلدے شیف سے رابطہ اور پھر چینی انجینئروں کا اغوا دراصل ایک ہی سازش کے تسلسل کی کڑیاں تھیں۔ مفتی جمیل اپنے شاگرد عبداللہ محسود سے ملاقات کے بعد دہشت گردی کے ایک واقعہ کی نذر ہوگئے۔ نیک محمد کو ایک میزائل حملے میں مار دیا گیا۔ طاہر یلدے شیف جو القاعدہ کے ازبک جنگجوؤں کی کمانڈ کر رہا ہے اسے فوجی آپریشن کے باعث وانا سے فرار ہونا پڑا۔ ان دونوں افراد کے منظر نامے سے ہٹ جانے کے باعث القاعدہ کے مقامی اور غیر ملکی جنگجوؤں کی کمان عبداللہ محسود نے ہی سنبھال لی۔ چینی انجینئروں کا اغوا اس کا ایک ایسا منصوبہ تھا جس کے ذریعے وہ حکومت پاکستان پر دباؤ ڈال کر اپنے بعض غیر اہم مطالبات منوانا چاہتا تھا۔ چینی انجینئروں کے اغواء نے پاکستان اور چین کی حکومتوں کو شدید اذیت سے دوچار کر دیا۔ حکومت پاکستان نے عبداللہ محسود سے مذاکرات کے ذریعے ان چینی انجینئروں کو اغواء کرنے کا ہر حربہ آزمایا لیکن عبداللہ محسود نے چینی انجینئروں کو رہا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا صرف یہی مطالبہ تھا کہ اس

MashalBooks.com

کے ان پانچ ساتھیوں کو رہا کیا جائے جنہیں فوج نے گرفتار کر رکھا ہے۔ تاہم حکومت کا اس سلسلے میں موقف یہ تھا کہ ان میں سے دو آپریشن میں مارے جا چکے ہیں جبکہ باقی تین کو رہا کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن عبداللہ نے حکومت کا یہ موقف تسلیم کرنے سے انکار کیے رکھا۔

عبداللہ محسود کون تھا؟ گزشتہ پچیس برسوں سے وہ کیا کر رہا تھا؟ اس کے ارادے کیا تھے؟ اور پھر چینی انجینئروں کے اغوا کے بعد اچانک اس نے اتنی شہرت کیسے حاصل کر لی؟ یہ بڑی دلچسپ داستان ہے تاہم اس سے قبل یہ بات بتا دی جائے کہ عبداللہ محسود نے افغان جہاد میں بھرپور حصہ لیا اور طالبان کے دور میں وہ اقتدار کے مزے بھی لوٹتا رہا۔ عبداللہ اس تمام عرصے کے دوران پاکستان انٹیلی جنس کے حکام کے علاوہ افغان کمانڈروں کے ہاتھوں میں بھی کھیلتا رہا اور وہ اس سے اپنی مرضی کے کام بھی لیتے رہے۔ گوانتانا موبے سے پراسرار رہائی کے بعد امریکیوں کے رابطے میں آ جانے اور نیک محمد' طاہر یلدے سے باہمی تبادلہ خیال کے بعد چینی انجینئروں کو اغوا کر کے پاکستان کے مفادات کو نقصان پہنچانے کے باعث وہ کم از کم پاکستانی حکام کی نظروں میں ناپسندیدہ ترین شخص ضرور بن گیا۔

عبداللہ محسود 1970ء میں پیدا ہوا۔ پہلے اس کا نام محمد عاصم رکھا گیا تھا۔ اپنے قبیلے میں عبداللہ محسود کے دو بھائیوں اور نو بہنوں پر مشتمل خاندان کا شمار انتہائی پڑھے لکھے لوگوں میں ہوتا ہے۔ اس خاندان کے کئی لوگ سرکاری ملازمت کے دوران اعلیٰ عہدوں پر پہنچے۔ عبداللہ محسود کے والد سعد اللہ کے کزن یعنی عبداللہ محسود کے چچا ہاشم محسود نے پاک آرمی جوائن کی اور وہ کرنل کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ انہوں نے اپنی سروس کا بیشتر وقت کوئٹہ میں گزرا۔ انہوں نے ہی عبداللہ محسود کے والد سعد اللہ کو پی آئی اے میں سیکورٹی آفیسر کے طور پر بھرتی کروایا۔ عبداللہ محسود کے ایک بھائی محمد اصغر پاک فوج میں میجر کے عہدے پر فائز ہیں جبکہ اس کا دوسرا بھائی گورنمنٹ کالج ہری پور میں پڑھاتا ہے۔

عبداللہ محسود نے پرائمری تک تعلیم گورنمنٹ سکول نانو میں ہی حاصل کی۔ بعد ازاں وہ کراچی چلا گیا جہاں اس کے والد اپنی سرکاری ملازمت کے باعث تعینات تھے۔ کراچی میں عبداللہ محسود نے میٹرک پاس کیا اور اسی دوران مذہبی رجحان کے باعث اس نے ایک مدرسے کی کلاسیں بھی اٹینڈ کرنا شروع کر دیں۔ بعد میں والد کا ٹرانسفر پشاور ہو جانے کے باعث اسے

MashalBooks.com

MashalBooks.com

MashalBooks.com

MashalBooks.com

بھی وہیں شفٹ ہونا پڑا۔ پشاور میں اس نے پی اے ایف کالج سے انٹر کیا۔

عبداللہ محسود کے قریبی حلقوں نے بتایا کہ محسود قبائل کی یہ فیملی جماعت اسلامی سے اپنی وابستگی کے باعث پہچانی جاتی تھی۔ عبداللہ محسود جماعت اسلامی کی طلبہ تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ کا سرگرم رکن رہا۔ 1995ء میں عبداللہ محسود کوئٹہ سے قندھار کے درمیان با آسانی سفر کرتا تھا۔ اسی دوران اس نے طالبان میں شمولیت اختیار کر لی۔ طالبان میں شمولیت کا مشورہ اسے آغا جان نے دیا تھا جو طالبان کے قندھاری کمانڈر تھے۔ طالبان میں شمولیت اختیار کرتے ہی عبداللہ محسود نے احمد شاہ مسعود کی فوج کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ کابل، قندھار، بگرام اور قندوز کی جنگ میں اس نے اہم کردار ادا کیا۔ اسی دوران اس کے طالبان ساتھیوں نے اس کا نام تبدیل کر دیا اور اسے افغان پاسپورٹ بنوا کر دے دیا۔

ستمبر 1999ء میں کابل پر مخالف فوج کے طوفانی حملے میں عبداللہ محسود کی ایک ٹانگ ضائع ہوگئی۔ بارودی سرنگ کے دھماکے نے اسے شدید زخمی کر دیا تھا اس کے ساتھیوں نے اسے کراچی بھجوا دیا جہاں مڈایسٹ ہسپتال میں اس کا علاج ہوا اور اس کی بائیں ٹانگ کاٹ کر مصنوعی ٹانگ لگا دی گئی۔

دسمبر 2001ء میں جب طالبان نے قندوز صوبے کو خالی کیا تو سرنڈر کرنے والوں میں عبداللہ محسود بھی شامل تھا۔ عبدالرشید دوستم کی فوج جب شہر میں داخل ہوئی تو طالبان کے یرغمالی بنائے جانے والے قیدیوں میں وہ بھی شامل تھا۔ دوستم نے یرغمالی قیدیوں سے وعدہ کیا تھا کہ انہیں امریکہ کے حوالے نہیں کیا جائے گا لیکن دوستم نے بعد ازاں وعدہ خلافی کی۔ طالبان قیدیوں کو پہلے دوستم کی شبرغان جیل میں منتقل کیا گیا۔ جہاں ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے اور بعد ازاں انہیں چھوٹے چھوٹے گروپوں کی شکل میں امریکیوں کے حوالے کر دیا گیا۔ امریکی فوج نے تمام طالبان قیدیوں کو گوانتانا موبے منتقل کر دیا۔ عبداللہ محسود کے ساتھ پکڑے جانے والے قیدیوں میں طالبان کمانڈر ملا محمد فاضل، ملا شہزاد اور ملا نور اللہ نوری بھی شامل تھے۔ امریکی فوج نے حیران کن طور پر یا کسی مصلحت کے تحت ملا شہزاد کو رہا کر دیا اور انہیں کابل پہنچا دیا۔ ملا شہزاد نے بعد ازاں امریکی فوج کے خلاف طالبان کے حملوں کو منظم کیا۔ 2003ء میں قندھار جیل پر ان کے حملے کے نتیجے میں وہاں سے 40 کے قریب طالبان قیدیوں کو فرار ہونے کا

MashalBooks.com

موقع انہی کی وجہ سے ملا۔ 2004ء کے آغاز میں امریکیوں نے شاہ دی کوٹ میں ان کے ٹھکانے پر حملہ کیا جس میں وہ مارے گئے۔

جہادی حلقے عبداللہ محسود کے بارے میں بتاتے ہیں کہ اسے طالبان دور میں ملاعمر کے ذاتی محافظوں میں شامل کیا گیا تھا۔ اس دوران اس نے القاعدہ کے اہم رہنماؤں اسامہ بن لادن اور ڈاکٹر ایمن الظواہری سے مراسم پیدا کیے۔ اس طرح اس کے القاعدہ کے ان غیر ملکی جنگجوؤں سے بھی رابطے ہوگئے جو افغانستان میں موجود تھے اور بعدازاں افغانستان سے فرار ہونے کے بعد پاکستان آ گئے تھے۔ القاعدہ کے سینئر رہنماؤں سے تعلق کے نتیجے میں عبداللہ محسود کو گوانتاناموبے منتقل کیا گیا کہ شائد وہ تفتیش کے دوران القاعدہ کی مرکزی قیادت کے بارے میں کوئی اہم معلومات اگل دے۔

عبداللہ محسود نے گوانتاناموبے میں جو عرصہ گزارا وہ اس کی زندگی کا مشکل ترین دور تھا۔ تفتیش کے تمام مراحل سے گزرنے کے بعد جب اسے چھ ساتھیوں سمیت اچانک رہا کیا گیا تو اس پر بہت سے لوگوں کو تعجب ہوا۔ پاکستان کے لیے اس کی اچانک رہائی بڑی حیران کن تھی۔ گوانتاناموبے سے اس کی رہائی کا معمہ ابھی تک حل نہیں ہوسکا۔ اسے گوانتاموبے سے رہا کس نے کروایا؟ حالانکہ پاکستان نے گوانتاناموبے میں پاکستانی قیدیوں کی جو فہرست امریکی حکام کو دے کر ان کی رہائی کا مطالبہ کیا تھا اس فہرست میں عبداللہ محسود کا نام شامل نہیں تھا۔ پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ قبائلی علاقوں میں پاک فوج' فرنٹیر کانسٹیبلری اور خاصہ دار فورس کی موجودگی کے باوجود وہ ان علاقوں میں آزادانہ طور پر نقل مکانی کیسے کرتا رہا؟

عبداللہ محسود نے گوانتاناموبے سے اپنی پراسرار رہائی کے بارے میں یہ کہہ کر مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ امریکیوں نے اسے اس وجہ سے رہا کر دیا کیونکہ اس کی امریکیوں کے نزدیک کوئی اہمیت یا حیثیت نہیں تھی۔ ذرائع بتاتے ہیں کہ عبداللہ محسود نے رہائی کے لیے اپنے نام کی تبدیلی کو استعمال کیا اور اپنے افغان پاسپورٹ کو استعمال میں لاتے ہوئے امریکیوں کو اپنے بے ضرر ہونے کا یقین دلانے میں کامیاب ہوگئے۔ امریکی بھی عبداللہ محسود کی اصل شناخت کا پتہ چلانے میں ناکام رہے۔ تاہم محسود قبائل کے بہت سے لوگ اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ امریکہ نے عبداللہ محسود کو جان بوجھ کر اس لیے رہا کیا تاکہ اس کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل

MashalBooks.com

کر سکے۔بعض ذرائع یہ بھی کہتے ہیں کہ چینی انجینئروں کے اغوا کے پیچھے بھی امریکہ کا ہی ہاتھ ہے اور اس کام کے لیے عبداللہ محسود کو استعمال کیا گیا تا کہ چینی انجینئروں کو خوفزدہ کیا جا سکے اور وہ کام چھوڑ کر واپس چلے جائیں۔ان ذریعوں کے مطابق چینی انجینئروں کے اغواء کے بعد عبداللہ محسود کی طرف سے کوئی بڑا اہم مطالبہ سامنے نہیں آیا اور اب تک وہ اس وجہ سے بچا ہوا ہے کیونکہ اسے امریکی آشیر باد حاصل ہے۔ مقامی قبائلیوں کے مطابق عبداللہ محسود چینی انجینئروں کے اغوا سے قبل فورویلر گاڑیوں میں اپنے افغان گارڈز کے ساتھ سروکئی کے بازار کے چکر لگاتے کئی بار دیکھا گیا۔اسکے یہ دورے چینی انجینئروں کے اغوا کے بعد بھی جاری رہے۔ ان ذرائع کے مطابق نیک محمد کی وفات کے بعد عبداللہ محسود نے وزیرستان میں باغیوں کی کمان سنبھال لی۔محسود نے قبائل کے سینکڑوں نوجوانوں کو بھرتی کیا جنہوں نے تربیت کے بعد پاک فوج کے ٹھکانوں پر حملے کئے۔

اکتوبر 2004ء میں محسود قبائل کے افراد حکومتی ہدایت پر عبداللہ محسود کے گاؤں کے نزدیک ایک مقام پر پہنچے تا کہ چینی انجینئروں کی بازیابی کے لیے اسے قائل کیا جا سکے تاہم محسود نے انہیں ملنے سے انکار کر دیا۔عبداللہ محسود نے اسی روز چند اخبار نویسوں سے ازخود رابطہ کر کے کہا کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نہ تو کسی سے ملاقات کروں گا اور نہ ہی کسی سے بات کروں گا۔خواہ اس کا تعلق میرے ہی قبیلے سے کیوں نہ ہو۔

حکومت کی طرف سے مذاکرات کے ذریعے معاملات اور سفارش کے جب تمام ذریعے ناکام ہو گئے تو حکومتی دباؤ پر قبائلیوں نے ایک لشکر تیار کر کے محسود کے خلاف ہلہ بولنے کا فیصلہ کیا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ جہاں چینی انجینئروں کو رکھا گیا تھا وہاں محسود خود موجود نہیں تھا بلکہ وہ کسی اور جگہ سے اپنے ساتھیوں کو ہدایات دے رہا تھا تاہم اس قبائلی لشکر کے استعمال کی نوبت نہ آئی۔حکومت نے عبداللہ محسود کے فوج میں میجر کے عہدے پر فائز بھائی اور ریٹائرڈ چچا کو بھی آگے کیا کہ وہ اسے قائل کر لیں لیکن عبداللہ نے ان کی بات ماننے سے بھی انکار کر دیا۔

قبائلی رسم و رواج کے مطابق آخری حربے کے طور پر ''ناناوتی'' رسم ادا کی گئی۔جس کے تحت جنوبی وزیرستان کے جلال خیل قبیلے نے 12 اکتوبر کو ایک خاتون کو قرآن کریم اور بکری کا تحفہ دے کر عبداللہ محسود کے ساتھیوں کے پاس بھیجا تا کہ وہ اس تاریخی رسم کا لحاظ کرتے ہوئے

MashalBooks.com

چینی انجینئروں کو رہا کردے۔ تاہم عبداللہ محسود نے چینی انجینئروں کی بجائے صرف ان کے ساتھ پولیس کانسٹیبل کو رہا کرنے کی پیشکش کی جسے جلال خیل قبیلے کی طرف سے مسترد کر دیا گیا۔ قبائلیوں نے عبداللہ محسود کی طرف سے انکار کے بعد برملا اس بات کا اظہار کر دیا کہ اس نے ''ناناوتی'' کی رسم کو قبول نہ کر کے گویا اپنی زندگی کے خاتمے کے پروانے پر دستخط کر دیئے ہیں۔

اکتوبر 2004 میں پاک فوج نے ہر طرح سے انکار کے بعد عبداللہ محسود اور ان کے ساتھیوں کے خلاف آپریشن کا آغاز کیا۔ اس محاصرے کے دوران خونریز جھڑپ میں پاک فوج کے دو سینئر افسر لیفٹیننٹ کرنل امجد اور میجر ارسلان شدید زخمی ہوئے۔ پاک فوج کے سپیشل سروسز گروپ کے کمانڈوز نے آخری آپشن کے طور پر کمانڈو ایکشن کا فیصلہ کیا۔ یہ آپریشن وقت سے پہلے اس وقت شروع کر دیا گیا جب اس جگہ سے فائرنگ کی آواز سنائی دی جہاں ان چینی انجینئروں کو رکھا گیا تھا۔ ایس ایس جی کے قبائلی لباس میں ملبوس کمانڈوز نے صرف 30 سیکنڈ میں آپریشن مکمل کر لیا اور پانچوں اغوا کنندگان کو ہلاک کر دیا۔ ایک چینی انجینئر اس دوران شدید زخمی ہو گیا۔ جو بعد ازاں دم توڑ گیا۔ حکومتی دعویٰ کے مطابق اسے اغواء کاروں نے گولی ماری۔ دوسرے انجینئر کو بچا لیا گیا اور فوری طور پر کمانڈوز کے گھیرے میں اسلام آباد پہنچایا گیا۔ عبداللہ محسود نے ٹھکانہ بدل لیا اور اس وجہ سے وہ بچ گیا۔ عبداللہ محسود کو یقیناً اپنے پانچ ساتھیوں کی موت اور اپنے منصوبے کی ناکامی کا دکھ پہنچا ہوگا لیکن بعد میں بھی اس نے پاک فوج پر حملے کر کے انہیں نقصان پہنچانے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

چینی انجینئروں کے اغواء کے بعد سے عبداللہ محسود کے حصے میں سوائے بدنامی کے کچھ نہیں آیا۔ عبداللہ نے اپنے اس اقدام کو جہاد سے تعبیر کیا لیکن عوام کی اکثریت اور خود اس کے قبائل کے لوگوں نے جہاد کی اس تعبیر کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ عبداللہ محسود اس سوال کا جواب نہیں دے سکا کہ چینی انجینئروں کو اغوا کر کے اس نے اسلام کی کونسی خدمت کی ہے؟ چین پاکستان کا دوست ملک ہے جس نے پاکستان کو ہمیشہ سپوٹ کیا۔ اس پس منظر میں عبداللہ محسود کے چینی انجینئروں کے اغواء کی حرکت کو سوائے مجرمانہ حرکت کے اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

MashalBooks.com

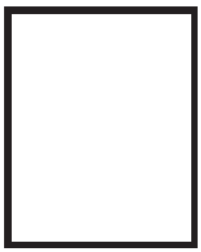

# عافیہ صدیقی

یکم مارچ 2003 کو جب راولپنڈی سے القاعدہ کے راہنما خالد شیخ کو پاکستانی اور امریکی انٹیلی جنس نے گرفتار کیا تو اس واقعہ کے چند ہی دن بعد راولپنڈی کے ایک گھر سے سر سے پاؤں تک مذہبی لباس میں ملبوس ایک 32 سالہ عافیہ نام کی خاتون اپنے تین بچوں کے ساتھ گھر سے نکلی۔ اس کی والدہ اسے گھر کے دروازے تک چھوڑنے آئیں ۔ گھر سے نکلتے وقت سر پر سکارف لئے عافیہ نے اپنی والدہ سے کہا کہ وہ اسلام آباد چچا کے ہاں جا رہی ہے۔ والدہ کو خدا حافظ کہ کر وہ بس سٹاپ تک آئی اور پھر اس کی ٹیکسی اسلام آباد جانے والی سڑک پر دوڑنے لگی۔

اسلام آباد پہنچنے سے پہلے ہی ان کے ساتھ ایک عجیب واقعہ ہوا۔ اچانک ڈرامائی اور فلمی انداز میں کچھ لوگوں نے اس ٹیکسی کو گھیرے میں لے لیا۔ گاڑیوں سے مسلح افراد باہر نکلے اور عافیہ اور بچوں کو زبردستی اپنی گاڑیوں میں بٹھا کر لے گئے۔ یہ سب کچھ چند منٹوں میں ہوا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو بعد ازاں چھوڑ دیا گیا۔

ادھر کافی دیر گزرنے کے بعد جب اس کی والدہ نے اسلام آباد میں فون کیا جہاں عافیہ کو پہنچنا تھا تو پتہ چلا کہ وہ وہاں نہیں آئی۔ ماں اپنی بیٹی اور نواسوں کی گمشدگی سے پریشان ہوگئی اور اس نے اپنے جاننے والوں کو عافیہ کی گمشدگی کی اطلاع دیدی۔

MashalBooks.com

یہ صورتحال سامنے آنے کے بعد موٹر سائیکل پر سوار ایک شخص عافیہ کے گھر آیا۔ اس نے سر پر ہیلمنٹ پہن رکھا تھا اور وہ اپنے انداز و اطوار سے فوجی لگ رہا تھا۔ اس نے عافیہ کی والدہ سے کہا کہ عافیہ گرفتار ہے اور اس وقت ایک انٹیلی جنس ایجنسی کی تحویل میں ہے۔ اگر وہ اپنی بیٹی اور نواسوں سے دوبارہ کبھی ملنے کی خواہاں ہے تو اسے اپنی زبان بند رکھنا ہوگی۔

عافیہ صدیقی کی والدہ عصمت کے مطابق انہیں دھمکی دی گئی کہ اگر انہوں نے اس سلسلے میں شور مچایا تو یہ عافیہ کے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔ عافیہ صدیقی کے بارے میں پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسیاں اور ایف بی آئی کافی عرصہ سے پریشان تھیں اور خالد شیخ کی گرفتاری کے بعد اس کی تلاش شروع ہوئی تھی۔ ایف بی آئی کے سربراہ نے اس کا تعلق القاعدہ سے جوڑا اور مصیبتیں اس کے گھر والوں پر ٹوٹ پڑیں۔

عافیہ صدیقی کون ہے؟ اس وقت وہ کہاں ہے؟ خالد شیخ سے اس کا کیا تعلق ہے؟ پاکستانی ایجنسیاں اور ایف بی آئی اس کے پیچھے کیوں لگ گئیں؟ اور وہ ایک پرسرار شخصیت کے طور پر کیوں سامنے آئی ہے؟ اس بارے میں نہایت حیران کن تفصیلات موجود ہیں۔

کراچی سے تعلق رکھنے والی 32 سالہ عافیہ صدیقی کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ القاعدہ کی سرگرم رکن ہے اور امریکہ پر القاعدہ کی طرف سے نئے حملوں کی منصوبہ بندی میں شامل ہے۔ ایف بی آئی نے اسے دہشت گرد قرار دے کر اس حوالے سے ایک پوسٹر بھی جاری کیا۔ حقیقت کیا ہے؟ کیا عافیہ صدیقی القاعدہ سے تعلق رکھتی ہے یا اسے ایف بی آئی نے القاعدہ کی دہشت گرد بنا دیا؟ اس بارے میں موجود معلومات بڑی دلچسپ ہیں۔

عافیہ صدیقی انتہائی مذہبی خاتون ہے، وہ دو مارچ 1972ء کو پیدا ہوئی۔ اس کے والد محمد صدیقی ڈاکٹر تھے، اُنہوں نے برطانیہ میں تعلیم حاصل کی اور پھر کراچی میں پریکٹس کی۔ عافیہ کی والدہ عصمت صدیقی نے اپنے تین بچوں عافیہ صدیقی، فوزیہ صدیقی اور ایک بیٹے کی تربیت بڑے مذہبی انداز میں کی۔ عافیہ صدیقی کا بھائی ماہر تعمیرات ہے اور اب وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بوسٹن میں مقیم ہے۔ بہن فوزیہ ہارورڈ یونیورسٹی کی تعلیم یافتہ ہے اور بالٹی مور کے سینائی ہسپتال میں خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ عافیہ نے انتہائی شہرت کی حامل یونیورسٹیوں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ وہ امریکی کی میسا چوسٹس یونیورسٹی کی بھی ایوارڈ یافتہ طالبہ رہ چکی ہے۔

MashalBooks.com

1995ء میں اس نے بیالوجی کی ڈگری حاصل کی جبکہ 2001ء میں نیورولوجیکل سائنس میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ عافیہ برنڈلیس یونیورسٹی میں بھی زیرِ تعلیم رہیں۔

گریجویشن کے دوران ہی اُس نے مسلم طلبہ کی ایک تنظیم میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ اس دوران اس نے تین پمفلٹ بھی تحریر کئے۔ ایک پمفلٹ سے اُس کی اسلام سے عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔

عافیہ صدیقی اپنے پمفلٹ میں لکھتی ہے۔

''اللہ تعالیٰ ہمیں طاقت اور خلوص ولگن عطا فرمائے تا کہ ہم عجز وانکساری سے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور آگے بڑھتے چلے جائیں، حتیٰ کہ امریکہ مسلمانوں کی سرزمین بن جائے''۔

یونیورسٹی میں عافیہ کے ساتھی طلبا وطالبات کا بھی کہنا ہے کہ وہ دورانِ تعلیم اسلام سے گہری عقیدت رکھتی تھی تاہم عقائد کے اعتبار سے وہ بنیاد پرست نہیں لگتی تھی۔ وہ اکثر سکارف اوڑھتی تھی تا ہم اپنے چہرے کو نہیں ڈھانپتی تھی۔ تفتیش کاروں کے مطابق عافیہ کا شوہر امجد خان اس سے کہیں زیادہ مذہبی شخص تھا۔ دونوں کے تعلقات بعض امور پر کشیدہ ہو گئے جو آخر تک بہتر نہ ہو سکے۔

عافیہ صدیقی کا تعلیمی سفر ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے ساتھ ختم ہوا۔ 1995ء میں اس نے بیالوجی کی ڈگری حاصل کی۔ 2001ء میں اس نے نیوروجیکل سائنس میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔

بیرون ملک قیام کے دوران جولائی 2001ء میں سعودی عرب کے دو باشندوں عبداللہ الارسحود اور ہیم الدھاری نے نہیں اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس وقت تک عافیہ صدیقی ایف بی آئی کی نظروں میں آ چکی تھی، تاہم حتمی طور پر وہ ایف بی آئی کی واچ لسٹ میں اس وقت آئی جب انہوں نے کریڈٹ کارڈ کے ذریعے رات کو دیکھنے والی عینک، جدید عسکری سامان سے لیس وردی وغیرہ خریدنے کی کوشش کی۔ عافیہ صدیقی اور امجد خان سے یہ سامان خریدنے کے حوالے سے تفتیش بھی ہوئی لیکن انہوں نے تفتیش کاروں کو مطمئن کر دیا جس پر انہیں رہا کر دیا گیا۔

11 ستمبر کے واقعہ سے پہلے دونوں میاں بیوی پاکستان آ گئے جہاں انہوں نے مختصر وقت کے لئے قیام کیا اور بعد ازاں وہ پھر امریکہ چلے گئے۔ یہاں وہ 2002ء تک مقیم رہے۔ اگست 2004ء میں دونوں کی راہیں جدائی کے مرحلے پر پہنچ چکی تھیں۔ اس وقت اُن کے ہاں

MashalBooks.com

تیسرے بچے نے جنم لینا تھا۔ عافیہ صدیقی اور امجد خان امریکی سے کراچی آ گئے اور الگ الگ رہائش اختیار کر لی۔ عافیہ اپنے والدین کے گھر مقیم تھی۔ ایک روز امجد عافیہ کے گھر پہنچا اور اُسے طلاق دیدی۔ اس موقع پر دونوں خاندانوں کے ارکان کے مابین سخت تلخ کلامی ہوئی۔ عافیہ کے والد جو پہلے ہی دل کے مریض تھے، اس صدمے کو برداشت نہ کر سکے اور انتقال کر گئے۔ بعض ذرائع کے مطابق عافیہ اور امجد میں اختلافات اس بات پر شروع ہوئے کہ امجد پاکستان میں قیام کرنا چاہتا تھا تا کہ اس کے بچے اسلامی تعلیمات کے مطابق پرورش پا سکیں لیکن عافیہ امریکہ میں ہی قیام چاہتی تھی۔ اگرچہ دونوں جھگڑے کے بعد پاکستان تو آ گئے لیکن ان میں صلح کی کوششیں جاری رہیں۔ اسی دوران عافیہ نے تیسرے بچے کو جنم دیا۔ طلاق کے بعد عافیہ کی زندگی کا رخ بدل چکا تھا۔

دسمبر 2002ء میں عافیہ پھر امریکہ چلی گئی جہاں اُس کی آمد کا مقصد بظاہر ملازمت تلاش کرنا تھا۔ امریکہ میں اس نے بالٹی مور کے علاقہ میں سکونت اختیار کر لی جہاں اُس کی ایک بہن فوزیہ پہلے سے مقیم تھی۔ ایف بی آئی کا اس بارے میں دعویٰ ہے کہ بالٹی مور میں عافیہ کے قیام کا مقصد القاعدہ کے ایک سرگرم رکن ماجد خان کیلئے پوسٹ آفس بکس کھولنا تھا۔ ماجد خان مبینہ طور پر بالٹی مور اور واشنگٹن میں گیس سٹیشن اور فیول ٹینک تباہ کرنا چاہتا تھا تاہم اس بارے میں عافیہ صدیقی کے خاندان کا کہنا ہے کہ بالٹی مور میں اُس کے قیام کا مقصد ملازمت تلاش کرنا تھا۔

بظاہر یہ سب کچھ بڑا عام سا لگتا ہے اور عافیہ کو ایک مشتبہ دہشت گرد ثابت نہیں کرتا، پھر کیا وجہ تھی کہ ایف بی آئی اُس کے پیچھے لگ گئی؟ اس سوال کا جواب تفتیشی ماہرین بڑا مختلف دیتے ہیں۔

تفتیش کاروں کے مطابق عافیہ صدیقی القاعدہ کے لئے ہیروں کی سمگلنگ کے دھندے میں ملوث تھی اور اس کا مقصد القاعدہ کو فنڈز فراہم کرنا تھا۔ اس مقصد کے لئے وہ اکثر و بیشتر خفیہ مشن پر لائبیریا بھی جایا کرتی تھی۔ ائیر پورٹ سے وہ سیدھی ایک ہوٹل جاتی جہاں القاعدہ کے بیشتر لیڈر قیام کرتے تھے۔ عافیہ صدیقی کو لائبیریا میں 11 ستمبر کے حملوں سے قبل تنزانیہ کے باشندے احمد خلفان کے ساتھ بھی دیکھا گیا جو 1998ء میں افریقہ میں امریکی سفارتخانے پر ہونیوالے حملوں میں ملوث تھا۔ خلفان کو 25 جولائی 2004ء کو گجرات سے گرفتار کر لیا گیا۔ تفتیش کاروں کے مطابق عافیہ کو ایئر پورٹ سے جو شخص ہوٹل لیکر جاتا تھا وہ شخص بعد میں

MashalBooks.com

MashalBooks.com

اقوام متحدہ کی تحقیقاتی ٹیم کا مخبر بن گیا۔

لائبیریا آنے کے بعد عافیہ اپنے کمرے تک ہی محدود ہو جاتی اور سر پر سکارف اور خاموش طبع ہونے کی وجہ سے کوئی بھی اُس پر شک نہ کرتا۔ جون 2001ء میں وہ ہیروں کے ایک بڑے پیکٹ کے ساتھ لائبیریا پہنچی۔ ہیروں کی سمگلنگ سے حاصل ہونیوالی آمدنی القاعدہ کی کاروائیوں میں مالی اعانت کیلئے استعمال کی جاتی تھی۔ تفتیش کاروں کو یقین ہے کہ اس دورے سے حاصل ہونے والی رقم بعد میں 11 ستمبر کے حملوں کیلئے استعمال ہوئی۔

عافیہ صدیقی کو ایئر پورٹ سے ہوٹل پہنچانے والا شخص یہ نہیں جانتا تھا کہ لائبیریا میں کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے تاہم وہ اُس وقت تک عافیہ کے بارے میں بہت کچھ جان گیا تھا لیکن اس بات سے وہ اس وقت تک بے خبر رہا جب تک کہ ایف بی آئی نے ٹھوس شواہد ملنے کے بعد عافیہ کی تصویر ٹی وی پر نشر نہ کر دی۔ مئی 2003ء میں ایف بی آئی نے عافیہ صدیقی کی تصاویر ایک پریس کانفرنس میں صحافیوں کو دکھائیں اور یہ دعویٰ کیا کہ عافیہ صدیقی مشتبہ دہشت گرد ہے اور اُس کے خالد شیخ محمد سے رابطے ہیں۔ ٹی وی پر اُس کی تصویر نشر ہونے کے بعد اس شخص نے عافیہ کو پہچان لیا اور سیرالیون کی خصوصی عدالت کے تحقیقات کنندگان کو اس کی اطلاع دیدی۔ اس شخص نے تحقیقات کنندگان کو بتایا کہ وہ اس خاتون کو 11 ستمبر کے حملوں سے پہلے لائبیریا ایئر پورٹ سے ہوٹل تک پہنچایا کرتا تھا۔

عافیہ کا خاندان اس بارے میں بالکل مختلف نقطہ نظر پیش کرتا ہے اور اُن کا کہنا ہے کہ عافیہ کبھی لائبیریا نہیں گئی۔

عافیہ کے خاندان کے اس موقف اور ایف بی آئی کی طرف سے اس کی تصاویر پیش کئے جانے کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ ایف بی آئی نے جو تصاویر جاری کیں کیا ان کے مطابق اصل عافیہ صدیقی وہی ہے جو بوسٹن میں مقیم تھی یا کسی نے اُس کی شناخت چرا کر اسے موردِ الزام ٹھہرایا؟ اس سوال کا جواب سامنے نہیں آ سکا۔

یکم مارچ 2003ء کو راولپنڈی سے خالد شیخ محمد کو گرفتار کیا گیا تو عافیہ صدیقی روپوش ہو گئیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ خالد شیخ محمد نے عافیہ کے بارے میں انکشاف کر دیا ہے۔ اس خطرے کو بھانپ کر عافیہ نے روپوش ہونے کے بارے میں سوچا لیکن پہلا قدم اٹھاتے ہی

MashalBooks.com

اسے انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ اُس کے بعد سے عافیہ صدیقی کا کچھ پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں ہے؟ عافیہ کی والدہ عصمت صدیقی کے مطابق وہ اپنے بچوں کے ہمراہ گھر سے ایک ٹیکسی میں روانہ ہوئی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اسلام آباد اپنے چچا کے ہاں جائے گی۔ ''میں نے اپنی بیٹی اور نواسوں کو خدا حافظ کہا اور اُس کے بعد اسے آج تک کسی نے نہیں دیکھا''۔ عافیہ اور اس کے بچوں کے کیا ہوا، کسی کو کچھ علم نہیں۔

2004ء میں یہ اطلاعات آئیں کہ عافیہ صدیقی اور اس کے بچوں کو پاکستانی انٹیلی جینس نے اپنی تحویل میں لے رکھا ہے تاہم حکومت نے سرکاری طور پر اس کی تردید کی۔ سابق وزیر داخلہ فیصل صالح حیات کے مطابق یہ اطلاعات ملی تھیں کہ وہ کراچی میں کہیں چھپی ہوئی ہے جس پر اُس کی گرفتاری کیلئے آپریشن کئے گئے لیکن اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔

بعض ذرائع کے مطابق عافیہ جنوری 2004ء میں پاکستان آئی یہاں وہ اسلام آباد میں اپنی سہیلی کے پاس چند راز تک رہی اور بعد ازاں والدہ سے ملنے کراچی آ گئی۔ خفیہ اداروں نے اطلاع ملنے پر اُسے کراچی سے حراست میں لیا اور بعد ازاں اس ایف بی آئی کے حوالے کر دیا۔ تاہم اس بات کی بھی تصدیق نہیں ہوتی۔ عافیہ کی والدہ مسز صدیقی بھی بیٹی کی گرفتاری کی تصدیق کرتی ہیں۔ عافیہ کی والدہ مسز صدیقی نے بھی بیٹی کی گرفتاری کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا کہ انہیں اس سلسلے میں چپ رہنے کا مشورہ دیا گیا اور دھمکی دی گئی کہ اگر انہوں نے زیادہ شور مچایا تو یہ عافیہ کے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔ مسز صدیقی نے عافیہ کے القاعدہ سے تعلق کی تردید کی اور بتایا کہ ان کی بیٹی کا کسی جہادی تنظیم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

26 مئی 2004ء کو امریکی اٹارنی جنرل جان ایشکرافٹ اور ایف بی آئی کے سربراہ رابرٹ ملر نے ایک مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ القاعدہ کی طرف سے مستقبل قریب میں امریکہ کے اندر ایک بڑا حملہ کئے جانے کی سازش کے بارے میں مصدقہ اطلاعات ملی ہیں۔ جان ایشکرافٹ کے مطابق انٹیلی جنس معلومات ملنے کے بعد اس کا مصدقہ تجزیہ کیا گیا اور تمام معلومات سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ القاعدہ امریکہ پر ایک بڑا حملہ کرنے والی ہے، ایف بی آئی نے اِس حوالے سے سات افراد کی تصاویر والا ایک پوسٹر بھی جاری کیا جس میں عافیہ صدیقی بھی شامل تھی۔ ان ساتوں افراد کے بارے میں ایف بی آئی نے یہ دعویٰ کیا کہ

MashalBooks.com

یہ سب مطلوب ترین افراد دہشت گردی کی وارداتوں میں ملوث ہیں اور امریکہ پر ممکنہ حملوں کی منصوبہ بندی میں بھی ملوث ہیں ۔ لہذا ان افراد کے حوالے سے کسی بھی قسم کی معلومات فوراً نزدیکی امریکی سفارت خانے میں دی جائیں۔

''دہشت گردوں'' کے اس پوسٹر میں جن افراد کی تصاویر جاری کی گئیں اُن میں سعودی نژاد عدنان الشکری، عافیہ صدیقی، احمد خلفان، فضل عبداللہ، احمد الماتی، آدم یحییٰ اور عبدالرؤف شامل ہیں۔ احمد خلفان کو بعد ازاں گجرات سے گرفتار کرلیا گیا۔

ایف بی آئی کے سربراہ نے عافیہ صدیقی کے کے بارے میں اپنے دستخطوں سے جو تفصیلات جاری کیں اُن میں اس کی پاکستانی قومیت اور تاریخِ پیدائش کے علاوہ کوئی خاص معلومات نہیں تھیں۔ ایف بی آئی کے سربراہ رابرٹ ملر کے مطابق عافیہ صدیقی امریکہ کے خلاف حملوں کا منصوبہ بنانے، ان پر عملدرآمد کو ممکن بنانے اور حملہ کرنے کی صلاحیت رکتی ہے۔ عافیہ کے چہرے سے جو معصومیت جھلکتی ہے اُس کے بارے میں ایف بی آئی کے سربراہ کا کہنا تھا کہ وہ اسامہ کے نیٹ ورک میں سے سے زیادہ سرگرم ہے۔

امریکی ذرائع ابلاغ نے عافیہ کا تعلق سعودی نژاد 28 سالہ عدنان الشکری کے ساتھ جوڑا جو اُن چھ ارکان میں شامل ہے جن کے بارے میں ایف بی آئی نے تفصیلات جاری کیں ہیں۔

عافیہ صدیقی کو دہشت گرد قرار دیئے جانے پر مبنی پوسٹر جاری کئے جانے کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ جب اس حوالے سے یہ ٹھوس شواہد موجود ہیں کہ عافیہ صدیقی گرفتار ہے اور وہ پاکستانی انٹیلی جنس یا پھر ایف بی آئی کی تحویل میں ہے تو پھر ایف بی آئی کی طرف سے ہی اُسے مطلوب قرار دیئے جانے کا پوسٹر کیوں جاری کیا گیا؟

رابرٹ ایس ملر اور امریکی اٹارنی جنرل جان ایشکرافٹ نے جو دعوے کیئے ہیں ان میں کتنی حقیقت ہے اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایف بی آئی کے سربراہ رابرٹ ملر نے اپنے دستخطوں سے عافیہ صدیقی کے بارے میں جو تفصیلات جاری کی ہیں اس میں اس کی پاکستانی قومیت اور تاریخ پیدائش کے علاوہ کوئی خاص معلومات نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایف بی آئی نے عافیہ صدیقی کو القاعدہ کی رکن اور امریکہ پر حملوں کی منصوبہ بندی کرنے کا ذمہ دار تو بڑی ''تحقیق'' کے بعد قرار دیا ہو لیکن پھر عافیہ کے بارے

MashalBooks.com

میں جو تفصیلات جاری کی گئیں اس میں کوئی معلومات نہیں۔ رابرٹ ملر کے دستخطوں سے جاری تفصیلات میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ عافیہ صدیقی کے بارے میں ایف بی آئی کے پاس ایسی کوئی اطلاع نہیں کہ یہ دہشت گردی کی سرگرمیوں میں ملوث ہے لیکن ایف بی آئی اسے تلاش کر کے تفتیش کرنا چاہتی ہے۔ لہذا اس بارے میں کسی کے پاس عافیہ صدیقی کے بارے میں کوئی اطلاع ہوں تو فوری طور پر ایف بی آئی کے مقامی دفاتر یا قریبی امریکی سفارت خانے اور قونصل خانے میں رابطہ کر کے اطلاع دے۔

امریکہ کی طرف سے اس خدشے کا اظہار بھی کیا گیا ہے کہ اس پاکستانی خاتون سمیت مزید چھ افراد امریکہ پر نئے حملوں کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ یہ وہ خوف ہے جس نے نہ صرف امریکی انٹیلی جینس اور حکومت پاکستان کی نیندیں اڑا دی ہیں بلکہ اس امریکی دعویٰ سے پاکستان کی پریشانی میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ اب اگرچہ جب تک امریکہ کی طرف سے القاعدہ کی دہشت گرد قرار دی جانے والی پاکستانی خاتون سمیت باقی چھ افراد بھی پکڑے نہیں جاتے۔ امریکہ خوف میں مبتلا رہتے ہوئے اپنی جارحانہ کاروائیاں جاری رکھے گا

دہشت گردی کے خلاف جنگ میں سب سے موثر کردار ادا کرنے والے امریکی خفیہ ادارے ایف بی آئی کی اپنی تضاد بیانی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا کہ ایک طرف تو عافیہ صدیقی کو القاعدہ کی رکن بنا کر دہشت گرد ثابت کیا جا رہا ہے جبکہ دوسری طرف ایف بی آئی کی دستاویزات یہ بتا رہی ہیں کہ عافیہ صدیقی کے بارے میں ایف بی آئی کے پاس کوئی ایسی اطلاعات نہیں کہ وہ دہشت گردی کی سرگرمیوں میں ملوث ہے۔ تاہم اس حقیقت کے باوجود ایف بی آئی کے سربراہ کا یہ دعویٰ ہے کہ عافیہ صدیقی امریکہ کے خلاف حملوں کا منصوبہ بنانے' ان منصوبوں پر عملدرآمد کو ممکن بنانے اور حملہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

MashalBooks.com

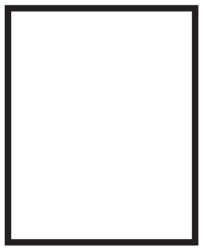

# ابو فراج

نام : ابوفراج

قومیت : لیبیائی

عمر : 40 سال

قد : 5 فٹ 6 انچ

حیثیت : آپریشنل چیف

انعام : 2 کروڑ روپے

القاعدہ کے خلاف جنگ کرنے والے پاکستانی سکیورٹی اداروں کے پاس کچھ عرصہ پہلے تک ابوفراج کے بارے میں یہی مختصر سی معلومات تھیں۔ حکومت پاکستان نے اس کی گرفتاری پر انعام کا اعلان تو کر رکھا تھا۔ لیکن یہ محض خود کو تسلی دینے کے لئے تھا کیونکہ ابو فاراج کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا تھا۔ انٹیلی جنس اداروں کے لئے سب سے زیادہ پریشانی کی بات یہ تھی کہ انہوں نے القاعدہ کے پکڑے جانے والے جتنے بھی ارکان سے تفتیش کی سب کا سرا ابو فاراج سے جا کر ملا۔ اس سے تفتیش کاروں کو یہ نتیجہ اخذ کرنے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ القاعدہ ارکان کو کنٹرول کرنے سے لے کر تمام بڑے واقعات کا ماسٹر مائینڈ ابوفراج ہی ہے لیکن ابو فاراج کے

MashalBooks.com

بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا؟ کیا کر رہا ہے؟ مقاصد کیا ہیں؟ اور اس وقت وہ کہاں ہے؟

ابوفراج امریکہ اور پاکستان کے لئے ایک پراسرار شخص کی حیثیت اختیار کر گیا۔ کسی قسم کی معلومات نہ ہونے کے باعث سکیورٹی ادارے بھی اسے پکڑے میں ناکام رہے۔

انٹیلی جنس اداروں کو تگنی کا ناچ نچانے والے ابوفاراج کا نام پہلی بار اس وقت سامنے آیا جب جنرل پرویز مشرف نے یہ اعلان کیا کہ ان پر قاتلانہ حملوں کا ماسٹر مائینڈ ایک لیبیائی باشندہ ہے جو قبائلی علاقوں میں کہیں چھپا بیٹھا ہے اور وہیں سے سب کچھ آپریٹ کر رہا ہے۔

جنرل پرویز مشرف کی طرف سے ابوفاراج کا نام سامنے آنے کے بعد ملک بھر میں اس کی تلاش شروع ہوئی۔ ابوفاراج ایک چھلاوے کی طرح ادھر ادھر بھاگتا رہا۔ انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اس دوران ابوفاراج کے برے میں اتنی معلومات ضرور اکٹھی کر لیں کہ کم از کم اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ جان سکیں۔

ابوفراج کی جہادی سے دہشت گرد اور مطلوب ترین قرار دیئے جانے کی داستان سے پہلے یہ بتا دینا بہت ضروری ہے کہ ابوفاراج اس وقت القاعدہ کا اسامہ بن لادن اور ایمن الظواہری کے بعد سب سے اہم رہنما ہے جس کی امریکہ اور پاکستان انٹیلی جینس ایجنسیاں بو سونگھتی پھر رہی ہیں تفتیش کاروں کے مطابق ابوفاراج ہی ایک ایسا شخص ہے جو اسامہ بن لادن اور ایمن الظواہری کے بارے میں کچھ جانتا ہے۔ اس سے امریکہ اور پاکستان کے نزدیک اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ابوفراج لیبیا میں 1965ء میں پیدا ہوا۔ والد کا نام فاراج تھا اسی مناسبت سے اس کا نام ابوفاراج رکھا گیا۔ بعض تفتیش کاروں کے مطابق یہ اس کا اصل نام نہیں ہے۔ اسے ڈاکٹر ابراہیم اور ڈاکٹر توفیق کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ جہادی حلقوں میں اسے ڈاکٹر توفیق کے نام سے جانا جاتا ہے۔ لیبیا میں کیسے اس کی پرورش ہوئی؟ اس نے کہاں تعلیم حاصل کی؟ جہادی گروپوں میں اس کی شمولیت کیسے ہوئی؟ اس بارے میں پاکستانی تفتیش کاروں کے پاس کسی قسم کی معلومات نہیں۔ جنرل پرویز مشرف پر حملوں میں اس کا نام سامنے آنے کے بعد جب اس کا ماضی کھنگالا گیا تو تمام تر کوششوں کے باوجود یہی معلومات سامنے آئیں۔ افغان جہاد کے

دوران وہ لیبیا سے افغانستان آ گیا تھا۔ لیبیا میں اس کی ماضی کی سرگرمیوں سے تفتیش کار لاعلم ہی ہیں۔

ابوفراج کی اصل داستان بھی افغانستان سے ہی شروع ہوتی ہے۔ روس کے خلاف افغان جہاد کے دوران ابو فاراج انتہائی کم عمر نوجوان تھا۔ وہ پشاور میں دوسرے افغان مجاہدین اور لیڈروں کے ساتھ معمول کی طرح قیام کرتا تاہم کوئی بڑی ذمہ داری نہ ہونے کے سبب اسے کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی۔ اس دور میں بہت سے ایسے مجاہدین کے ساتھ اس کی دوستیاں ہوئیں جو مختلف نسلوں اور ملکوں سے تعلق رکھتے تھے اور بعد میں القاعدہ اور دیگر جہادی تنظیموں کے رہنماؤں کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ خالد شیخ محمد بھی ابو فاراج کا ایک ایسا ہی ساتھی تھا جو القاعدہ کے آپریشنل چیف کی حیثیت سے مشہور تھا اور بعد ازاں 2003ء میں راولپنڈی سے گرفتار ہوا۔ افغان جہاد کے دوران ابو فاراج، خالد شیخ کے رائٹ ہینڈ کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔

افغان جہاد ختم ہوا تو ابو فاراج نے پاکستان میں ہی قیام کو ترجیح دی۔ افغانستان اور پاکستان کے سرحدی علاقے اس کی قیام گاہ بنے رہے۔ یہاں رہ کر اس نے دنیا بھر کی جہادی تحریکوں سے روابط قائم کئے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک پاکستانی خاتون سے شادی بھی کر لی۔ تفتیش کاروں کے مطابق بعد ازاں وہ اسامہ بن لادن کے انتہائی قریب ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے لئے وہ شمالی افریقہ میں القاعدہ کا آپریشنل چیف بھی رہا اور اسامہ بن لادن کے سپیشل اسسٹنٹ کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ جہادی ذرائع کے مطابق اسامہ بن لادن بھی اس پر بے پناہ اعتماد کرتے ہیں کیونکہ افغان جہاد سے لے کر اب تک وہ ابو فاراج کے تمام رول سے واقف ہیں۔

تفتیش کاروں کے مطابق القاعدہ میں ابوفراج نے خالد شیخ کے ڈپٹی کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ اس نے ''جہاد'' کو پوری دنیا میں پھیلنے اور القاعدہ کی افرادی قوت بڑھانے کے لئے بے پناہ کام کیا۔ ابو فاراج اسامہ بن لادن کے ساتھ سوڈان میں بھی مقیم رہا۔ افغانستان آنے کے بعد وہ مختلف ملکوں خصوصاً عرب ممالک سے عربوں کو بھرتی کرتا اور ٹریننگ کے لئے افغانستان لے آتا۔ یہاں اس کا قیام البدر مسکعر میں تھا جہاں عربوں کو فوجی تربیت دی جاتی تھی۔

تفتیش کاروں کے مطابق ابوفراج کو جعلی دستاویزات کی تیاری کا ماہر بھی کہا جاتا ہے۔ اسامہ بن لادن جب سوڈان سے افغانستان آئے تو ابو فاراج نے ہی بہت سے نئے عرب

MashalBooks.com

MashalBooks.com

ریکروٹس کی دستاویزات تیار کر کے انہیں افغانستان بھجوایا تھا۔ ان نئے ریکروٹس کی تربیت آمدورفت اور سفری دستاویزات کا تمام کام ابو فاراج نے ہی انجام دیا تھا۔ طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد القاعدہ ارکان کو دوسرے ملکوں میں فرار کروانے میں ابوفراج نے ہی اہم کردار ادا کیا اور انہیں سفری دستاویزات تیار کر کے دیں۔ کہا جاتا ہے کہ اسامہ بن لادن، ابو فاراج کے اس کردار کی وجہ سے بہت خوش ہوئے اور انہیں القاعدہ میں اہم ذمہ داری سونپ دی۔

ابوفراج کا نام 10 ستمبر کے حملوں طالبان کے قندھار اور کابل سے انخلاء، خالد شیخ کی گرفتاری اور قبائلی علاقوں میں فوجی آپریشن تک کہیں بھی سامنے نہیں آیا۔ تاہم راولپنڈی سے خالد شیخ کی گرفتاری کے بعد آہستہ آہستہ اس کا نام تفتیش کاروں کے سامنے اس وقت منظر عام پر آنے لگا جب خالد شیخ کی گرفتاری کے بعد ابوفراج نے اس کی جگہ سنبھال لی۔ یہ القاعدہ پر مشکل ترین دور تھا۔ القاعدہ کے لیڈر اور کارکن دھڑا دھڑ پکڑے جا رہے تھے اور جو چھپے ہوئے تھے پاکستانی ایجنسیاں ان کے پیچھے لگی ہوئی تھیں۔ القاعدہ کے اکاؤنٹس فریز ہو چکے تھے۔ ابوفراج چونکہ خالد شیخ کا ڈپٹی رہ چکا تھا اس لئے وہ القاعدہ کے تمام سیلوں کو رقم کی ترسیل اور انہیں آپریٹ کرنے سے لے کر تمام آپریشنل حربے بھی جانتا تھا جو اس قسم کی مزاحمتی تحریک کے لئے ضروری خیال کئے جاتے ہیں۔

انٹیلی جینس حکام کے مطابق ابوفراج نے اپنی سرگرمیاں کراچی سے شروع کیں تاہم وہاں وہاں انٹیلی جینس کا مضبوط نیٹ ورک ہونے کے باعث اسے خدشہ تھا کہ وہ پکڑا جا سکتا ہے۔ اس وقت تک قبائلی علاقوں میں موجود القاعدہ کے بعض رہنماؤں سے اس کے رابطے ہو چکے تھے۔ چنانچہ وہ قبائلی علاقوں میں منتقل ہو گیا جہاں پاک فوج القاعدہ کے غیر ملکی مزاحمت کاروں کے خلاف آپریشن میں مصروف تھی۔

کہا جاتا ہے کہ ابوفراج نے قبائلی علاقوں میں فوج کے خلاف مزاحمت کاروں کو منظم کیا۔ انہیں رقم اسلحہ اور سیٹلائیٹ فون بھی لے کر دیئے۔ ایک پاکستانی انٹیلی جینس آفیسر، جو القاعدہ کے خلاف ہونے والے آپریشنز میں انتہائی فعال کردار ادا کر رہا ہے، کے مطابق القاعدہ کے پکڑے جانے والے لوگوں سے جب بھی ہم نے تفتیش کی تو ہر بار ابوفراج کا نام سامنے آیا۔ سب کے رابطے کسی نہ کسی طرح ابوفراج پر ہی جا کر ختم ہوئے۔

MashalBooks.com

تفتیش کاروں کے مطابق القاعدہ کے نائب سربراہ ایمن الظواہری نے جب2003ء میں پاکستانی عوام سے جنرل مشرف کو غدار قرار دے کر ان کی حکومت کی تختہ الٹنے کی اپیل کی تھی تو اس کے بعد جنرل مشرف پر دو قاتلوں حملوں کی منصوبہ بندی کے پیچھے ابو فاراج کا ہی دماغ تھا۔ابو فاراج نے اس مقصد کے لئے پیسہ پانی کی طرح بہایا۔ پاکستان کی کالعدم جماعتوں میں اس کے روابط افغان جہاد کے دور سے ہی تھے چنانچہ اس نے انہی روابط کو استعمال کیا اور اس کے ساتھی بہت سے جذباتی لوگوں کو خودکش حملوں کے لئے تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ بات بہت بعد میں سامنے آئی کہ ان حملوں کا ماسٹر مائینڈ ابوفراج تھا۔تفتیش کاروں کے مطابق القاعدہ کے گرفتار ہونے والے کمپیوٹر انجینئر محمد نعیم نور خان سے بھی ابو فاراج کا قریبی تعلق تھا اور ابو فاراج اس کے ذریعے دنیا بھر میں القاعدہ کے اراکین سے رابطے میں تھا۔محمد نعیم نور خان کو جب گرفتار کیا گیا تو انٹیلی جنس افسران نے ابوفراج کے وہ کوڈڈ پیغامات پکڑ لئے جو محمد نعیم نور خان کے ذریعے امریکہ اور برطانیہ القاعدہ کے ارکان کو بھجوائے گئے تھے۔ان کوڈڈ پیغامات سے اندازہ ہوتا تھا کہ امریکہ اور برطانیہ پر2004ء کی آخری سہہ ماہی میں نئے حملوں کے احکامات ابوفراج نے ہی دیئے تھے۔ یہ پیغامات ملنے کے بعد القاعدہ کے دو ارکان برطانیہ سے پاکستان آئے اور انہوں نے قبائلی علاقوں میں ابوفراج سے مل کر نئے حملوں کی منصوبہ بندی کی۔ انٹیلی جنس ایجنسیوں نے ایسے دو افراد کو گرفتار بھی کیا جنہیں ابوفراج نے کوڈڈ پیغامات بھجوائے تھے لیکن ان سے کچھ اگلوایا نہیں جا سکا۔

تفتیش کاروں کے مطابق ابوفراج کے القاعدہ کا آپریشنل چیف بننے سے لگتا ہے کہ القاعدہ کی قیادت تیسری نسل کو منتقل ہو چکی ہے۔ابوفراج دنیا بھر میں القاعدہ کے تمام لوگوں سے رابطے میں ہے اور القاعدہ کے سیل انڈونیشیا سے فلپائن اور نیویارک سے لندن تک متحرک ہیں۔ ابوفراج ان کے کوآرڈینیٹر کی حیثیت سے کام کر رہا ہے اور اس وقت وہ اسامہ اور الظواہری سے زیادہ خطرناک ہے۔القاعدہ ارکان کی ٹریننگ سے لیکر رقم کی ترسیل تک سب کام وہ بخوبی انجام دے رہا ہے تاکہ وہ اپنا مشن مکمل کر سکیں۔تفتیش کاروں کے مطابق القاعدہ کو رقم کی ترسیل ہنڈی اور حوالہ سسٹم کے ذریعے ہوتی ہے۔ پاکستانی ایجنسیوں نے ایک منی ایکسچینج کمپنی ایچ ایچ ایکسچینج کے دو ملازمین کو گرفتار کیا جو 38 ملین کے ڈالر، یورو اور ریال لیکر دوبئی سے کراچی پہنچے تھے۔

اپنے رابطوں کی بدولت وہ لوگ ایجنسیوں کی نظروں میں آ گئے۔ وہ یہ رقم القاعدہ کے ارکان کو منتقل کرنا چاہتے تھے۔

بعض انٹیلی جینس افسران کے مطابق القاعدہ کے بہت سے Sleeper cell ایسے ہیں جو متحرک نہیں ہوئے۔ ابو فاراج نے محمد نعیم نور خان کے ذریعے ان سیلز کے تمام ارکان کو بھی کوڈڈ پیغامات بھجوائے تھے۔ ان سیلز سے وابستہ تمام لوگ مستقبل میں متحرک ہوں گے۔

ابوفراج کی گرفتاری کے لئے امریکہ اور پاکستان نے اب تک جتنی کوششیں کیں سب ناکامی سے دوچار ہوئیں۔ اس کی ایک وجہ سکیورٹی اداروں کے ذمہ داران یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنا سیٹلائیٹ فون صرف ایک بار استعمال کرتا ہے۔ وہ اردو روانی سے بول سکتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ نقشہ جات اور ڈایا گرام بنانے کا ماہر ہے۔ ان تمام عوامل کے علاوہ کچھ اور احتیاطی تدابیر کی بدولت وہ اب تک گرفتاری سے بچا ہوا ہے۔

انٹیلی جینس ذرائع کے مطابق ابو فاراج کی صرف ایک پاسپورٹ سائز تصویر دریافت ہوئی ہے جس میں وہ مغربی لباس میں ٹائی لگائے ہوئے ہے۔

ابوفراج نے امریکہ اور پاکستان کی انٹیلی جینس ایجنسیوں کو جس طرح چکرا رکھا ہے، اس سے لگتا ہے کہ القاعدہ بدستور سرگرم عمل ہے اور القاعدہ کو کرش کرنے کی وہ کوششیں ابھی تک کامیاب نہیں ہوسکیں جس کے دعویٰ کئے جا رہے ہیں۔

MashalBooks.com

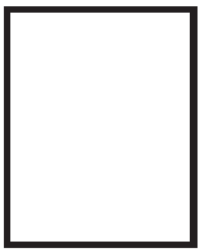

# محمد نعیم نور خان

القاعدہ کے جنگجوؤں کی گرفتاریوں کے حوالے سے2004 کا سال بڑی اہمیت کا حامل تھا تاہم اس سال سب سے بڑی گرفتاری القاعدہ کے کمپیوٹر انجینئر محمد نعیم نور خان کی تھی۔ محمد نعیم کیبعد انٹیلی جنس اداروں نے القاعدہ کے بہت سے ارکان کو گرفتار کیا جن میں احمد خلفان بھی شامل تھا۔ محمد نعیم القاعدہ نیٹ ورک میں بڑا اہم مقام رکھتا تھا اور اس کی گرفتاری پاکستانی انٹیلی جنس کیلئے ایک بہت بڑا بریک تھرو ہے۔ محمد نعیم القاعدہ کے کمیونیکیشن نیٹ ورک کو کنٹرول کرتا تھا۔ القاعدہ کو یقیناً محمد نعیم نور خان کی گرفتاری سے دھچکا لگا ہوگا تاہم وہ نقصان کہیں زیادہ ہے جو نعیم کی ''غداری'' کے باعث القاعدہ کو ہوا۔ ایک نقصان تو یہ ہے کہ محمد نعیم نور خان نے احمد خلفان کو پکڑوا دیا۔ اس کے علاوہ بعد میں کراچی' امریکہ اور برطانیہ سے گرفتاریاں ہوئیں اور القاعدہ کے تمام منصوبے ''تلپٹ'' ہوگئے۔

محمد نعیم کی گرفتاری کا جب اعلان کیا گیا تو اس واقعہ نے انٹیلی جنس کی دنیا میں ہلچل مچادی۔ بعض ذرائع کے مطابق اسے 13 جولائی 2004ء کو لاہور سے گرفتار کیا گیا۔

محمد نعیم کا نام پاکستان کی بجائے پہلے امریکہ کی طرف سے منظر عام پر لایا گیا اور یہ پاکستانی انٹیلی جنس کیلئے ایک دھچکا تھا جس سے انٹیلی جنس افسران میں امریکہ کے بارے میں شدید

MashalBooks.com

جذبات پائے گئے ۔اب جبکہ محمد نعیم اور اس کے کردار کے بارے میں ساری حقیقت اور کھیل کھل کر سامنے آچکا ہے تو ضروری ہے کہ القاعدہ کے اس کمپیوٹر انجینئر کے بارے میں تمام معلومات سامنے لے آئی جائیں تا کہ پتہ چلا سکے کہ امریکہ کس طرح پاکستان کیلئے مشکلات پیدا کر رہا ہے؟ یہ بات عام لوگوں کے لئے ایک انکشاف کا درجہ رکھتی ہوگی کہ القاعدہ کا یہ کمپیوٹر انجینئر دراصل پاکستانی انٹیلی جنس کے لئے بھی کام کرتا تھا۔

محمد نعیم نور خان نے القاعدہ سے کیا غداری کی؟ وہ بے نقاب کیسے ہوگیا حالانکہ وہ اپنی سمت میں ٹھیک کام کر رہا تھا۔ اس بارے میں تفصیلات میں جانے سے پہلے محمد نعیم کے القاعدہ میں مقام و مرتبہ کے بارے میں قارئین کو کچھ بتا دیا جائے۔ تفتیش کاروں کے مطابق محمد نعیم نور خان القاعدہ کی بیرونی کارروائیوں سے متعلقہ شعبہ کا ایک ایسا سرکردہ کمپیوٹر ماہر ہے جو نہ صرف ویب سائٹ بنانے اور ای میلز کے خفیہ کوڈ تیار کرنے میں مہارت رکھتا ہے' بلکہ دہشت گردانہ حملوں کی منصوبہ بندی میں بھی سرگرم رہا ہے۔

پاکستانی حکام کے مطابق محمد نعیم کا تعلق کراچی کے ایک متوسط خاندان سے ہے۔' اس کے والد قومی ایئر لائنز پی آئی اے میں ملازم ہیں جبکہ والدہ ایک کالج میں پروفیسر ہیں۔ اس نے کراچی کی مشہور این ای ڈی انجینئرنگ یونیورسٹی سے 2001ء میں گریجویشن کی۔ محمد نعیم کے ایک پرانے استاد ظفر قاسم کے مطابق وہ ایک خاموش طبع ہونہار لڑکا تھا جو ہر قسم کے جھگڑوں سے دور رہتا تھا۔ وہ ذرا سا مذہبی بھی تھا اور اسکی چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی تاہم ظفر قاسم کے مطابق ''میں نے اسے کبھی طلباء کی کسی تنظیم کی کارروائیوں میں حصہ لیتے نہیں دیکھا۔''

سرکاری حکام کے مطابق محمد نعیم نے جنوری 2003ء میں لندن کی سٹی یونیورسٹی میں ہیومن ریسورس مینجمنٹ کی کلاسز لینا شروع کر دیں لیکن پھر دس میں سے چار لیکچر لینے کے بعد ہی وہ اچانک غائب ہوگیا۔ محمد نعیم کا اس دوران اپنے گھر والوں سے بھی رابطہ منقطع رہا اور اسکے والد کے مطابق انہوں نے کئی سال سے اپنے بیٹے کو نہیں دیکھا۔ سرکاری حکام کے دعوؤں کے مطابق اس روپوشی کے عرصے کے دوران شاید اسکا القاعدہ سے رابطہ ہوا اور پھر وہ اپنی کمپیوٹر مہارت کی بدولت ایک اہم مقام پر پہنچ گیا۔ سرکاری حکام کے مطابق 29 سالہ محمد نعیم القاعدہ کے اہم راہنماؤں اور آپریشن سیل کے درمیان رابطے کا ذریعہ تھا۔ یہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہیتھرو

ایئرپورٹ اورلندن میں اہم عمارتوں پر حملوں کا منصوبہ بھی اسی نے بنایا تھا تاہم اس کی تصدیق نہیں ہوسکی کیونکہ سرکاری حکام اس بارے میں کچھ بھی بتانے سے انکاری ہیں۔

تفتیش کاروں کے مطابق نعیم انٹرنیٹ کے ذریعے اطلاعات کوڈ ورڈز پیغامات کی شکل میں القاعدہ کے دیگر ارکان تک پہنچاتا تھا۔ محمد نعیم کے کئی نام ہیں اور وہ یہ نام مختلف جگہوں پر استعمال کرتا تھا۔ نعیم انگریزی روانی سے بولتا ہے اور اس نے کمیونیکیشن سسٹم قائم کرنے کیلئے والد کی مدد سے سیٹ حاصل کرکے امریکہ، برطانیہ اور جرمنی سمیت کئی ممالک کے دورے کئے۔ باخبر ذرائع کے مطابق نعیم نے گرفتاری کے بعد دورانِ تفتیش بالکل تعاون نہیں کیا تاہم دو تین دن کے بعد جب اس پر دباؤ ڈالا گیا تو وہ سب کچھ بتانے پر تیار ہوگیا تھا۔ نعیم نے بعدازاں تفتیش کاروں کو بتایا کہ اس نے 1998ء میں افغانستان میں 25 دن کی تربیت حاصل کی تھی۔ القاعدہ کے ایک لیڈر نے اس کی شادی کا اہتمام کیا اور اسے لاہور میں واقع مکان کے کرایہ کیلئے 170 ڈالر اور اخراجات کیلئے 90 ڈالر ماہانہ دیئے جارہے تھے۔ نعیم نے یہ بھی بتایا کہ القاعدہ کے اراکین قبائلی علاقوں نائیجیریا اور ترکی میں موجود اپنے جنگجوؤں کے درمیان رابطے قائم کرنے کیلئے ای میلز اور خفیہ ویب سائٹ استعمال کرتے تھے۔ القاعدہ کے اراکین اپنے پیغامات کی ڈسک اسے فراہم کرتے جنہیں وہ مختصر طور پر کسی ویب سائٹ پر جاری کردیتا۔ پیغامات کے بھیجنے اور پڑھنے کے بعد فائل کو کمپیوٹر سے مٹا دیا جاتا۔

انٹیلی جنس افسران گرفتاری کے وقت محمد نعیم کے قبضے سے لیپ ٹاپ کمپیوٹر، ہارڈ ڈسک اور اس نوعیت کی کچھ دیگر اشیاء بھی ملیں جن میں حساس معلومات تھیں۔ محمد نعیم کی گرفتاری سے فوری طور پر امریکی حکام کو بھی مطلع کر دیا گیا۔ یہ بھی ایک معمول کی کارروائی تھی کیونکہ پاکستانی ایجنسیاں کسی بھی القاعدہ جنگجو کو گرفتار کریں تو امریکی حکام کو بریف کر دیا جاتا ہے یہاں تک تو سب کچھ معمول کے مطابق ہوا تاہم اصل کہانی بعد میں شروع ہوئی۔ محمد نعیم کو ایک انٹیلی جنس ادارے نے گرفتار کرلیا۔ بعد ازاں اس انٹیلی جنس ادارے نے نعیم کو ڈبل ایجنٹ کا کردار ادا کرنے پر راغب کیا۔ اسکا سیدھا مطلب یہ تھا کہ نعیم پاکستانی انٹیلی جنس کیلئے بھی کام کرنے پر راضی ہوگیا اور پھر اس نے القاعدہ کے مختلف سیلز کے اندر پاکستانی تفتیش کاروں کو راز و نیاز سے واقفیت دلانے میں مؤثر طور پر مدد دی۔ محمد نعیم کے پاکستانی انٹیلی جنس سے تعاون کا یہ سلسلہ

MashalBooks.com

جاری تھا۔ انٹیلی جنس کو محمد نعیم کے کمپیوٹر سے ہی اس ای میل پیغام کا پتہ چلا جو تیزانیہ کے باشندے احمد خلفان سے متعلق تھی۔ احمد خلفان 1998ء میں تنزانیہ اور کینیا کے امریکی سفارتخانے میں ہونیوالے بم دھماکوں میں بھی ملوث تھا۔ احمد خلفان تک پہنچنے کیلئے محمد نعیم کے ذریعے پہلے اسے ای میلز بھیجی گئیں اور پھر اس کے جوابات حاصل کئے گئے۔ ان جوابات کے ذریعے احمد خلفان سے اہم معلومات حاصل کی گئیں اور پھر احمد خلفان محمد نعیم پر اعتماد کرتے ہوئے پاکستانی انٹیلی جنس کے جال میں آ گیا۔

25 جولائی 2004 کو جب گجرات میں 16 گھنٹے کے طویل آپریشن کے بعد احمد خلفان کو دیگر ساتھیوں سمیت حراست میں لیا گیا تو اس وقت تک محمد نعیم نور خان کا نام سامنے نہیں آیا تھا۔ احمد خلفان کی گرفتاری کے اعلان کے فوری بعد امریکہ اور برطانیہ میں القاعدہ کے حملوں سے بچنے کیلئے سکیورٹی ہائی الرٹ کر دی گئی۔ اسکی وجہ امریکہ اور برطانیہ کو پاکستان کی جانب سے ارسال کردہ وہ اطلاعات تھیں جو محمد نعیم سے دوران تفتیش سامنے آئیں تھیں اور جن میں نعیم نے تفتیش کاروں کو بتایا تھا کہ القاعدہ نے امریکہ اور برطانیہ کے اہم مراکز پر حملوں کا منصوبہ بنایا ہے۔ پاکستان کی طرف سے امریکی و برطانوی انٹیلی جنس حکام کو تمام تفصیلات مہیا کئے جانے کے بعد سکیورٹی ہائی الرٹ کر دی گئی۔ اس سے قبل بھی اس قسم کی معلومات دونوں ملکوں کو فراہم کی جاتی تھیں اور یہ عموماً خفیہ ہی رہتی تھیں۔ امریکہ میں سکیورٹی ہائی الرٹ کئے جانے کے بعد امریکی اخبار ''نیویارک ٹائمز'' نے جب اعلیٰ امریکی انتظامی عہدیداروں سے اس ہائی الرٹ کی وجہ پوچھی تو انہوں نے ممکن ہے کسی منصوبہ بندی کے تحت یا پھر غیر دانستہ طور پر بتا دیا کہ القاعدہ کے نئے حملوں کی پلاننگ کے بارے میں اطلاعات ہمیں پاکستان میں گرفتار ہونیوالے القاعدہ کے ایک رکن ''خان'' نامی شخص سے ملی ہیں۔ اس لئے سکیورٹی ہائی الرٹ کی گئی ہے۔ بعدازاں ''رائٹر'' کو بھی امریکی حکام نے بتا دیا کہ پاکستان میں خفیہ طور پر گرفتار کیا جانیوالا ''خان'' نامی شخص سکیورٹی الرٹ کا باعث بنا ہے۔ یہ بات امریکی حکام کی غفلت کے باعث جب پوری دنیا میں پھیل گئی تو پاکستانی حکام نے سر پکڑ لیا۔ ان کی پریشانی کا سبب یہ تھا کہ محمد نعیم نور خان مفید معلومات فراہم کر رہا تھا اور اس کے ذریعے القاعدہ اور اس سے تعلق رکھنے والے بیسوں افراد کو گرفتار کیا جا چکا تھا۔ پاکستانی انٹیلی جینس کیلئے یہ ایک بہت بڑا دھچکا تھا کہ بش انتظامیہ کے

MashalBooks.com

عہدیداروں نے آخر کیوں پاکستان اور امریکہ کیلئے القاعدہ کیخلاف ڈبل ایجنٹ کا کردار ادا کرنے والے کا انکشاف کر دیا؟

اس بارے میں وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات شیخ رشید نے بھی کردار ادا کیا۔ جیسے ہی غیر ملکی میڈیا میں محمد نعیم نور خان کا نام سامنے آیا تو انہوں نے بھی بیان داغ دیا کہ محمد نعیم نور خان کو حراست میں لیا گیا ہے حالانکہ سکیورٹی سے متعلق بیانات اور گرفتار افراد کی تفصیلات بتانا وزیر داخلہ کی ذمہ داری ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جس روز شیخ رشید نے یہ بیان دیا اس روز وزیر داخلہ فیصل صالح حیات نے بھی اپنے بیان میں محمد نعیم نور خان کی گرفتاری سے لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ شیخ رشید کو اخبارات میں بیانات اور تصاویر شائع کرانے کا شوق ہے۔ میری ان سے درخواست ہے کہ وہ پاکستان کے وقار کا خیال رکھیں۔ یہ تمام صورتحال سامنے آنے کے بعد سکیورٹی حکام کیلئے اسکے سوا کوئی چارہ باقی نہ بچا کہ محمد نعیم نور خان کی گرفتاری اور اسکے انکشافات سے باضابطہ طور پر دنیا کو آگاہ کر دیا جائے۔

امریکی حکام کی طرف سے القاعدہ کیخلاف کام کرنیوالے ڈبل ایجنٹ کا نام افشاء کرنے سے پاکستان اور امریکی حکام کے درمیان امریکہ کی دہشت گردی کیخلاف جنگ میں اہم کردار ادا کرنے کے حوالے سے بہت سے شکوک وشبہات نے جنم لیا۔ امریکی میڈیا میں اس بابت جو تفصیلات سامنے آئی ہیں اس کے مطابق امریکی انتظامیہ نے اس ڈبل ایجنٹ کا نام سیاسی وجوہات کی بناء پر ظاہر کیا۔ تاہم اس سے پاکستانی حکام کی وہ کوششیں خاک میں مل گئیں جو وہ محمد نعیم کے ذریعے القاعدہ کے کسی ہائی ویلیو ٹارگٹ کو پکڑنے کیلئے کر رہے تھے۔

MashalBooks.com

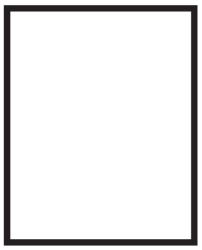

# عمر شیخ

''ہیلو۔۔میں اسلام آباد سے بول رہا ہوں۔ابھی ابھی کابل سے اطلاع ملی ہے کہ ڈینیل پرل کی لاش تلاش کر لی گئی ہے۔سیکرٹری داخلہ اس بارے میں کچھ بتانے سے انکار کر رہے ہیں۔آپ آئی جی سندھ سے رابطہ کر کے اس بارے میں کچھ معلوم کریں۔''

16 اور 17 مئی 2002ء کی درمیانی شب ایک غیر ملکی ٹی وی کے لئے کام کرنے والے پاکستانی صحافی نے اسلام آباد سے کراچی میں اپنے دوست کو یہ اطلاع دی تو اُس کے تھوڑی دیر بعد کراچی میں مختلف اہم افراد کے موبائل فون کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔یہ اطلاع ملنے کے بعد اعلیٰ سرکاری حکام کو یقین آ گیا کہ احمد عمر شیخ کا یہ بیان صحیح ہے کہ ڈینیل پرل کو مار دیا گیا ہے۔اگرچہ اس وقت تک امریکی قونصلیٹ کو وہ ویڈیو کیسٹ بھی مل چکی تھی جس میں ڈینیل پرل کے قتل کے مناظر کی عکس بندی کی گئی تھی لیکن لاش ملنے تک بہت سے اندازے لگائے جا رہے تھے۔جن میں سے دو تو یہ تھے کہ احمد عمر شیخ کا بیان غلط ہو سکتا ہے اور ویڈیو کسیٹ بھی جعلی ہو سکتی ہے۔

احمد عمر شیخ اور اُس کے چار ساتھیوں کو پولیس نے فروری 2002ء کے اوائل میں ڈینیل پرل کے اغواء کے الزام میں حراست میں لیا تھا۔وال اسٹریٹ جرنل کے ساؤتھ ایشیا ریجن کے بیورو چیف ڈینیل پرل کو 23 جنوری 2002ء کو کراچی کے وی آئی پی علاقے میٹروپول ہوٹل

کے قریب ویلیج ریسٹورنٹ کے سامنے سے اغوا کیا گیا تھا۔ بعض عینی شاہدین کے مطابق ڈینیل پرل مبارک شاہ گیلانی کا انٹرویو کرنا چاہتا تھا اس لئے وہ اپنی رضامندی سے ایک کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوا تھا مگر اسے لے جانے والوں نے پھر اسکی واپسی کے راستے بند کر دیئے۔

احمد عمر شیخ ڈینیل پرل کے قتل کے منصوبے کے سب سے بڑے ملزم کے طور پر سامنے آیا۔ اس سے قبل کے احمد عمر شیخ کے بارے میں حقائق سامنے لائے جائیں۔ ڈینیل پرل کی لاش کی برآمدگی کے حوالے سے کچھ حقائق بتا دئے جائیں۔ 17 مئی 2002 کو رات گئے کراچی میں یہ اطلاع گردش کرتی رہی کہ تین افراد کی گرفتاری عمل میں آئی ہے جن کی نشاندہی پر اورنگی ٹاون سے ایک پُرانی لاش برآمد کر لی گئی ہے لیکن یہ واضع نہیں کہ لاش کس کی ہے اور کتنی پُرانی ہے۔

17 مئی 2002ء کی صبح سے ہی ملکی و غیر ملکی ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کی بڑی تعداد پولیس کی ہائی کمان کے ساتھ مسلسل رابطہ میں تھی۔ اس بات کو پھیلنے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ پولیس نے سُپر ہائی وے پر گلشن معمار کے علاقے میں آپریشن کی تیاری کی ہے جہاں ایک باغیچہ میں کھدائی کا پروگرام ہے۔ اسی روز دوپہر کو شائع ہونے والے اخبارات نے خبر دی کہ ڈینیل پرل کی لاش کا سُراغ لگا لیا گیا ہے اور گلشن معمار میں کھدائی شروع ہو گئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد آئی جی سندھ سید کمال شاہ نے پاکستان ٹیلی ویژن کو خصوصی انٹرویو دیتے ہوئے پہلی مرتبہ سرکاری طور پر اعلان کیا کہ پولیس کو اطلاع ملی تھی کہ سُپر ہائی وے کے پاس گلشن معمار کے علاقے میں ایک نامعلوم شخص کی لاش دفن کی گئی ہے، اب کھدائی کر کے اس لاش کا جائزہ لیا جائے گا کہ یہ لاش کس کی ہے جمعے کی شام تک بیرون ملک بھی یہ خبر پہنچ گئی تھی کہ کراچی کی سُپر ہائی وے کے پاس سے کھدائی کر کے ایک نہ معلوم لاش کے دس ٹکڑے برآمد کیئے گئے ہیں اور مبینہ طور پر یہ لاش ڈینیل پرل کی ہے۔ رات آٹھ بجے ایک پُر ہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے آئی جی سندھ نے کہا کہ ابھی یہ کہنا مشکل ہے کہ لاش کس کی ہے۔ تحقیقات جاری ہے چونکہ لاش کے ٹکڑے ناقابل شناخت ہیں اس لیے ماہرین کی رپوٹ کا انتظار کیا جا رہا ہے، رپوٹ آنے پر کچھ واضح انداز میں کہا جا سکے گا۔ بعد میں ملنے والی رپورٹ میں تصدیق کر دی گئی کہ یہ لاش واقع ڈینیل پرل کی تھی۔ آ جی سندھ کے مطابق جس جگہ پر کھدائی کر کے لاش برآمد کی گئی وہ پلاٹ الرشید ٹرسٹ کا ہے۔

MashalBooks.com

ڈینیل پرل کی لاش ملنے کے بعد ایک بہت بڑا معمہ حل ہو گیا اور تفتیشی ماہرین کو بھی یقین آ گیا کہ احمد عمر شیخ اور ان کے ساتھیوں نے ڈینیل پرل کو قتل کیا ہے۔ احمد عمر شیخ نے ایسا کیوں کیا ؟اس بارے میں عمر شیخ کا سوائے اس بات کے کوئی ٹھوس موقف سامنے نہیں کہ ڈینیل پرل یہودی تھا۔ اس لیئے اسے قتل کیا گیا۔

عمر شیخ القاعدہ نیٹ ورک کا اہم حصہ تھا اور اس کا جیش محمد کے ساتھ باہمی تعلق بھی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ بعض ذرائع کے مطابق جیش کی تشکیل میں عمر شیخ کا مشورہ اور مالی اعانت شامل تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ 11 ستمبر کے واقعات کے مرکزی کردار عطاء کو درحقیقت عمر شیخ نے ہی حوالہ چینل کے ذریعے 156000 ڈالر بھیجے تھے اور یہ رقم 11 ستمبر 2001 کے حملوں کی منصوبہ بندی میں کام آئی۔

احمد عمر شیخ کا تعلق لاہور کے ایک دولت مند کاروباری خاندان سے ہے۔ عمر شیخ کے والد سید احمد شیخ ایک کامیاب تاجر کے طور پر جانے جاتے ہیں وہ اپنے تین بھائیوں میں سب سے بڑا ہے۔ عمر شیخ نے ابتدائی تعلیم الیکس کاؤنٹی میں سینٹر بروک علاقے کے سکولوں سے حاصل کی ۔ پہلے وہ ٹائینٹکیل پرائمری سکول میں داخل ہوا اور بعد میں فارسٹ سکول چلا گیا۔ اس حوالے سے وہ انگلستان کی کرکٹ ٹیم کے سابق کپتان ناصر حُسین کا ہم مکتب ہے۔ 1987ء میں اس کا خاندان لاہور منتقل ہو گیا جہاں ان کا داخلہ ایچی سن کالج میں ہوا۔ کچھ عرصہ بعد عمر کا خاندان دوبارہ لندن آ گیا اور شیخ عمر نے فارسٹ سکول میں تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ سکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد شیخ عمر نے لندن سکول آف اکنامکس میں شماریات کے شعبہ میں داخلہ لیا لیکن پہلا سال مکمل کرنے سے پہلے ہی شیخ عمر نے تعلیم ترک کر دی۔ وہ 1992ء میں ایک امدادی جماعت کے ساتھ بوسنیا گیا اور اس کے بعد پاکستان منتقل ہو گیا۔ پاکستانی حکام کے مطابق پاکستان آتے ہی وہ حرکتہ الانصار گروپ میں شامل ہو گیا اور چھ ماہ تک اس گروپ کے لوگوں کے ساتھ افغانستان میں تربیت حاصل کرتا رہا۔ 1994ء میں شیخ عمر کا نام اس وقت دنیا بھر کے اخباروں کی زد میں آیا جب بھارت میں اس پر مغربی سیاحوں کو اغوا کرنے کا الزام لگایا گیا۔ اسی سال وہ بھارت میں گرفتار ہو گیا اسے پہلے میرٹھ جیل میں رکھا گیا اور بعد میں دلی کی تہاڑ جیل منتقل کر دیا گیا، جہاں اس نے پانچ سال گزارے۔ عمر شیخ ان تین افراد میں شامل تھا

MashalBooks.com

جنہیں بھارت نے اپنے اغوا شدہ طیارے کے مسافروں کے بدلے 31 دسمبر 1999ء کو رہا کیا تھا۔ دیگر افراد مولانا مسعود اظہر اور کشمیری رہنما مشتاق زرگر تھے۔ شیخ عمر نے 2000ء میں شادی کی اور نومبر 2001ء میں وہ باپ بن گیا۔ پاکستان میں حکام کے مطابق ڈینیل پرل کے اغوا سے چار دن پہلے تک شیخ عمر لاہور میں موہنی روڈ پر واقع اپنے آبائی گھر میں تھا جس کے بعد وہ اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ روپوش ہو گیا۔

پولیس نے ڈینیئل پرل کیس چار ملزمان کو باضابطہ طور پر گرفتار کیا۔ احمد عمر شیخ 'سلمان ثاقب' عادل شیخ اور فہد نسیم۔ ان چار میں سے دو ملزمان فہد نسیم اور سلمان ثاقب کو پولیس نے ضابطہ فوجداری کی دفعہ 164 کے تحت بیان قلمبند کرانے کیلئے جوڈیشل مجسٹریٹ جنولی ارم جہانگیر کی عدالت میں پیش کیا گیا جہاں ان کا بیان قلمبند ہوا اور عدالت نے دونوں ملزمان کو جیل بھیج دیا۔ فہد نسیم اور سلمان ثاقب کزن ہیں اور انہوں نے 164 کے بیان میں اقبال جرم کرتے ہوئے کہا ہے کہ انہوں نے عمر شیخ کی جانب سے دی گئی تصاویر کو ای میل کیا تھا۔ اس مقصد کے لیے سکینر اور کیمرہ خریدا گیا تھا اور ایک لاکھ 75 ہزار روپے کی رقم منی چینجر سے نکلوائی گئی۔ ڈینیل پرل کیس کے دیگر ملزمان میں امجد حُسین فاروقی، عاصم عرف قاسم، ہاشم، امتیاز صدیقی، احمد بھائی اور کیمرہ پہنچانے والا شخص شامل تھے۔ ان میں سے امجد حُسین فاروقی 2004ء میں ایک پولیس مقابلے کے دوران ہلاک کر دیا گیا۔

ڈینیل پرل کی اہلیہ میرین نے اپنے شوہر کی جو ایف آئی آر درج کرائی تھی اس میں صرف اغواء کی دفعات درج کی گئی تھیں مگر قتل کے مناظر پر مبنی ویڈیو کیسٹ ملنے کے بعد پولیس نے قتل کی دفعات کا اضافہ کر دیا جس کے بعد پولیس کے مطابق 11 فروری 2002 کو ملزمان سلمان، ثاقب، فہد نعیم اور عادل شیخ کی گرفتاری عمل میں آئی جبکہ وکلاء صفائی کا موقف ہے کہ ملزمان کو 4 اور 5 فروری کی درمیانی شب گرفتار کیا گیا۔ اسی طرح شیخ عمر کی گرفتاری پولیس کے مطابق 12 فروری کو کراچی ائیر پورٹ کے علاقے سے عمل میں آئی جبکہ ملزم کے والد شیخ احمد سید اور ماموں شیخ عبدالرؤف کے مطابق انہوں نے عمر شیخ کو 5 فروری 2002 کو ڈی آئی جی لاہور کی رہائش گاہ واقع جی او آر کالونی لاہور میں ان کے حوالے کر دیا تھا۔ پولیس نے 14 تا 25 فروری شیخ عمر کا پہلا، 25 فروری تا 12 مارچ دوسرا اور 12 تا 22 مارچ 2002 کو تیسرا ریمانڈ حاصل

کیا ۔اس دوران یکم مارچ کوملزم فہد نسیم اور 3مارچ کو سلمان ثاقب کا اقبالی بیان قلمبند کیا گیا جبکہ 26فروری کو آصف محفوظ اور 6مارچ کو ناصر عباس نے ملزم شیخ عمر کو شناخت کیا۔22مارچ کو انسداد دہشت گردی کی عدالت میں مقدمہ کا چالان پیش کرایا گیا اور جج ارشد نور خان نے 5اپریل اور 12اپریل کو مقدمہ کی سماعت کی ۔اس درمیان 30مارچ کو ملزم شیخ عمر کے وکیل عبدالوحید کٹپر نے جیل میں سماعت کو سندھ ہائیکورٹ میں چیلنج کر دیا جسے 4اپریل کو عدالت عالیہ نے مسترد کر دیا۔بعدازاں عبدالوحید کٹپر کی جانب سے جج کی تبدیلی کی درخواست پر ہائیکورٹ نے مقدمہ انسداد دہشت گردی کے جج عبدالغفور میمن کی عدالت میں منتقل کر دیا جنہوں نے 22،25اور 30اپریل2002 کو مقدمہ کی سماعت کی ۔استغاثہ کی جانب سے جج عبدالغفور میمن پر مقدمہ کی حیدر آباد سینٹرل جیل میں سماعت کا حکم جاری کرتے ہوئے اسے انسداد دہشت گردی کی عدالت حیدرآباد ومیر پور خاص کے جج سید علی اشرف کی عدالت میں منتقل کر دیا۔اس حکم کے خلاف وکلاء وفاع نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی تاہم عدالت عظمٰی نے 8مئی2002 کے فیصلے میں سندھ ہائی کورٹ کے فیصلے کو بحال رکھا۔3مئی سے مقدمہ کی حیدرآباد میں سماعت کا آغاز ہوا۔3مئی2002ے10جولائی تک ہونے والی سماعت کے دوران استغاثہ نے اپنے 23 گواہ پیش کئے جبکہ صفائی نے صرف 2 گواہوں کو عدالت کے روبرو پیش کیا۔ 11مئی کو ایف بی آئی ایجنٹ گواہ کی حیثیت سے عدالت میں پیش ہوئے۔17مئی کو پرل کی لاش کراچی سے برآمد کر لی گئی اور اسکے اجزاء ڈی این اے ٹیسٹ کے لئے بھیجے گئے۔تاہم ڈی این اے ٹیسٹ کا نتیجہ منظر عام پر نہیں آیا۔اس دوران استغاثہ مسلسل لاش سے لاتعلقی کا اظہار کرتا رہا۔دوران مقدمہ پرل کی فرانسیسی نژاد اہلیہ میرین پرل فرانس چلی گئیں جہاں انہوں نے بیٹے کو جنم دیا جسکا نام آدم پرل رکھا گیا تاہم میرین پرل استغاثہ کے گواہ یا مدعیہ کی حیثیت میں عدالت میں پیش ہونے سے مسلسل گریز کرتی رہیں۔پرل کے اغواء وقتل کی ایف آئی آر میں سات افراد کو مفرور ملزمان قرار دیا گیا تھا تاہم مقدمہ میں کسی مرحلے پر استغاثہ نے ان مفرور اشتہاری ملزمان کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔

ملزم شیخ عمر کے والد کپڑے کے تاجر ہیں۔ملزم شیخ عادل ولد عبدالشکور محکمہ پولیس کی سپیشل برانچ میں کانسٹیبل تھا جہاں سے اسے دوران مقدمہ برطرف کر یا گیا۔ملزمان سید فہد نسیم والد سید

MashalBooks.com

MashalBooks.com

نسیم احمد اور سید سلمان ثاقب ولد سید عبدالرؤف آپس میں کزن ہیں۔

## مقدمے کے بارے میں عمر شیخ کا مئوقف

عمر شیخ کے بارے میں پولیس حکام کا دعوی تھا کہ اسے لاہور سے گرفتار کیا گیا جبکہ خود عمر شیخ نے عدالت میں دومرتبہ یہ بات کہی کہ اس نے رضا کارانہ طور پر گرفتاری دی اور حقیقت میں وہ 5 فروری 2002 سے گرفتار ہو چکا ہے جبکہ پولیس نے 12 فروری 2002 کو ہی گرفتاری ڈالی ۔عمر شیخ نے سندھ ہائیکورٹ میں واقع انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالتوں کے انتظامی جج جسٹس بشیر احمد کی عدالت میں پہلی پیشی کے موقع پر اعتراف کیا کہ وہ ڈینیئل پرل کے اغوا میں ملوث ہے اور اس نے جو کام کیا وہ صحیح ہے یا غلط اس کے بارے میں وہ مزید کچھ کہنا نہیں چاہتا ۔عمر شیخ نے ڈینیئل پرل کے بارے میں 14 فروری 2002 کو کہ دیا تھا کہ.....''میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ مر چکا ہے''۔عمر شیخ نے امریکہ کے بارے میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا کہ ہمارے ملک کو امریکہ کے تابع نہیں ہونا چاہئے۔عمر شیخ کے موقف پر اس کی اہلیہ نے اس کے برعکس موقف اپنایا ۔عمر شیخ کی اہلیہ سعدیہ نے اپنے وکیل کے ایم صمدانی کے ذریعے سندھ ہائیکورٹ میں دائر کی گئی ایک درخواست میں موقف اختیار کیا کہ''میرا شوہر امریکی صحافی ڈینیئل پرل کے اغواء اور قتل میں ملوث نہیں۔اس نے رضا کارانہ طور پر گرفتاری دی اور اگر اس کے خلاف کوئی ثبوت ہیں تو پھر اس کے خلاف مقدمہ ملک کی عدالت میں ہی چلنا چاہئے۔اس صورتحال کے باعث عمر شیخ اور اس کی اہلیہ کے مئوقف میں واضع اختلاف سامنے آیا۔عمر شیخ،ڈینیئل پرل کے اغوا کا اعتراف کر چکا تھا جبکہ اس کی اہلیہ کا مئوقف تھا کہ اس کا شوہر کسی کیس میں ملوث نہیں،دوسرا تضاد یہ بھی سامنے آیا کہ عمر شیخ عدالت میں کہہ چکا تھا کہ وہ اپنا دفاع نہیں کرنا چاہتا جبکہ اس کی اہلیہ نے وکیل کی خدمات حاصل کر لیں۔عمر شیخ کی گرفتاری کے بعد خصوصاً کراچی منتقلی کے بعد ابھی تک اس کے گھر والوں سے ملاقات کی کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی جس سے دو اندازے لگائے گئے اول تو اس کے اہل خانہ خود ملاقات کرنے کی کوشش نہیں کر رہے،دوئم یہ کہ حکام نے اس ملاقات پر پابندی لگادی تھی لیکن یہ حیران کن بات ہے کہ عمر شیخ سے ملاقات کرانے کیلئے اس کے والدین،بہن،بھائیوں اور اہلیہ نے کوئی درخواست نہیں کی۔

MashalBooks.com

تفتیشی اداروں کی مشکلات میں مزید اضافہ اس وقت ہوا جب امریکہ نے عمر شیخ کو پاکستان سے مانگ لیا۔وائٹ ہاؤس کے ترجمان فشر نے اپنی معمول کی بریفنگ کے دوران 1931 میں برٹش انڈیا کے ساتھ تحویل مجرمین کے جس امریکی معاہدے کا حوالہ دیا اس نے پاکستان میں ایک نئی بحث چھڑ دی ۔امریکہ کا موقف تھا کہ امریکہ اس معاہدے کے تحت پاکستان سے مطلوب ملزم کو اپنی تحویل میں لے سکتا ہے۔کیونکہ امریکی وکلاء سمجھتے ہیں کہ مذکورہ معاہدہ اب بھی موثر ہے اور پاکستان پر لاگو ہوتا ہے۔امریکی سفیر نے جنرل پرویز مشرف سے ملاقات کے بعد جب کراچی کا دورہ کیا تو ایک ٹی وی انٹرویو میں انہوں نے عمر شیخ کی امریکہ حوالگی کے بارے میں سوال پر کہا تھا کہ وہ خاصی پرامید ہیں اور پاکستانی حکومت قانونی پہلوؤں کا جائزہ لے رہی ہے۔

انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت نے جب ڈینیل پرل کے قتل کیس کے فیصلے میں احمد عمر شیخ کو سزائے موت اور اس کے تین ساتھیوں کو عمر قید اور جرمانے کی سزا سنائی تو اس کیس کا ایک ایسا پہلو سامنے آیا جس کا مقدمے کی تفتیش میں کوئی ذکر ہی نہیں کیا گیا۔یہ معاملہ بھارت نژاد امریکہ صحافی خاتون اسرا نعمانی سے تعلق رکھتا تھا۔مقدمہ کے وکیل صفائی رائے بشیر احمد نے اس خاتون کو مقدمہ کی اصل ملزم قرار دیا۔2 جون 2002 کو حیدرآباد کی جیل میں زیر سماعت کیس میں دلائل دیتے ہوئے ملزم احمد عمر شیخ کے وکیل صفائی رائے بشیر احمد نے کہا کہ اس کیس کے تفتیشی عملہ نے کراچی میں ڈینیل پرل کے ساتھ طویل عرصہ گزارنے والی بھارتی نژاد لڑکی اسرا نعمانی کے بارے میں کوئی تفتیش نہیں کی جبکہ اسرا نعمانی ڈینیل پرل کے قتل کی اصل اور مرکزی ملزمہ ہے۔رائے بشیر احمد نے اس سلسلہ میں متعدد حقائق بھی بیان کئے۔اُنہوں نے سخت حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ استغاثہ نے کھلے حقائق اور ثبوت کے باوجود پوری تفتیشی رپورٹ میں اسرا نعمانی کا بالکل کوئی ذکر نہیں کیا،جبکہ یہ خاتون ڈینیل پرل سے پہلے پاکستان پہنچی۔وہ شیرٹن ہوٹل کراچی میں اور پھر بعد میں ڈیفنس کے ایک اعلیٰ بنگلہ میں ڈینیل پرل کی میزبان رہی۔وکیل صفائی نے اس بات کو بھی اجاگر کیا کہ یہی خاتون ڈینیل پرل کو ساتھ لے کر کراچی کے ایک ریسٹورنٹ میں لے کر گئی' جہاں ڈینیل کے اغوا کا واقعہ پیش آیا۔

وکیل صفائی نے اس بات کو بھی واضح انداز میں بیان کیا کہ ڈینیل پرل کے اغوا کے بعد

MashalBooks.com

اسے اغوا کرنے والوں نے جتنی ای میل اور دوسری ڈاک بھیجی وہ اسرا نعمانی کے نام پر ہی آتی رہی اور اسی کے ساتھ اغوا کرنے والوں کے مذاکرات ہوتے رہے۔ یہی ڈاک عدالت میں بھی پیش کی گئی مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ تفتیشی افسروں نے اس اہم نکتہ کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور اسرا نعمانی کا تذکرہ سرے سے گول کر گئے۔ وکیل صفائی نے ایک اور اہم نکتہ پر بھی زور دیا کہ امریکہ میں پاکستان کے سفارت خانہ نے اسرا نعمانی کو دوبارہ پاکستان کا ویزا دینے سے انکار کر دیا تھا مگر وہ تیسری بار کسی اعلیٰ شخصیت کی سفارش کے باعث ویزا حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

وکیل صفائی نے اسرا نعمانی کو ویزا دیئے جانے کے بارے میں پاکستانی سفارت خانہ کے انکار کی تفصیلات نہیں بتائیں تاہم ذرائع کے مطابق پاکستانی سفارت خانہ کے اس انکار کے پس منظر میں بعض اہم حقائق کارفرما تھے۔ اسرا نعمانی ایک بار پہلے بھی پاکستان کا سفر کر چکی تھی۔ اس نے نہایت پراسرار انداز میں ان مقامات کا دورہ کیا جو مذہبی تعلیمات اور سرگرمیوں کے مراکز شمار ہوتے ہیں۔ اسرا نعمانی کی انہی پراسرار سرگرمیوں اور حرکتوں کے باعث اسے پاکستانی سفارتخانے نے ویزا نہیں دیا۔ اسرا ویزا حاصل کرنے کیلئے نقاب پہن کر سفارت خانہ میں گئی کہ اسے اپنے بہت قریبی رشتہ داروں اور عزیز واقارب سے ملنے کیلئے پاکستان جانا ہے لیکن پاکستانی سفارت خانہ نے یہ عذر بھی مسترد کر دیا۔ اس پر اسرا نے نیا طریقہ آزمایا اور وہ وال سٹریٹ جنرل کی نمائندہ بن کر ویزا کیلئے جا پہنچی مگر یہ حربہ بھی ناکام رہا اور درخواست مسترد کر دی گئی۔

پاکستانی سفارت خانہ کا موقف تھا کہ وال سٹریٹ جرنل کا ایک نمائندہ ڈینیل پرل دہلی سے کراچی بآسانی آ سکتا ہے اس مقصد کیلئے امریکہ سے نمائندہ بھجوانے کی ضرورت نہیں۔ اسرا نعمانی کسی خاص مقصد کے حصول کے لیے ہر حالت میں ویزا حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس نے ایک اور چکر چلایا اور تیسری بار کھیلوں کی ایک ویب سائٹ کی نمائندہ بن کر نیویارک میں پاکستان کے قونصلیٹ میں پہنچ گئی۔ اس بار ایک اعلیٰ شخصیت اور خود ڈینیل پرل کی سفارش اس کے ساتھ تھی۔ پاکستانی حکام اس بار انکار نہ کر سکے اور اسرا کو ویزا مل گیا۔ وہ فوری طور پر پاکستان پہنچی اور ایک فائیو سٹار ہوٹل میں قیام کیا۔ ڈینیل وال سٹریٹ جرنل کے دہلی بیورو آفس کا چیف

تھا۔ پاکستان کے واقعات کی رپورٹنگ بھی اس کی ذمہ داری میں شامل تھی۔ اسرا نعمانی کراچی پہنچی تو ڈینیل اس وقت دہلی میں تھا۔ اگلے ہی روز وہ بھی شیرٹن ہوٹل کراچی میں پہنچ گیا جہاں اسرا پہلے سے مقیم تھی۔ یہاں سے دونوں کی مشترکہ سرگرمیاں شروع ہوئیں۔

وکیل صفائی رائے بشیر احمد نے یکم جون 2002ء کو حیدرآباد جیل میں ڈینیل کیس کی سماعت کے بعد جیل سے باہر منتظر اخبار نویسوں کو مقدمہ کی کارروائی کے بارے میں جو کچھ بتایا اس کی نوائے وقت کراچی کی 2 جون 2002 کی اشاعت میں چھپنے والی رپورٹ کا ایک اقتباس قابل توجہ ہے۔

''گزشتہ روز سینٹرل جیل میں پرل کے اغوا قتل کیس کی سماعت انسداد دہشت گردی کے سپیشل جج سید علی اشرف شاہ کی کیمپ عدالت میں ہوئی۔ اس موقع پر استغاثہ کے گواہ محمود اقبال ہاشمی سے وکلائے صفائی نے جرح مکمل کر لی۔ اگرچہ ایڈووکیٹ جنرل سندھ راجہ قریشی نے گواہ کے بیان کو اطمینان بخش قرار دیا تاہم رائے بشیر نے سماعت کے بعد صحافیوں کو بتایا کہ گواہ محمود اقبال ہاشمی نے دوران جرح تسلیم کیا کہ ڈینیل پرل کے اغوا سے متعلق کوئی ای میل پیغام ملزمان کے ایڈریس سے نہیں بھیجا گیا تھا نہ ہی ایسا کوئی ریکارڈ موجود ہے کہ ملزمان نے گواہ کے ''سرور'' سے کوئی ای میل بھیجا تھا۔ استغاثہ کی جانب سے دوسرا گواہ تفتیشی افسر انسپکٹر راؤ اسلم عدالت میں پیش ہوا۔ رائے بشیر احمد کے مطابق گواہ راؤ اسلم نے دوران جرح متعدد ایسی باتیں تسلیم کیں جن سے وکلائے صفائی کا مقدمہ مضبوط ہوا۔ گواہ نے دوران جرح اس بات سے انکار کیا کہ وہ کسی خاتون اسرا نعمانی کو نہیں جانتا۔ اس پر وکیل صفائی نے گواہ کی توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ جو دستاویزات میرین پرل نے آپ کو دی تھیں ان میں وہ ای میل پیغامات درج ہیں جو اسرا نعمانی کو گئی تھی۔ آپ نے اسرا نعمانی کو گواہ بنایا، اس مقدمہ میں ملزم بنایا، یا اسے شامل تفتیش کیا؟ جس پر گواہ انسپکٹر راؤ اسلم نے نفی میں جواب دیا اور کہا کہ میں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ پرل کیس کے ملزمان کے وکیل رائے بشیر نے کہا کہ اگر ڈینیل پرل کو اغوا کیا گیا ہے تو اسے را کی ایجنٹ بھارتی خاتون اسرا نعمانی کے ذریعے ''را'' نے اغوا کیا۔ گزشتہ روز مقدمہ کی سماعت کے بعد صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے رائے بشیر احمد نے کہا کہ امریکہ اور بھارت کی دوہری شہریت کی حامل خاتون اسرا نعمانی کو امریکہ سے پاکستان آنے کے لئے

MashalBooks.com

ڈینیل پرل کی سفارش پر پاکستانی ویزا دیا گیا تھا۔زمزمہ سٹریٹ میں جہاں پرل رہائش پذیر تھا یہ گھر بھی اسرانعمانی نے کرایہ پر حاصل کیا تھا۔اسرانعمانی ہی اغوا سے قبل ڈینیل پرل کے ساتھ ہوٹل تک گئی تھی اور ڈینیل کے اغوا کے فورا بعد اغوا کنندہ گان کی جانب سے ای میل بھی اسرانعمانی کوموصول ہوا تھا اور پھر اسرانعمانی مسلسل اغوا کنندگان کے ساتھ رابطے میں رہی ۔انہوں نے کہا کہ یہ سارا چکر اسرانعمانی کے ذریعے ''را'' کا چلایا ہوا ہے۔

شیرٹن ہوٹل میں چندروز قیام کے بعد اپنے خاص ذرائع سے کراچی کے اعلیٰ رہائشی علاقہ ڈیفنس سوسائٹی میں ایک شاندار بنگلہ 40 ہزار روپے ماہانہ پر حاصل کیا۔یہ علاقہ کلفٹن کے علاقہ سے متصل تھا۔اسرا اپنے ساتھ سراغ رسانی کے جدید ترین آلات بھی لے کر آئی تھی۔اس نے وہ آلات اس بنگلہ میں نصب کئے اور ڈینیل کے ساتھ اس بنگلہ میں منتقل ہوگئی۔

ڈینیل پرل کیس میں کسی تفتیشی افسر نے یہ تفتیش کرنے کی ضروت محسوس نہیں کی کہ اس آلات کی نوعیت کیا تھی اور انہیں کب اور کیسے استعمال کیا جن کے ذریعے ہر قسم کی اطلاعات ،رپورٹیں اور تصاویر فوری طور پر سمندر پار بھیجی جاسکتی ہیں۔یہ آلات جس علاقہ میں نصب کئے گئے وہاں اعلی سرکاری وفوجی تنصیبات اور راہم شخصیات کی ہائش گاہیں واقع ہیں۔یہ علاقہ ایک طرف کراچی چھاؤنی کے حساس علاقہ سے بھی جاملتا ہے۔

اسرانعمان کے بارے میں یہ حقائق سامنے آنے کے بعد یہ بتا دینا بھی بہت ضروری ہے کہ اسرانعمان کون ہے؟ اسرانعمان کے بارے میں ہفت روزہ ''ندائے ملت'' نے ایک تفصیلی رپورٹ شائع کی۔اس رپورٹ کے مطابق اسرانعمان کا اصل نام اسراقرۃ العین نعمانی ہے۔وہ بھارت کے صوبہ یو پی میں ظفر نعمانی کے گھر پیدا ہوئی۔تین سال کی عمر میں وہ اپنے والدین کے ساتھ امریکہ کی ریاست ورجینیا میں منتقل ہوگئی۔اس کے والد پروفیسر ظفر نعمانی ویسٹ ورجینیا یونیورسٹی میں پڑھاتے تھے۔اسریٰ نعمانی نے بھی اسی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور پھر مشہور امریکی اخبار وال سٹریٹ جرنل کے ساتھ منسلک ہوگئی۔وہ افغانستان، تاجکستان اور بھارت بھی جا چکی ہے چند سال قبل اس نے تصوف کے بارے میں تحقیقات کرنے اور اس سلسلہ میں رپورٹ تیار کرنے کی غرض سے پاکستان کا وسیع دورہ کیا۔وہ مختلف درگاہوں اور آستانوں پر گئی۔اس نے لاہور میں داتا گنج بخش، حضرت میاں میر اور دوسرے مزاروں کا دورہ

کیا۔ وہ متعدد لائبریریوں میں بھی گئی ۔ یہاں اس نے خاص طور پر بعض جہادی اور دینی تنظیموں سے رابطہ قائم کیا اور تصوف کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کی۔

اسراء کی ان سرگرمیوں کا بنیادی نکتہ جہاد کے بارے میں مختلف مذہبی تنظیموں کے نقطۂ نظر اور طریقہ کار کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھا۔ان ملاقاتوں کے دوران اسرانعمانی نے بڑی بے باکی کے ساتھ اپنی مادر پدر آزاد زندگی کے واقعات بیان کئے ۔اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ اپنی صحافتی سرگرمیوں کے سلسلے میں بھارت کے ایک تنتزا مندر میں بھی گئی ۔تنتزا مندروں میں جنسی مظاہرہ کی پوجا کی جاتی ہے۔اسرا نے بتایا کہ اسے ایک مسلمان لڑکی کے طور پر مندر کے اندر نہیں جانے دیا گیا تو اس نے ہندو بننے کا اعلان کر دیا۔اس پر اسے بتایا گیا کہ اسے مندر کے اندر بے لباس ہو کر ایک خاص مقام پر دیوی کا روپ دھار کر کھڑا ہونا پڑے گا۔اس نے یہ شرط بھی پوری کر دی اور یوں مندر کے اندر کے حالات کی رپورٹ تیار کر لی۔

یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسرانعمانی کے بارے میں اتنی واضح اور مفصل رپورٹ کی اشاعت کے بعد تفتیشی افسروں نے اسے کیوں نظر انداز کر دیا؟ خاص طور پر جب وکیل صفائی نے عدالت میں بیان دیا کہ ڈینیل پرل کے قتل کی مرکزی اور اصل ملزمہ اسرانعمانی ہے تو بھی اس اہم بیان کو نظر انداز کیوں کیا گیا؟

اس ضمن میں بعض حلقوں کا ردعمل اور تاثرات قابل توجہ ہیں۔مثلا یہ کہ سزائے موت پانے والے ملزم احمد عمر شیخ کے والد سعید احمد شیخ اور بھائی عادل شیخ نے الزام لگایا کہ سزائے موت کے فیصلہ کا تو پہلے ہی جنرل مشرف اعلان کر چکے تھے اب تو محض رسمی کارروائی پوری کی گئی ہے ۔اس ضمن میں برطانیہ کا موقف بھی اہم ہے۔ برطانوی ترجمان کے مطابق احمد عمر شیخ برطانوی باشندہ ہے، برطانوی قوانین کے تحت اسے پھانسی نہیں دی جاسکتی اس پر پاکستان کو عملدرآمد روک دینا چاہئے ۔

ذرائع کے مطابق اسرانعمانی کے بارے میں یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی گئی کہ وہ اس وقت کہاں ہے اور اس کی سرگرمیاں کیا ہیں؟ یہ بات سامنے نہیں آئی کہ کیا پاکستان میں اس کی سرگرمیوں کا کبھی کوئی نوٹس لیا گیا؟ کیا اس بات کا نوٹس لیا گئی ہے کہ ڈینیل پرل کے اغوا کے بعد اغوا کار خاص طور پر اسرانعمانی کو پیغامات کیوں بھیجتے رہے اور اس سے کیوں مذاکرات

MashalBooks.com

کرتے رہے؟ اسرا نعمانی کو ملنے والے ای میل پیغامات تو عدالت میں پیش کر دیئے گئے مگر اسرا نعمانی کو پیش کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔

عمر شیخ کے وکیل رائے بشیر احمد سے جب اس سلسلے میں بات کی گئی تو انہوں اسرا نعمانی کے حوالے سے مزید دلچسپ باتیں بھی بتائیں جو پیش خدمت ہیں۔

رائے بشیر احمد نے بتایا۔

''ڈینیل پرل 23 جنوری 2002 کو اغوا ہوا۔ اس کا موبائل فون اس کے پاس تھا۔ اغوا کے بعد 28 فروری 2002 تک اس کے موبائل فون پر اسرا نعمانی کی کئی بار بات چیت ہوئی۔ اسرا نعمانی نے اسے متعدد کالیں کیں۔ اس کے جواب میں ڈینیل پرل نے اغوا کی حالت میں بھی اسرا نعمانی کو کالیں کیں' گویا اسرا اور ڈینیل مسلسل ایکدوسرے کے ساتھ رابطے میں رہے۔ جدید مواصلاتی دور میں یہ پتہ چلانا بہت آسان ہے کہ ٹیلی فون کال کس مقام سے آ رہی ہے؟ مگر ان باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ رائے بشیر نے عدالت میں اپنی مختلف گواہوں کے ساتھ ہونے والی جرح کے بارے میں بتایا۔

''پہلی بات تو یہ ہے کہ گواہ ناصر عباس کو ٹیکسی ڈرائیور کے طور پر پیش کیا گیا حقیقت میں وہ ایک کانسٹیبل تھا، اسے ٹیکسی ڈرائیور دکھایا گیا۔ ناصر عباس ڈیفنس کالونی کی زمزمہ سٹریٹ میں واقع بنگلے سے لے کر ڈینیل پرل کو ویلج ہوٹل تک لے گیا۔ اس نے کہا ''میں نے ڈینیل کے گھر میں ایک خاتون کو دیکھا تھا۔ ڈینیل نے مجھ سے انگریزی میں بات کی، مجھے انگریزی سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ خاتون پاکستانی یا بھارتی شکل وصورت کی تھی' اس نے مجھے اردو میں ڈینیل کی بات سمجھائی۔ یہ عورت وہیں رہ گئی اور میں وہاں سے ڈینیل کو لے کر ویلج ہوٹل تک گیا''۔

رائے بشیر کے مطابق استغاثہ نے عدالت میں ڈینیل پرل کے موبائل فون پر 23 جنوری سے 28 فروری تک موبائل کالوں کا ریکارڈ پیش کیا۔ یہ ریکارڈ ایک موبائل فون کمپنی کے ڈائریکٹر کرنل عثمان نے فراہم کیا تھا۔ میں نے وہ سارا ریکارڈ دیکھا' اس کے ایک حصے پر ایک جگہ تفتیشی افسر نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا تھا کہ ڈینیل پرل کے نام آٹھ کالیں اسرا نعمانی نے کی تھیں۔ یہ کالیں ڈینیل کے اغوا ہونے کے بعد 20 فروری تک بھی کی گئیں میں نے اس بارے میں تفتیشی افسر پر جرح کی جو سوال جواب کی شکل میں یوں تھی۔

MashalBooks.com

س۔ یہ ریکارڈ آپ کو تفتیش کے دوران مل گیا تھا؟

ج۔ ہاں مل گیا تھا۔

س۔ آپ نے لکھا ہوا ہے کہ آٹھ کالیں اسرا نعمانی کی تھیں؟

ج۔ درست ہے۔

س۔ موبائل فون پر اسرا نعمانی کی اغوا کاروں سے بھی بات چیت ہوتی رہی؟

ج۔ نہیں۔

س۔ وجہ؟

ج۔ کوئی وجہ نہیں۔

س۔ ریکارڈ میں موبائل فون پر کی جانے والی دو کالوں کے نمبر کراچی کے کسی ایک یا دوسرے شخص کے تھے؟

ج۔ درست ہے۔

س۔ ان نمبروں اور ان سے بات کرنے والوں کے بارے میں کوئی تفتیش کی گئی؟ ان افراد کا پتہ چلایا گیا؟

ج۔ نہیں

س۔ اسرا کو کیوں شامل تفتیش کیا گیا؟

ج۔ میں جب وہاں گیا تو وہ نہیں ملی۔

س۔ اسرا کو ملزم یا گواہ بنایا گیا؟

ج۔ نہیں

س۔ ان تمام حقائق کے باوجود اسے ملزم یا گواہ بنانے کی ضرورت کیوں محسوس نہیں کی؟

ج۔ اس کی وجہ بتا چکا ہوں کہ وہ مجھے ملی ہی نہیں۔

س۔ آپ نے اسے اشتہاری قرار کیوں نہیں دیا؟

ج۔ وہ مجھے ملی ہی نہیں تو اشتہاری کیسے قرار دیتا؟

س۔ باقی ملزم مل گئے تھے؟

ج۔ نہیں۔

MashalBooks.com

س۔انہیں کس طرح اشتہاری قرار دے دیا گیا؟ (قہقہہ)

اب ایک اور کردار کی بات آتی ہے۔عدالت میں امریکہ کی تفتیشی ایجنسی ایف بی آئی کا ایجنٹ جان ملیکن گواہ کے طور پیش ہوا۔اس کے پاس ڈینیل پرل کو قتل کئے جانے کے واقعہ کی کیسٹ تھی۔میں نے اس پر جرح کی۔

س۔آپ کے پاس یہ کیسٹ کیسے آئی؟

ج۔مجھے میرے سورس (ذریعے) نے دی۔

س۔یہ سورس کون تھا' مرد یا عورت؟

ج۔مرد تھا۔

س۔کہاں ملا تھا؟

ج۔شیرٹن ہوٹل میں۔

س۔اسے کیوں نہ پکڑا گیا؟ آپ نے اہم شہادت گم کر دی ہے۔

ج۔میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

ان سوال و جواب اور رائے بشیر کی شہادتوں سے یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ عمر شیخ کے مقدمے میں بہت سے شواہد کو نظر انداز کیا گیا اور یہ مقدمہ ایک خاص انداز میں چلایا گیا تاہم وکیل صفائی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ عمر شیخ ڈینیل پرل کے اغواء اور قتل میں ملوث نہیں تھا۔

احمد عمر شیخ کے بارے میں بعض تفتیش کا یہ دعوی بھی کرتے ہیں کہ 11 ستمبر کے بعد اس نے پاکستان میں کالعدم جماعتوں کے انتہا پسندوں کو اکھٹا کیا اور امریکی اہداف پر حملوں کے منصوبے بنائے۔اہم ذرائع کے مطابق پاکستان میں فدائی حملوں کا آئیڈیا عمر شیخ نے پیش کیا تھا۔عمر شیخ کا اپنا نام بھی فدائی حملوں کے لئے بننے والی لسٹ میں شامل تھا لیکن گرفتاری کے باعث وہ شامل نہ ہو سکا۔انٹیلی جنس اطلاعات کے مطابق عمر شیخ اور اس کے ساتھی فدائی حملوں میں مہارت رکھتے ہیں اور عمر شیخ کے مقدمے کو کراچی سے حیدر آباد جیل بھی اسی لئے منتقل کیا گیا کیونکہ ایسی اطلاعات تھی کہ عمر شیخ کے ساتھی فدائی حملے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔انٹیلی جنس ذرائع اس بارے میں عمر شیخ کے اس بیان کا حوالہ بھی دیتے ہیں جو اس نے سزائے موت کا فیصلہ سنائے جانے کے بعد عدالت کے باہر دیا تھا کہ ''دیکھتے ہیں میں پہلے مرتا ہوں یا مشرف.....؟

MashalBooks.com

عمر شیخ کے یہ بیان دینے کے بعد جنرل پرویز مشرف اور شوکت عزیز خودکش حملوں نے عمر شیخ کے دعوے کی تصدیق کر دی کہ اس کے ساتھی اندرونی اور بیرونی امداد سے پاکستان کی اعلیٰ قیادت کو نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ جنرل مشرف پر حملوں کے سلسلے میں عمر شیخ سے بھی تفتیش کی گئی لیکن سکیورٹی ادارے اس بارے میں کچھ بھی بتانے سے انکاری ہیں۔

MashalBooks.com

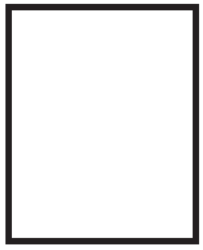

# سیف اللہ پراچہ

5جولائی2003ء-------

کراچی کے انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگائے چھوٹی داڑھی والا ایک شخص تھائی ایئرویز کی پرواز سے بنکاک جانے کیلئے تیار کھڑا تھا۔ان کی اہلیہ اسے ایئرپورٹ چھوڑ گئی تھی' ۔یہ اس کا معمول کا کاروباری دورہ تھا۔کراچی سے امریکہ اور بنکاک تک پھیلے وسیع و عریض کاروبار کی دیکھ بھال اور نئے معاہدے کرنے کیلئے اکثر ان ملکوں کا دورہ کرنا پڑتا تھا۔ ایئرپورٹ پر اس نے بورڈنگ کارڈ حاصل کیا اور پھر اپنی فیملی کو آگاہ کر دیا۔ان کی اہلیہ اور باقی فیملی ممبرز مطمئن ہوگئے۔اگلا رابطہ اسے بنکاک پہنچ کر کرنا تھا اور اپنی خیریت کی اطلاع دینی تھی' تاہم اسکی نوبت نہیں آئی۔بنکاک پہنچنے پر اسے ایئرپورٹ سے ہی حراست میں لے لیا گیا۔

بنکاک پہنچنے کے مقررہ وقت کے بعد کافی دیر گزرنے تک بھی اس کی فیملی کو خیریت سے اس کے بنکاک پہنچنے کی اطلاع نہ ملی تو انہیں تشویش ہوئی۔فوری طور پر رابطہ کر کے اس کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا۔بنکاک میں اس جگہ سے بھی پتہ کیا گیا جہاں اسے پہنچنا تھا لیکن وہاں سے یہی جواب ملا کہ وہ یہاں نہیں پہنچا۔

بنکاک ایئر پورٹ سے حراست میں لئے جانیوالے اس شخص کا نام سیف اللہ پراچہ تھا۔

MashalBooks.com

کراچی کے کاروباری حلقوں میں وہ خاصہ جانا اور پہچانا ہے' لیکن اسے کیوں حراست میں لیا گیا اس بارے میں اطلاعات کچھ عرصہ بعد سامنے آئیں۔ تاہم اس سے پہلے یہ بتا دیا جائے کہ سیف اللہ پراچہ کی گرفتاری ایسے ہی عمل میں نہیں آ گئی بلکہ اسے امریکی حکام اور خفیہ ایجنسیاں کافی عرصہ سے مانیٹر کر رہی تھیں۔ اس کی تمام مصروفیات اور نقل وحرکت انٹیلی جنس ایجنسیوں کی نظروں میں تھی۔ ایف بی آئی کو شک تھا کہ اس فیملی کا اسامہ بن لادن اور خالد شیخ سے رابطہ رہا ہے اور افغانستان میں بعض پراجیکٹس کے حوالے سے وہ بہت سرگرم رہے ہیں' تاہم یہ اطلاعات اسے حراست میں لئے جانے کیلئے کافی نہیں تھیں۔ اسے حراست میں لیکر القاعدہ' اسامہ بن لادن اور خالد شیخ سے روابط کی تفتیش کی وجہ اس کی سرگرمیاں اور بعض ای میل پیغامات بنے۔

سیف اللہ پراچہ پر تفتیش کے بعد نہایت سنگین الزامات عائد کئے گئے' تاہم ان الزامات اور القاعدہ' اسامہ بن لادن سے روابط سے پہلے یہ بتا دیا جائے کہ سیف اللہ پراچہ امریکن گرین کارڈ ہولڈر بھی ہے اور اس نے اپنا بہت سا وقت امریکہ میں گزارا ہے۔

سیف اللہ پراچہ پاکستان میں پیدا ہوا۔ اعلیٰ تعلیم اس نے امریکہ میں حاصل کی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس نے ایکسپورٹ کا بزنس شروع کیا۔

5 جولائی 2003ء کو بنکاک روانگی کا مقصد اپنے امریکی بزنس پارٹنر سے ملاقات کرنا تھا' تاہم وہ بنکاک نہیں پہنچا اور پراسرار طور پر غائب ہو گیا۔ ان کے غائب ہونے سے پراچہ فیملی کو بہت سی تکلیفیں اٹھانا پڑیں۔ 23 اگست 2003ء کو فرحت پراچہ کو ریڈ کراس کے ذریعے پتہ چلا کہ سیف اللہ پراچہ کو افغانستان کے بگرام ایئربیس میں رکھا گیا اور اس پر دہشت گردی کے الزامات عائد کئے جا رہے ہیں۔ یہ حقیقت سامنے آنے کے بعد اس کی فیملی نے مختلف سطح پر رہائی کیلئے کوششیں شروع کیں جو ناکام رہیں۔ پراچہ فیملی کیلئے یہ دوسرا بڑا صدمہ تھا۔ پہلا صدمہ اس وقت لگا تھا جب مارچ 2003ء میں سیف اللہ پراچہ کے بیٹے عزیر پراچہ کو اُس وقت گرفتار کیا گیا جب وہ امریکہ کے تجارتی دورے پر تھا۔

خاوند اور بیٹے کی گرفتاری فرحت پراچہ کیلئے بہت سی مشکلات لیکر آئی تاہم انہوں نے ایک طرف تو اپنے پیاروں کی رہائی کی کوششیں جاری رکھیں تو دوسری طرف پاکستان میں اس وسیع کاروبار کو بھی سنبھالا جو امریکہ تک پھیلا ہوا ہے۔ پراچہ فیملی کے بہت سے افراد امریکہ میں بھی

MashalBooks.com

MashalBooks.com

MashalBooks.com

رہائش پذیر ہیں اور انہوں نے وہاں بھی عزیر پراچہ اور سیف اللہ پراچہ کی رہائی کیلئے کوششیں شروع کر رکھی ہیں۔ ان کے دو بھائی امریکہ میں مقیم ہیں۔

پراچہ فیملی کے ان دونوں باپ بیٹوں پر لگائے جانیوالے الزامات اور ان کی تفصیلات اس لئے بڑی دلچسپ ہیں کہ ان کا نام 11 ستمبر کے بعد دہشت گردی اور القاعدہ کے حوالے سے کبھی منظر عام پر نہیں آیا۔ سیف اللہ پراچہ اور عزیر پراچہ کا نام پہلی بار اس وقت سامنے آیا جب پراچہ فیملی نے دونوں کی رہائی کیلئے کوششیں شروع کیں اور پراچہ فیملی کے ارکان نے پریس کانفرنسز سے خطاب کر کے یہ دہائی دی کہ امریکی ایجنسیاں پاکستانی شہریوں کو دن دھاڑے اٹھا کر لیجا رہی ہیں، لیکن حکومت پاکستان بے بس ہو چکی ہے اور اس میں اتنا دم خم بھی نہیں کہ وہ امریکہ سے اس پر احتجاج کر سکے۔

عزیر پراچہ کو والد سیف اللہ پراچہ سے پہلے گرفتار کیا گیا۔ عزیر پراچہ کی عمر صرف 23 سال ہے اور کاروبار میں اپنے والد کا ساتھ دینے کی بدولت اکثر اوقات اسے امریکہ اور دیگر ممالک کے دورے کرنا پڑتے تھے۔ عزیر پراچہ کو مڈ ٹاؤن مین ہیٹن سے گرفتار کیا گیا جہاں امریکی حکام کے مطابق وہ پراپرٹی کا کاروبار شروع کرنا چاہتا تھا۔ عزیر پراچہ سفری ویزہ پر امریکہ آیا اور وہ بروکلین میں اپنے کزن کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔ عزیر نے 2002ء میں انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن کراچی سے ایم بی اے کی ڈگری حاصل کی اور اسکے بعد وہ اپنے والد کے ساتھ کاروبار میں مصروف ہو گیا۔

عزیر پراچہ کے بارے میں اگست 2003ء میں امریکی اٹارنی انتھونی ریکو اور ایڈورڈ ولفورڈ نے بتایا کہ عزیر پراچہ کو القاعدہ کے دہشت گردوں سے روابط کی بناء پر حراست میں لیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں اطلاع نائن الیون واقعات کے ماسٹر مائنڈ خالد شیخ محمد نے دورانِ تفتیش دی تھی۔ ڈیفنس اٹارنی کے مطابق عزیر پراچہ نے القاعدہ کے جنگجوؤں کو امریکہ داخل ہونے میں مدد دی اور وہ القاعدہ جنگجوؤں کی طرف سے کیمیائی ہتھیاروں کی خریداری میں اُن کے ساتھ شامل تھا۔ اٹارنی ریکو نے مزید کہا کہ عزیر پراچہ نے افغانستان کے کیمپوں میں تربیت حاصل نہیں کی۔ امریکی تفتیش کاروں نے عزیر پراچہ سے بہت سی معلومات حاصل کیں، تاہم امریکی حکام کے پاس ایسے شواہد موجود نہیں جو اسے دہشت گرد یا دہشت گردوں کا قریبی ساتھی ثابت

MashalBooks.com

کر سکیں۔

عزیر پراچہ کے والد سیف اللہ پراچہ کو بیٹے کی گرفتاری کے تین ماہ بعد 5 جولائی 2003ء کو حراست میں لیا گیا۔ سیف اللہ پراچہ کو امریکی فورسز کی تحویل میں دیا گیا جنہوں نے فوری طور پر انہیں افغانستان کے بگرام ایئربیس منتقل کر دیا۔ یہاں اس سے ایک سال تک تفتیش کی گئی اور پھر ستمبر 2004ء میں کیوبا کے امریکی قید خانے گوانٹاناموبے میں منتقل کر دیا گیا۔

پراچہ فیملی کو سیف اللہ پراچہ کی گوانٹاناموبے میں موجودگی کا پتہ اس وقت چلا جب ریڈ کراس کمیٹی نے سیف اللہ پراچہ کی اہلیہ فرحت پراچہ سے رابطہ کیا اور انہیں بتایا کہ ان کے شوہر کو ''دشمن'' قرار دیکر گوانٹاناموبے میں رکھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں امریکی وزارتِ دفاع سے رابطہ کیا تو انہوں نے سیف اللہ پراچہ کی گرفتاری سے لاعلمی ظاہر کی۔ پراچہ فیملی کے مطابق ایک امریکی وکیل نے اس سلسلے میں امریکی عدالت میں کیس دائر کر دیا۔ اس طرح سیف اللہ پراچہ بھی گوانٹاموبے کے ان 74 قیدیوں کی فہرست میں شامل ہو گئے جنہوں نے گوانٹاناموبے میں اپنی قید کیخلاف عدالتوں میں کیس دائر کر رکھے ہیں۔ امریکی عدالت میں سیف اللہ پراچہ کے وکیل نے یہ مؤقف اپنایا کہ سیف اللہ پراچہ ایک بزنس مین ہیں۔ دونوں باپ بیٹوں (سیف اللہ پراچہ، عزیر پراچہ) کی گرفتاری کے دورانئے میں فرق ہے اور ان کیخلاف الزامات کے کوئی ٹھوس ثبوت بھی موجود نہیں ہیں۔ وکلاء نے عدالت میں یہ مؤقف اپنایا کہ سیف اللہ پراچہ کی طرف سے جوہری ہتھیاروں کے بارے میں بات چیت بڑی عام ہے اور اسے کوئی بھی سائنس سے دلچسپی رکھنے والا آدمی جانتا ہے۔

امریکی عدالت میں کیس دائر ہونے کے بعد فرحت پراچہ نے شوہر اور بیٹے کی ''گمشدگی'' کیخلاف ہائیکورٹ میں آئینی درخواست دائر کی۔ فرحت پراچہ کی طرف سے ہائیکورٹ میں پہلی درخواست خواجہ نوید احمد ایڈووکیٹ نے دائر کی جو بعد میں انہوں نے واپس لے لی۔ بعدازاں نثار اے مجاہد ایڈووکیٹ کی طرف سے ایک ترمیم شدہ آئینی درخواست سندھ ہائیکورٹ میں دائر کی گئی جس میں تھائی ایئرویز اور سرکاری حکام کو فریق بنایا گیا۔ 4 اگست 2003ء کو رٹ پٹیشن دائر کرتے ہی فرحت پراچہ نے اپنے وکیل نثار اے مجاہد کے ہمراہ پریس کانفرنس کرتے ہوئے یہ الزام لگایا کہ ''سیف اللہ پراچہ کا اغواء حکومتِ پاکستان اور غیر ملکی ایجنسیوں کی ملی بھگت سے

ہوا ہے۔ میرے شوہر کا طالبان سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ انہوں نے افغانستان کی صنعتی ترقی کیلئے افغانستان کے دورے کئے تھے' خود حکومت نے 11 ستمبر کے بعد ''یوٹرن'' لیا۔ پاکستان کے معزز شہریوں کو آئے دن غیر ملکی ایجنسیوں کے حوالے کیا جا رہا ہے اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی جارہی ہے۔ بیٹے کو ایف بی آئی نے اپنی حراست میں لے لیا ہے۔''

فرحت پراچہ کی پریس کانفرنس کے بعد 6 اگست 2003ء کو امریکی وکیل کے حوالے سے یہ خبر دنیا بھر کے میڈیا میں آئی کہ عزیر پراچہ کو گرفتار کیا گیا ہے۔ اس اعتراف کے کچھ ہی عرصہ بعد امریکی ذرائع نے انکشاف کیا کہ عزیر پراچہ کے والد سیف اللہ پراچہ بھی ایف بی آئی کی تحویل میں ہیں۔ فرحت پراچہ نے اس پر اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ ان کے شوہر اور بیٹے کا کسی دہشت گرد تنظیم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سیف اللہ پراچہ دین دار اور محبّ وطن پاکستانی ہیں' ان کا ماضی اور حال بالکل بے داغ ہے۔ وہ 14 سال امریکہ میں رہے اور وہاں ان کیخلاف کبھی کوئی الزام عائد نہیں کیا گیا۔ ان کے بیٹے عزیر پراچہ کا گارمنٹس کے بزنس سے کوئی تعلق نہیں۔ دسمبر 2002ء میں کراچی سے ایم بی اے کرنے کے بعد سیف اللہ پراچہ کے ایک کنسٹرکشن پراجیکٹ کی مارکیٹنگ کیلئے فروری 2003ء میں امریکہ گیا جس کے ایک ماہ بعد اسے بغیر کسی الزام کے ایف بی آئی نے گرفتار کرلیا۔ فرحت پراچہ کے مطابق سیف اللہ پراچہ کو امریکی حکومت نے گرفتار نہیں بلکہ اغواء کیا ہے جو خود ایک جرم ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ غیر ملکی ذرائع ابلاغ میں میرے شوہر اور بیٹے کیخلاف جھوٹے اور بے بنیاد الزامات لگائے گئے' جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ فرحت پراچہ نے صدر پاکستان اور وزیراعظم پاکستان سے اپیل کی کہ وہ اپنے باعزت شہری کے اغواء کا نوٹس لیتے ہوئے انہیں بازیاب کرائیں۔

یہ تمام باتیں سامنے آنے کے بعد پراچہ فیملی کیلئے صورتحال واضح ہوگئی کہ سیف اللہ پراچہ اور عزیر پراچہ کہاں ہیں؟ اور ان پر لگائے جانے والے الزامات کی نوعیت کیا ہے؟ دونوں باپ بیٹوں پر جو الزامات لگائے گئے اُن کا سرا کسی نہ کسی طرح خالد شیخ سے جا ملتا تھا۔ غیر ملکی تفتیش کاروں کے مطابق دونوں باپ بیٹے پاکستان کے القاعدہ کے ٹاپ لیڈرز سے ملے جن میں خالد شیخ بھی شامل ہے۔

سیف اللہ پراچہ پر یہ الزام بھی عائد کیا گیا کہ انہوں نے القاعدہ کے جنگجوؤں کو اس بات

MashalBooks.com

پر راضی کیا کہ امریکی فوجی دستوں کیخلاف جوہری ہتھیار استعمال کئے جائیں۔ اسکے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ جوہری ہتھیار کہاں سے اور کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ دیگر الزامات میں یہ بھی بتایا گیا کہ سیف اللہ پراچہ نے دومرتبہ اسامہ بن لادن سے ملاقات کی اور ان سے امریکہ اور اسکے اتحادی ممالک کیخلاف کیمیائی اور دھماکہ خیز مواد استعمال کرنے پر تبادلہ خیال کیا۔ سیف اللہ پراچہ نے اپنے خلاف تحقیقات کرنے والے ٹربیونل کو بھی بتایا کہ انہوں نے 1999ء میں اسامہ بن لادن سے جو ملاقات کی تھی اُس میں ان سے ایک ٹی وی منصوبے کے بارے میں تبادلہ خیال کیا تھا۔2000ء میں دوسری ملاقات ایک تجارتی وفد کے ہمراہ ہوئی تھی جس نے افغانستان کا دورہ کیا تھا۔

سیف اللہ پراچہ کیخلاف امریکی الزامات پر مبنی ایک دستاویز واشنگٹن کی ڈسٹرکٹ عدالت میں بھی پیش کی گئی۔ اس دستاویز میں انہیں القاعدہ کیلئے امریکہ میں ایٹمی ہتھیاروں کی سمگلنگ کی کوشش میں ملوث قرار دیا گیا جس میں بہت بھاری رقوم کا لین دین بھی شامل تھا۔ اس دستاویز میں سمگلنگ کے مبیّنہ منصوبہ کے بارے میں مزید تفصیلات بھی درج کی گئیں۔

امریکی تفتیش کاروں کے مطابق سیف اللہ پراچہ نے القاعدہ ارکان پر زور دیا کہ وہ امریکی فوجیوں پر حملوں کیلئے ایٹمی ہتھیار حاصل کریں۔ تفتیش کاروں کے مطابق پراچہ کو اس بات کا علم ہے کہ ہتھیار کہاں سے اور کیسے حاصل کئے جا سکتے ہیں؟

سیف اللہ پراچہ نے تفتیش کاروں کے سامنے القاعدہ سے اپنے روابط کی سختی سے تردید کی۔ سیف اللہ پراچہ نے کہا کہ ایٹمی ہتھیار کسی دوکان کے شیلف میں رکھی چیز نہیں جسے خریدا جا سکے۔ کیا آپ برطانوی وزیراعظم سے ایٹمی ہتھیار خرید سکتے ہیں؟ سیف اللہ پراچہ کے وکیل کا اس بارے میں کہنا یہ تھا کہ ان کے موکل نے کسی موقع پر ایٹمی ہتھیاروں کے بارے میں کوئی بات نہیں کی ہے جو باتیں انہوں نے کیں وہ عام قسم کی باتیں ہیں جو عام لوگ کرتے ہیں اور امریکی عوام اس قسم کی باتیں گزشتہ 60 سال سے سن رہے ہیں۔

سیف اللہ پراچہ کے بیٹے عزیر پراچہ کا کیس مین ہیٹن کی وفاقی عدالت میں پیش کیا گیا۔ عدالت میں امریکی تحقیقاتی ادارے ایف بی آئی کے سپیشل ایجنٹ جے ایم ملر نے بتایا کہ فروری 2003ء میں عزیر پراچہ نے کراچی میں اپنے دفتر میں القاعدہ کے رکن سے ملاقات کی اور اس

MashalBooks.com

ملاقات میں ایسی دستاویزات تیار کرنے پر رضامندی ظاہر کی جو القاعدہ ارکان کے امریکہ داخلے میں مدد کر سکتی تھیں۔ پراچہ نے اسکی امریکی امیگریشن حکام سے میٹنگ کروانے کی بھی حامی بھری۔ میٹنگ میں پراچہ نے القاعدہ کے رکن کو کہا کہ وہ ہمارے کاروبار میں 2 لاکھ ڈالر انویسٹ کریں۔ ایف بی آئی کی طرف سے داخل کردہ بیان میں مزید کہا گیا کہ پراچہ کو یقین تھا کہ رقم القاعدہ کی ہے۔ پراچہ فروری 2003ء میں مین ہیٹن اپنے آفس واپس آ گیا اور اس دوران اُنہیں القاعدہ کے ممبران کی طرف سے فون کالز موصول ہوئیں جن میں ان سے امریکہ میں داخل ہونے کیلئے تیار کروائے جانے والے کاغذات کے بارے میں پوچھا گیا۔

مارچ 2003ء میں نیویارک کی جوائنٹ ٹیررازم ٹاسک فورس کے ممبران نے پراچہ سے انٹرویو کیا۔ اس انٹرویو میں پراچہ نے تسلیم کیا کہ بہت سے شواہد ایسے تھے جس سے القاعدہ ممبران کی شناخت ہوتی تھی۔ اس معاملے کی جب بعدازاں تفتیش کی گئی تو پتہ چلا کہ میری لینڈ کے ایک ڈرائیور کا لائسنس القاعدہ ممبر کے نام پر تھا۔ پراچہ نے بتایا کہ ایک پوسٹ بکس بھی القاعدہ ممبرز نے کرائے پر لے رکھا تھا۔ سیف اللہ پراچہ اور عزیر پراچہ کے حوالے سے یہ بات بڑی اہم ہے کہ اُن کیخلاف الزامات اتنی دیر سے کیوں لگائے گئے؟

فرحت پراچہ کے مطابق سیف اللہ پراچہ بزنس مین تھے جو اسامہ بن لادن سے دو بار ملے' وہ افغانستان میں لوگوں کے روزگار کیلئے فیکٹریاں لگانے کی غرض سے گئے تھے۔ انہیں پکڑ کر کابل لیجایا گیا اور پھر کیوبا کے جزیرے پہنچا دیا گیا۔ سیف اللہ پراچہ کے مطابق انہوں نے اسامہ سے دو ملاقاتیں کی تھیں۔

سیف اللہ پراچہ کی اہلیہ فرحت پراچہ نے بتایا کہ میرے خاوند اور بیٹے پر لگائے جانے والے الزامات مکمل طور پر جھوٹ ہیں' جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ سیف اللہ پراچہ کا کیس ایک امریکی وکیل جے ٹی ہنٹ لڑ رہے ہیں۔ کچھ ہیومن رائٹس کے لوگ متحرک ہیں اور وہ یہ سب کچھ اعزازی طور پر کر رہے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ امریکہ میں رہتے ہیں اس لئے ان سے رابطہ امریکی حکومت کے تھرو ہی ہوتا ہے۔ فرحت پراچہ نے بتایا کہ سیف اللہ کا گوانٹانا موبے سے 5 ماہ پہلے خط آیا تھا' بعد میں دو بہت چھوٹے پوسٹ کارڈ آئے جن میں صرف خیریت کی اطلاع تھی اور دوست احباب کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ فرحت پراچہ نے مزید بتایا کہ میرے بیٹے

MashalBooks.com

عزیر پر پہلے چار جز لگائے گئے اور بعد میں انہیں واپس لے لیا گیا۔ تو اس کا کیا مطلب ہوا؟ یہ سب جھوٹے الزامات ہیں۔ اس سوال پر کہ یہ الزامات صرف انہی پر کیوں لگائے گئے؟ فرحت پراچہ نے کہا کہ کاش میں سمجھ سکتی کہ ان پر یہ الزامات کیوں لگائے گئے ہیں؟ فرحت پراچہ کے مطابق امریکی وکیل نے ہمیں بتایا ہے کہ اگر حکومت پاکستان ان کی رہائی میں دلچسپی لے تو بہتر رسپانس مل سکتا ہے۔ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ آسٹریلیا اور برطانیہ نے اپنے قیدیوں کی رہائی میں دلچسپی لی اور وہ اس میں کامیاب ہوئے۔ اس سلسلے میں ہم نے حکومتِ پاکستان سے ہر سطح پر رابطہ کیا۔ وزارتِ داخلہ اور صدر کے سامنے بھی مسئلہ پیش کیا۔ مظاہرے کئے لیکن ہمیں اس سلسلے میں کوئی رسپانس نہیں ملا۔ حکومت نے ہماری کوئی مدد نہیں کی۔ فرحت پراچہ نے بتایا کہ عزیر کے کیس کی سماعت اب ستمبر 2005ء میں ہوگی۔ کورٹ نے اسے یہ اجازت دی ہے کہ وہ فون پر بات کر سکتا ہے لیکن اس میں گیپ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ چار ماہ کے بعد فون پر بات ہوئی۔ فروری 2005ء میں بھی اس سے بات ہوئی ہے لیکن اس بات چیت میں صرف خیریت کی اطلاع ہی دی جا سکتی ہے۔ یہ بات چیت انگریزی میں ہوتی ہے اور دونوں طرف سے ٹیپ کی جاتی ہے۔

MashalBooks.com

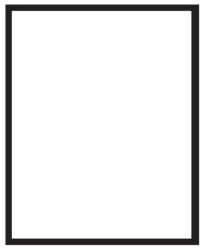

# امجد فاروقی

پنجاب کے ایک ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کی تحصیل کمالیہ سے ایک سڑک چک نمبر687/27 گ ب کی طرف جاتی ہے۔ کچے مکان' جگہ جگہ گندگی کے ڈھیر' کھلے پانی کے جوہڑ اور دھول اڑاتی ٹوٹی پھوٹی سڑکوں سے یہ ایک انتہائی پسماندہ علاقہ لگتا ہے۔ یہاں کے لوگوں کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی ہے' جدید زندگی کی کوئی بھی سہولت یہاں موجود نہیں۔ اس گاؤں کے باسیوں کے لئے یہ سب کچھ معمول کا حصہ ہے۔ اس گاؤں میں ایک گھر منظور احمد کا ہے جس کی عمر اس وقت 70 سال کے قریب ہے۔ گھر کے دیگر افراد میں سربراہ منظور احمد اُس کی بیوی' تین بیٹے جاوید اقبال' عامر فاروقی اور فدا فاروقی ہیں۔ جاوید اقبال شادی شدہ ہے۔ منظور احمد کا چوتھا بیٹا امجد ہے۔ اس خاندان کی روزی ان 25 ایکڑ زمین سے وابستہ ہے جو محمد افضل کے نام ہے۔ گاؤں میں بسنے والے دوسرے غریب گھرانوں کی طرح یہ گھرانہ بھی دال روٹی پر ہی گزارا کر رہا ہے۔ محمد افضل کے گھر جاوید اقبال کے بعد جب دوسرا بیٹا پیدا ہوا تو اس کا نام امجد رکھا گیا۔ اس گھرانے نے بھی امجد کے بارے میں بہت سے حسین خواب دیکھے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ اسے بڑا ہو کر فوج کا اعلیٰ افسر بنایا جائے گا' لیکن یہ خواب دیکھنے والے نہیں جانتے تھے کہ وہ ان کی امیدوں کو خاک میں ملا کر اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کے باعث ایک مطلوب ترین دہشت گرد بن

MashalBooks.com

جائے گا۔ اس کی گرفتاری پر دو کروڑ کا انعام مقرر ہوگا اور بالآخر ایک دن وہ عبرتناک موت مارا جائے گا۔

محمد افضل اور اس کے باقی خاندان نے یہ قطعاً نہیں سوچا تھا کہ بنیادی سہولتوں سے محروم ایک پسماندہ علاقہ میں پل کر جوان ہونے والے امجد کو دنیا بھر میں امریکی صحافی ڈینیل پرل کے قتل اور صدر جنرل پرویز مشرف پر قاتلانہ حملے کرنے کے حوالے سے جانا جائے گا؟ یہ سب کچھ تقدیر کا لکھا تھا وگرنہ اس کے خاندان نے تو اسے ایک بڑا آدمی بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ جس گھرانے سے اس کا تعلق تھا وہ ایک تہجد گزار اور دینی و تبلیغی گھرانہ ہے۔ کیا ایک دینی، تبلیغی گھرانے کا شرمیلا اور بزدل سا لڑکا انتہائی گھناؤنے نوعیت کے سنگین جرائم کر سکتا ہے؟ امجد فاروقی اس راستے پر کیسے چل نکلا؟ اِن تمام سوالات کے جوابات اور اس کا ماضی کھنگالنے سے پہلے امجد فاروقی پر لگائے گئے وہ الزامات دیکھتے ہیں جو اس پر عائد کئے گئے ہیں۔

☆ جنوری 2002ء میں امریکی قونصلیٹ پر حملہ کیا۔

☆ فروری 2002ء میں جیکب آباد ایئرپورٹ کو نشانہ بنانے کی کوشش کی۔

☆ 17 مارچ 2002ء کو اسلام آباد چرچ پر حملہ کیا۔

☆ مئی 2002ء میں بہاولپور میں چرچ پر حملہ کیا۔

☆ 2002ء میں امریکی صحافی ڈینئل پرل کو قتل کیا۔

☆ دسمبر 2003ء میں صدر جنرل پرویز مشرف پر دو قاتلانہ حملے کئے۔

فرقہ وارانہ نوعیت کی سنگین وارداتوں میں ملوث نعیم بخاری، آصف رمزی، اکرم لاہوری اور ریاض بسرا کے اس قریبی ساتھی امجد فاروقی کے القاعدہ کے کئی اہم رہنماؤں سے بھی قریبی روابط تھے اور وہ انہی کے کہنے پر سنگین نوعیت کی وارداتیں کرتا رہا۔

اس حکومتی چارج شیٹ کے تناظر میں اگر امجد فاروقی کے ماضی کا جائزہ لیا جائے تو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ ایک کمزور، شرمیلا اور محلے کے چھوٹے چھوٹے بچوں سے مار کھا کر گھر آ جانے والا بچہ کس طرح اتنا بڑا دہشت گرد بن سکتا ہے؟ وہ کس طرح تبدیل ہوا؟ کن ہاتھوں میں استعمال ہوا؟ کن لوگوں نے اس کی تربیت کی؟ اور پھر وہ کس طرح امجد سے کام لیتے رہے؟

آیئے امجد فاروقی کے ماضی کو کھنگالتے ہیں۔

MashalBooks.com

امجد فاروقی کا خاندان قیامِ پاکستان کے وقت مشرقی پنجاب کے ضلع ہوشیار پور سے ہجرت کر کے کمالیہ کے گاؤں 687/27 گ ب میں آ بسا۔ امجد فاروقی کو اس کے چچا محمد شریف نے پالا جو بعد میں اس کا سسر بھی بنا۔ ایف اے تک تعلیم کے بعد امجد کو بی اے کرنے کے لئے اس لئے کالج میں داخل کرا دیا گیا کیونکہ اس کے گھر والے چاہتے تھے کہ وہ فوجی افسر بنے لیکن اس کے گھر والے جہاں اسے فوجی افسر بنانے کا سوچ رہے تھے وہاں امجد فاروقی کا حال یہ تھا کہ ایک دن وہ روتا ہوا گھر آیا اور اپنی والدہ مائی بے بے کو بتایا کہ اسے گلی کے لڑکوں نے مارا ہے۔ مائی بے بے بتاتی ہیں کہ امجد انتہائی شرمیلا اور بزدل لڑکا تھا اور اس دن کے بعد اُس نے گھر سے نکلنا بھی کم کر دیا۔

گوجرہ کالج میں داخلے کے دوران امجد فاروقی کے والد منظور احمد مالی مشکلات کے باوجود کاشتکاری کر کے اس کے تعلیمی اخراجات پورے کرتے رہے تاہم اس کا مستقبل بہتر بنانے کی خواہش نے پورے خاندان کو پریشانی اور ناگہانی آفات میں مبتلا رکھا۔ کالج میں تعلیم کے دوران ہی اس کی ملاقاتیں ایسے لوگوں سے ہوئیں جنہوں نے اس کی زندگی کے دھارے کو بدل کر رکھ دیا۔ امجد کی سوچ اور خیالات میں تبدیلی اسی دوران پیدا ہوئی۔ امجد فاروقی اس دوران غائب ہو گیا۔ اس نے کالج چھوڑ دیا۔ اس کے گھر والوں کو بھی پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں گیا۔ کافی عرصہ غائب رہنے کے بعد جب وہ واپس آیا تو بالکل ہی بدلا ہوا تھا۔ گاؤں کے لوگوں سے ڈرنے والا اب جہاد کی باتیں کرتا تھا۔ وہ اپنے بھائیوں سے بھی کہتا کہ آپ لوگ بھی جہاد کے لئے میرے ساتھ چلیں۔ ایک بار اس کے والد نے اسے تبلیغی جماعت کے ماٹو سے آگاہ کرتے ہوئے نصیحت کی کہ ہم دنیا میں اللہ تعالیٰ اور محمد عربیؐ کے نظام کو پیار و محبت اور اخلاق سے پھیلا سکتے ہیں' تاہم امجد نے اپنے باپ کی بات نہ مانی اور اپنا راستہ خود منتخب کر لیا۔

اس نے اس دوران جہادی جماعت حرکت الانصار میں شمولیت اختیار کر لی اور اپنی ''مجاہدانہ'' زندگی کا آغاز کیا۔ ''حرکت الانصار'' پر پابندی کے نتیجے میں بعدازاں اُسے دہشت گرد تنظیم قرار دے دیا گیا۔ 1980ء کے عشرے میں امجد فاروقی ٹوبہ ٹیک سنگھ' فیصل آباد' سمندری' کمالیہ اور ملتان کے علاقوں کا دورہ کر کے چندہ اکٹھا کرتا اور ''حرکت الانصار'' کے خزانے میں جمع کرا دیتا۔ 1986ء میں وہ افغانستان جہاد کے لئے چلا گیا۔ اس کے بعد جب

MashalBooks.com

اس کی واقفیت کا دائرہ پھیلا تو وہ متعدد بار افغانستان گیا۔ بعدازاں باخبر ذرائع کے مطابق اپنی جہادی جماعت کی طرف سے اس نے مقبوضہ کشمیر کے بھی متعدد دورے کئے۔

افغانستان میں اس نے مختلف تربیتی کیمپوں میں ٹریننگ حاصل کی اور بالاخر ایک دن وہ خود بھی کمانڈر بن گیا۔ اسے یہ موقع ایک جہادی کمانڈر کی ہلاکت کے بعد ملا۔ اس دوران وہ گھر بھی آتا جاتا رہا' تاہم یہ دورانیہ کئی کئی ماہ پر مشتمل ہوتا تھا۔ کئی ماہ بعد وہ جب کبھی گھر آتا تو ایک دو روز کے بعد ہی چلا جاتا۔ کبھی وہ اکیلا ہوتا اور کبھی اس کے ساتھ دوست ہوتے۔ امجد کے والد اُس کی ان سرگرمیوں سے سخت ناخوش تھے۔ جب کبھی وہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتے تو وہ انہیں قرآن پاک کی جہادی آیات سنا کر خاموش کرا دیتا۔ اس کی ان حرکتوں سے تنگ آ کر والدین نے اُسے سمجھایا اور چچا کی بیٹی سے اس کی شادی کر دی۔ والدین نے اسے یہ بھی کہا کہ تمہاری ہمشیرہ کی شادی اسی وقت ہوگی جب تم ملازمت کر کے پیسے کماؤ گے۔ والدین کی یہ بات مانتے ہوئے امجد فاروقی نے ملتان میں زرعی ادویات بنانے والی ایک کمپنی میں ملازمت کر لی۔ لیکن یہاں اس کا دل نہ لگا اور وہ بہت جلد ملازمت کو خیرباد کہہ کر دوبارہ افغانستان چلا گیا۔ امجد فاروقی کے بھائی کے مطابق جانے سے پہلے ایک دن اُس نے اپنی بیوی کے زیورات لے لئے اور یہ کہتے ہوئے چلا گیا کہ وہ انہیں جہاد کے لئے خرچ کرے گا۔

امجد فاروقی کے بارے میں انٹیلی جنس ایجنسیاں یہ دعویٰ بھی کرتی ہیں کہ وہ ''حرکت الانصار'' کے ساتھ ساتھ ''لشکرِ جھنگوی'' سے بھی وابستہ رہا۔ اس پر یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ اس نے لشکر جھنگوی کے کمانڈر شکیل احمد عرف مصطفیٰ کے حکم سے جنوبی پنجاب کے متعدد چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبوں میں فرقہ وارانہ حملے کئے۔ لشکر جھنگوی کا کمانڈر شکیل احمد عرف مصطفیٰ فورٹ عباس ضلع بہاولنگر کا رہائشی تھا۔ اس نے مبینہ طور پر اپنے مخالف فرقے کے اتنے افراد قتل کئے کہ حکومت نے اس کے سر کی قیمت 13 لاکھ روپے مقرر کی۔ کہا جاتا ہے کہ شکیل احمد عرف مصطفیٰ کی ایک پولیس مقابلے میں ہلاکت کے بعد امجد فاروقی نے اس گروہ کی قیادت سنبھال لی۔ یہیں سے اُس کے دبدبے میں اضافہ ہوا اور وہ کھل کر وارداتیں کرنے لگا۔

امجد فاروقی کا نام پہلی بار امریکی صحافی ڈینیل پرل کے قتل کے سلسلے میں سامنے آیا۔ اس سنگین واردات میں ملوث کئی لوگ پہلے سے گرفتار ہیں لیکن امجد فاروقی طویل عرصہ تک

MashalBooks.com

MashalBooks.com

MashalBooks.com

ایجنسیوں کو تگنی کا ناچ نچاتا رہا۔ ڈینیئل پرل کے قتل کا الزام امجد فاروقی پر لگایا گیا' اس کے بعد پولیس اور سیکورٹی اہلکاروں نے گاؤں میں اس کے مکان پر چھاپہ مارا مگر چھاپے سے ایک روز قبل ہی امجد فاروقی گاؤں چھوڑ چکا تھا۔ پولیس نے روایتی حربوں کے طور پر اس کے خاندان کے متعدد افراد کو گرفتار کر لیا اور ایک ماہ تک تفتیش کرتے رہے۔ ڈیڑھ سال بعد پھر امجد کے سسرالی گاؤں چک نمبر 478 گ ب سمندری سے محمد اخلاق' محمد حنیف' مظہر' اخلاق احمد' عطار معظم اور چند خواتین کو گرفتار کیا گیا لیکن امجد کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ خواتین کو چند روز بعد اور مردوں کو ایک ماہ کی تفتیش کے بعد رہا کیا گیا۔ امجد فاروقی کے رشتہ دار اور سسرالی خاندان روز روز کی ان کی گرفتاریوں سے تنگ آ گئے۔

جنرل مشرف پر حملوں کے بعد اُس کا نام ایک بار پھر سامنے آنے سے اس خاندان پر مشکلات کا ایک اور دور شروع ہوا جب اس کی گرفتاری کے لئے وسیع پیمانے پر کارروائیاں شروع ہوئیں۔ اس وقت امجد فاروقی کا خاندان اور سسرالی رشتہ دار اتنے خوفزدہ رہتے کہ جیسے ہی گاؤں میں کوئی گاڑی دیکھتے تو انہیں یقین ہو جاتا کہ ہمیں ہی ''لے جانے'' آئے ہیں۔ امجد کی ضعیف والدہ ہر روز نمازِ تہجد میں دعا کرتیں کہ اللہ تعالیٰ امجد فاروقی کو ہدایت دے اور مجھے میری زندگی میں ملوا دے۔ مجھ سے اس کی بیٹی دیکھی نہیں جاتی لیکن ان کی یہ دعا قبول نہ ہو سکی۔ امجد فاروقی کو آخری بار انہوں نے جنرل مشرف پر حملوں سے قبل جنوری 2002ء میں دیکھا تھا جب وہ گھر آیا تھا۔ آخری بار دیکھنے کے بعد سارا خاندان پریشانی اور اذیت ناک لمحات سے گزرا۔ ڈینیئل پرل کے قتل سے لے کر جنرل مشرف پر حملوں تک کے تمام واقعات کا علم اس خاندان کو اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے ہوا۔ اس دوران امجد فاروقی کو پتہ چل چکا تھا کہ خفیہ ادارے اور ایف بی آئی اس کا پیچھا کر رہی ہے اس لئے اس نے اپنے گاؤں میں آنا ترک کر دیا۔ بعدازاں ڈینیل پرل کے قتل اور جنرل مشرف پر حملوں کے سلسلے میں اس کا نام بار بار لیا جانے لگا تو وہ مکمل طور پر روپوش ہو گیا۔

امجد فاروقی کو انٹیلی جنس کے حلقوں میں انتہائی ذہین اور چالاک تصور کیا جاتا تھا۔ اس کی ذہانت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے قریبی ساتھی بھی اس کے اصلی نام سے آشنا نہیں تھے۔ جو لوگ صدر جنرل پرویز مشرف پر قاتلانہ حملوں کے الزام میں گرفتار ہیں

MashalBooks.com

وہ سب امجد فاروقی کو ''ڈاکٹر'' کے کوڈ نام سے یاد کرتے ہیں۔ جن لوگوں کو ڈینیل پرل کیس میں گرفتار کیا گیا ہے وہ سب اُسے امتیاز فاروقی کے نام سے جانتے ہیں۔ دسمبر 2000ء میں بھارتی ایئر لائنز کا مسافر بردار طیارہ اغوا کرنے والے اسے منصور حسین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اُسے کئی ناموں سے پکارا جاتا ہے جو یہ ہیں۔ ابوذر غفاری' حیدر علی' منصور ثانی' حسین الکریم وغیرہ۔

انٹیلی جنس ذرائع بتاتے ہیں کہ امجد فاروقی پر الزامات کی فہرست بہت طویل ہے لیکن تمام الزامات کے باوجود وہ گزشتہ چند برسوں کے دوران ایک چھلاوہ بنا رہا اور انٹیلی جنس ایجنسیاں اسے گرفتار کرنے میں ناکام رہیں۔ ذرائع کے مطابق انٹیلی جنس ایجنسیوں نے امجد فاروقی کی گرفتاری کیلئے صرف 11 جنوری سے 25 ستمبر 2004ء تک 50 سے زائد مقامات پر چھاپے مارے لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کو کس طرح مات دیتا رہا۔ ذرائع اُس کے بارے میں یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ اس نے ملک کی اہم شخصیات کو متعدد بار نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ کراچی کے کور کمانڈر احسن سلیم حیات پر قاتلانہ حملہ بھی فاروقی کی ہی کوشش تھی۔

26 ستمبر 2004ء کو مخبر کی اطلاع پر سندھ کے شہر نواب شاہ کی غلام حیدر شاہ کالونی میں کالعدم ''جیشِ محمد'' کے ریجنل آپریشنل کمانڈر کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تو محاصرہ کرنے والوں کے پاس یہ پکی اطلاعات تھیں کہ یہاں امجد فاروقی موجود ہے۔ بعض عینی شاہدین کے مطابق امجد فاروقی نے اپنے بازو فضا میں بلند کیے اور کہا ''میں نے اپنے اللہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا۔ میں موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہوں۔ اس کے بعد امجد فاروقی کو ایک برسٹ لگا۔ بے پناہ فائرنگ' گولیوں' گرد اور دھوئیں کا طوفان تھمنے کے بعد پتہ چلا کہ امجد فاروقی ہلاک ہو گیا ہے۔ گولیاں اُس کے دل' دماغ اور ٹانگوں میں لگی تھیں۔ امجد فاروقی کی لاش کو پیپلز میڈیکل کالج ہسپتال لایا گیا اور پھر پوسٹ مارٹم کے بعد اسے کراچی روانہ کر دیا گیا۔

امجد فاروقی کی موت کے بعد انٹیلی جنس نے سکھ کا سانس لیا کیونکہ اس کے زندہ ہوتے ہوئے مزید اہم شخصیات پر حملوں کا خطرہ تھا لیکن یہاں ایک اور دعویٰ بھی بڑا اہم ہے جو بعض ذرائع امجد فاروقی کے حوالے سے کرتے ہیں۔ اِن ذرائع کا تعلق انٹیلی جنس اور جہادی حلقوں

MashalBooks.com

سے ہے۔ان ذرائع کے مطابق امجد فاروقی پہلے سے ہی زیرحراست تھا اور اسے اس لئے جعلی پولیس مقابلے میں ہلاک کیا گیا تا کہ صدر جنرل پرویز مشرف پر ہونے والے قاتلانہ حملوں کی فائل بند کی جائے اور فوجی افسران سے اس کے روابط ظاہر نہ ہوسکیں۔ان ذرائع کے مطابق امجد فاروقی کو جون یا جولائی 2004ء میں گرفتار کیا گیا۔یہ ذرائع امجد کی گرفتاری کے حوالے سے یہ دلیل دیتے ہیں کہ ٹیکسلا میں چرچ پر حملے کے الزام میں رحیم یار خان سے گرفتار اُسامہ نذیر کے بیان سے بھی امجد فاروقی کی گرفتاری کا تاثر ابھرتا ہے جسے دورانِ تفتیش یہ تاثر دیا گیا کہ اس کا نام تفتیش کاروں کو امجد فاروقی سے ملا ہے۔اسامہ نذیر سے تفتیش میں سارا زور اس کے امجد فاروقی سے مبینہ تعلقات پر ہی دیا گیا۔جہادی ذرائع کے مطابق امجد فاروقی کا نام انتہائی مطلوب افراد کی فہرست میں ڈالنے اور اسے زیادہ شہرت دینے کا اصل مقصد صدر جنرل پرویز مشرف پر ہونے والے قاتلانہ حملے اس کے کھاتے میں ڈال کر فائل کو بند کرنا تھا تا کہ اس کے فوجی افسران سے تعلقات کے حوالے سے اٹھنے والے سوالات کا منہ بند ہو جائے۔ذرائع دعویٰ کرتے ہیں کہ امجد فاروقی کو آخری بار کراچی کے علاقے قائدآباد کے طارق ہوٹل میں اس روز دیکھا گیا تھا جس روز معروف عالم دین مفتی نظام الدین شامزئی کو دن دیہاڑے شہید کر دیا گیا۔ان ذرائع کے مطابق ریاض بسرا کے بعد امجد فاروقی دوسرا بڑا نام ہے جسے حراست میں لینے کے بعد مقابلے میں ہلاک کیا گیا۔ریاض بسرا کو بھی قندھار سے واپسی پر چمن بارڈر سے پاکستانی فورسز نے حراست میں لیا تھا اور بعدازاں اس کی ہلاکت ایک مقابلے کے دوران ظاہر کی گئی تھی۔

امجد فاروقی اب اگلے جہان پہنچ چکا ہے تاہم اس کی موت اپنے پیچھے کئی سوالیہ نشانات چھوڑ گئی ہے۔امجد فاروقی کی موت سے بہت سی معلومات بھی دفن ہوگئی ہیں؛ جن کی بنیاد پر یہ پتہ چلایا جا سکتا تھا کہ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے امجد فاروقی اور اس کے ساتھیوں کو جنرل پرویز مشرف پر حملوں کے لئے تیار کیا؟

MashalBooks.com

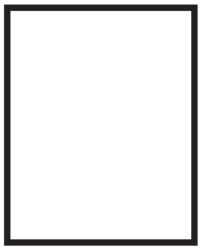

# اسامہ نذیر

نام : نذیر احمد عرف عادل، اسامہ

ولدیت : شاہ محمد

قوم: جوئیہ

سکنہ : موضع درووگراں چک فیصل آباد تھانہ خیر پور ٹامیوالی ضلع بہاولپور

انعام : 10 لاکھ روپے

حکومت کی طرف سے دہشت گردی کے متعدد واقعات میں ملوث مطلوب ترین افراد کی فہرست میں نذیر احمد کے بارے میں یہ معلومات بظاہر کوئی اتنی خاص اہمیت نہیں رکھتیں کہ امریکہ حکومت پاکستان سے یہ درخواست کرے کہ یہ دہشت گرد اس کے حوالے کیا جائے لیکن اگر امریکہ اس شخص میں اتنی دلچسپ رکھتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ضرور کوئی خاص بات ہے جو امریکہ کو اس بات پر مجبور کر رہی ہے کہ وہ فوراً اسے اپنی تحویل میں لیکر چھپالے۔

آخر محض 10 لاکھ روپے انعام کی قیمت والے پہلے مطلوب اور اب گرفتار ہونے والے اس شخص میں ایسی کون سی خاص بات ہے؟ اس سوال کا جواب امریکی اور پاکستان انٹیلی جنس

MashalBooks.com

اداروں کے پاس موجود ہے۔2002ء سے 2004ء تک انٹیلی جنس اداروں کو اپنے پیچھے لگا کر گھمانے والے نذیر احمد کی پہچان کا یہ حوالہ نہیں بلکہ اس کی پہچان کا حوالہ اسامہ نذیر ہے۔ اسامہ نذیر اسلام آباد چرچ' مری کے کرسچین سکول اور ٹیکسلا کے کرسچین ہسپتال پر حملوں اور غیر ملکیوں کو نشانہ بنانے کے اقدامات کی بدولت سیکورٹی اداروں کے لیے ایک جانا پہچانا نام ہے۔ نذیر احمد کا ہی دوسرا نام اسامہ نذیر ہے۔

نومبر 2004ء میں جب فیصل آباد کے ایک مدرسے سے اسامہ نذیر کی گرفتاری کا اعلان کیا گیا تو اس کے فوراً بعد امریکہ کی طرف سے یہ مطالبہ بھی سامنے آیا کہ اسامہ نذیر کو اس کے حوالے کیا جائے۔امریکہ کی طرف سے اسامہ کو اس کے حوالے کرنے کے مطالبے کا پس منظر یہ تھا کہ اسامہ نذیر کے امریکی اہداف پر حملوں میں ایک خاتون سفارتکار سمیت بہت سے امریکی بھی مارے گئے تھے۔اس لیے امریکہ اسے اپنی تحویل میں لیکر امریکیوں کے قتل کے الزام میں اپنے ''طور طریقوں'' سے سزا دینا چاہتا تھا۔اس کے علاوہ بھی اسامہ نذیر کی اہمیت کی بہت سی وجوہات تھیں۔ پاکستان انٹیلی جنس کے لیے وہ جہادی جماعتوں' طالبان' ملا عمر اور اسامہ بن لادن سے تعلقات کے باعث بڑا اہم تھا۔اسے کالعدم جہادی جماعت جیش محمد کا اہم رہنما تصور کیا جاتا تھا اور کہا جاتا ہے کہ مرکزی قیادت میں اس کا دوسرا نمبر تھا۔

اسامہ نذیر پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے۔

☆ 17 مارچ 2002ء کو پروٹسٹنٹ چرچ اسلام آباد پر حملہ کیا۔ اس حملے میں امریکی خاتون سفارتکار اور اس کی بیٹی ہلاک جبکہ دس امریکیوں سمیت 40 افراد زخمی ہوئے۔

☆ 5۔اگست 2002ء کو کرسچین سکول مری پر حملہ کیا جس میں 6 کرسچین ہلاک ہو گئے۔

☆ 9۔اگست 2002ء کو کرسچین ہاسپٹل ٹیکسلا پر حملہ کیا۔

دہشت گردی کے ان واقعات کے نتیجے میں گرفتار ہونے والے افراد سے تفتیش اور موقع واردات سے ملنے والے شواہد کی روشنی میں اسامہ نذیر کا نام سامنے آیا۔سیکورٹی اداروں کو تفتیش کے بعد یہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ چونکہ ان واقعات کی کڑیاں اسامہ نذیر سے بھی ملتی ہیں اس لیے وہ کسی نہ کسی طرح دہشت گردی کے ان واقعات میں ملوث ہے۔حملوں کی منصوبہ بندی

MashalBooks.com

سے لیکر انہیں عملی جامہ پہنانے تک اسامہ نذیر نے فعال کردار ادا کیا۔ اس کے دیگر ساتھیوں میں سیف الرحمان عرف سیفی' ریحان بابر' محمد ایاز عرف وقار احمد' محمد اظہار عرف محمد کاشف' محمد آصف عرف رضا بابو' عبدالقدیر عرف جاوید اقبال اور محمد عطا اللہ عرف حسن شامل ہیں۔ ان سب نے اسلام آباد چرچ' کرسچین سکول مری اور کرسچین ہاسپٹل ٹیکسلا پر حملوں میں اہم کردار ادا کیا۔ اسامہ نذیر کے ان ساتھیوں میں سب کو گرفتار کیا جا چکا ہے جبکہ بعض ساتھی اٹک کا سرفراز اسلام آباد چرچ' مظفر گڑھ کا رانا بابر' مانسہرہ کا قاری زرین اور گوجرانوالہ کا نواز گجر کرسچین سکول مری پر ہونے والے حملے میں مارے گئے۔ ایک اور ساتھی راولپنڈی کا کامران بٹ ٹیکسلا حملے میں مارا گیا۔

اسامہ نذیر کا تعلق موضع درودگراں چک فیصل آباد تھانہ خیر پور ٹامیوالی ضلع بہاولپور سے ہے۔ اسامہ کا اصل نام نذیر احمد اور عرفیت عادل ہے تاہم اسے اسامہ بھی کہا جاتا ہے۔ 11 ستمبر کے بعد اسامہ بن لادن کی روپوشی کے بعد اس نے اپنے نام کے ساتھ اسامہ مستقل طور پر لگا لیا اور یوں وہ اسامہ نذیر بن گیا۔

اسامہ نذیر نے ملتان اور فیصل آباد کے مدارس میں تعلیم حاصل کی اور اپنے دیگر ساتھیوں کی طرح جہادی تنظیموں سے اس کے رابطے بھی دوران تعلیم ہی ہوئے۔ اسامہ اور اس کے دیگر ساتھیوں کی جہادی تنظیموں سے متاثر ہو کر شمولیت کی کہانی ملتی جلتی ہے۔ جس طرح اس کے ایک ساتھی عتیق الرحمان عرف عبداللہ نے طالبان تحریک سے متاثر ہو کر اس میں شمولیت اختیار کی اس طرح اسامہ بھی طالبان کے نظریہ جہاد سے متاثر ہو کر طالبان تحریک میں شامل ہو گیا۔ طالبان کے جہادی نظریات سے متاثر ہونے کے بعد اس کا دل دینی تعلیم سے اچاٹ ہو گیا اور کچھ کر گزرنے کا جذبہ اس میں متحرک ہو گیا' چنانچہ اسامہ نے تعلیم ادھوری چھوڑی اور اپنے جہادی ساتھیوں کے ساتھ افغانستان چلا گیا۔ اس وقت افغانستان پر طالبان کے اقتدار کا سورج جگمگا رہا تھا اور پاکستان سے سینکڑوں نوجوان افغانستان پہنچ رہے تھے۔ افغانستان دنیا بھر کی جہادی تنظیموں کا بیس کیمپ بن چکا تھا اور یہاں دنیا بھر میں برسر پیکار مسلم تنظیموں اور گروپوں کے مجاہدین بکثرت پائے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اسامہ نذیر کو پہلے قندھار بھجوایا گیا اور پھر اسے ہر طرح سے چیک کرنے کے بعد ٹریننگ کیمپ بھجوا دیا گیا۔ باخبر ذرائع کے مطابق اسامہ

MashalBooks.com

MashalBooks.com

نذیر نے اپنی شخصیت' نظریات اور چرب زبانی کی بدولت جلد ہی بہت سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ یہیں اس کی ملاقاتیں بہت سے ایسے پاکستانیوں سے بھی ہوئیں جو بعد میں کسی نہ کسی حوالے سے اپنی سرگرمیوں کے باعث مشہور ہوئے۔ ان میں امجد فاروقی سے لیکر نوید الحسن تک سب شامل ہیں جو بعد میں جنرل پرویز مشرف اور امریکی قونصل خانے پر حملوں میں ملوث پائے گئے۔

اسامہ نذیر نے افغانستان کے ٹریننگ کیمپوں میں اے کے 47 رائفل سے لیکر بھاری ہتھیاروں تک کے استعمال کی تربیت حاصل کی۔ اس تربیت میں راکٹ لانچر کا استعمال بھی شامل تھا۔ غیر مصدقہ ذرائع کے مطابق طالبان نے اسامہ کو شمالی اتحاد کے خلاف جنگ میں بھی استعمال کیا اور وہ احمد شاہ مسعود کی فوجوں کے خلاف طالبان کی طرف سے اگلے مورچوں میں لڑتا رہا۔

افغانستان پر امریکی حملے کے بعد طالبان کے اقتدار کا سورج غروب ہوا تو اسامہ نذیر بھی پاکستان آ گیا۔ یہاں یہ سوال غور طلب ہے کہ افغانستان پر حملے کے بعد وہاں سے آنے والے تمام پاکستانیوں سے انٹیلی جنس ایجنسیوں نے تفتیش کی تھی۔ اسامہ نذیر بھی ان میں شامل تھا جس سے باقاعدہ تفتیش ہوئی۔ اس حوالے سے اہم بات یہ ہے کہ بہت سے ایسے افراد جنہیں انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اپنی تفتیش میں کلیئر کر دیا تھا وہی افراد بعد میں ملک میں ہونے والے دہشت گردی کے سنگین واقعات میں ملوث پائے گئے۔ امجد فاروقی' عرفان احمد' نوید الحسن اور اسامہ نذیر اس کی بڑی مثالیں ہیں۔ امجد فاروقی جنرل پرویز مشرف پر حملوں میں ملوث تھا جبکہ عرفان احمد وہ خودکش بمبار تھا جس نے جنرل مشرف کے اسکواڈ سے اپنی گاڑی ٹکرائی اور پھر بعد میں اس کا کٹا ہوا سر جائے حادثہ سے کچھ دور پڑا ہوا ملا۔ عرفان احمد بھی افغانستان سے آیا تھا اور انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اسے اپنی تفتیش میں کلیئر کر دیا تھا۔ اسی طرح ایک اور بڑی مثال نوید الحسن کی ہے۔ نوید الحسن کراچی کے امریکی قونصل خانے پر حملے میں ملوث ہے۔ نوید الحسن اور اسامہ نذیر کا بھی آپس میں گہرا تعلق بتایا جاتا ہے۔ نوید الحسن بھی امجد فاروقی' عرفان احمد اور اسامہ نذیر کی طرح افغانستان پر امریکی حملے کے بعد پاکستان آ گیا تھا اور انٹیلی جنس نے اسے بھی اپنی تفتیش میں کلیئر قرار دے کر رہا کر دیا تھا۔

MashalBooks.com

اہم ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق اسامہ نذیر بعد ازاں روپوش ہوگیا تاہم در پردہ وہ اپنے تمام ساتھیوں سے رابطے میں رہا۔ کہا جاتا ہے کہ اسامہ اس دوران جیش محمد میں شامل ہوگیا۔ جیش محمد کے لیے اس نے بے پناہ کام کیا اور ایک جذبے کے تحت جماعت کے لیے فنڈز اکٹھے کرتا رہا۔ اس دوران اس کے مولانا مسعود اظہر سے اختلافات ہوگئے۔ ان اختلافات کی وجہ یہ تھی کہ اسامہ نذیر نے جماعت کے فنڈز کے غلط استعمال پر اعتراض کیا تھا۔ اسامہ نے اس دوران جماعت کے کچھ اور لوگوں کو بھی اپنا ہمنوا بنالیا۔ یہ بات مسعود اظہر کو بری لگی اور کہا جاتا ہے کہ مسعود اظہر نے اسے سنگین نتائج کی دھمکیاں دیں۔

جنرل پرویز مشرف کی طرف سے امریکی دباؤ پر جہادی تنظیموں پر پابندی کے بعد ان تنظیموں سے وابستہ افراد نے امریکی اہداف پر حملوں کا پروگرام بنایا تو ذرائع کے مطابق اسامہ نذیر اور اس کے ساتیوں کو مختلف ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ اسامہ نذیر اور اس کے ساتھیوں نے بہت سے نئے لوگوں کو بھی خودکش حملوں کے لیے تیار کیا۔

ایک اہم ذرائع نے اسامہ نذیر کے بارے میں بتایا کہ اسامہ نذیر کے ملا عمر اور اسامہ بن لادن سے بھی قریبی تعلقات تھے۔ یہ تعلقات اس کے افغانستان میں قیام کے دوران ہی قائم ہوئے تھے۔ ان ذرائع کے مطابق اسامہ کی شادی طالبان کے اہم رہنما کی بیٹی سے ہوئی۔ افغانستان پر حملوں کے بعد جب وہ پاکستان آیا تو اس کی بیوی بھی پاکستان آئی اور اس سے اسامہ کی ایک بیٹی بھی ہے لیکن اب وہ کہاں ہے اس بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔ حتی کہ اسامہ کے والدین نے بھی اپنی بہو کی شکل نہیں دیکھی۔

باخبر ذرائع کے مطابق اسامہ نذیر سے گرفتاری کے بعد حساس اداروں کی ایک ٹیم نے تفتیش کی۔ اس ابتدائی تفتیش کے نتیجے میں انٹیلی جنس اداروں نے اس کے 5 مزید ساتھیوں کو گرفتار کیا۔ اسامہ کی نشاندہی پر انٹیلی جنس اداروں نے ملت پارک پکی ٹھٹھی سمن آباد لاہور میں ایک مکان پر چھاپہ مارا۔ چھاپہ مار ٹیم اپنے ساتھ ایک نقاب پوش کو بھی لائی تھی۔ اس نقاب پوش نے ایک مکان کی نشاندہی کی۔ چھاپے سے قبل اس نقاب پوش کو ایک کالے شیشے والی ویگن میں واپس بھجوا دیا گیا۔ سیکورٹی اداروں نے کمانڈو ایکشن کرتے ہوئے اس مکان سے 5 افراد کو گرفتار کیا جنہیں اپنی حراست میں لینے کے فوراً بعد چہروں پر نقاب چڑھا کر نامعلوم مقام پر پہنچا

MashalBooks.com

دیا گیا۔ ذرائع کے مطابق چھاپہ مار ٹیم کے ساتھ آنے والا اسامہ نذیر تھا جبکہ گرفتار ہونے والے اس کے قریبی ساتھی تھے جو اس کے ساتھ مری' اسلام آباد اور ٹیکسلا کے حملوں میں ملوث تھے تاہم ایک اور ذرائع کے مطابق وہ نقاب پوش نوید الحسن تھا جو کراچی کے امریکی سفارتخانے پر حملے میں ملوث تھا۔ نوید الحسن بھی اسامہ نذیر کا ایک قریبی ساتھی تھا اور اسے سندھ پولیس کی ایک ٹیم نے لاہور پولیس کی مدد سے واہگہ بارڈر سے گرفتار کیا تھا جہاں وہ کپڑا فروخت کرنے والے کے روپ میں گھوم رہا تھا۔ گرفتاری کے وقت اس کے پاس کسی قسم کا اسلحہ نہیں تھا اور وہ بڑے اطمینان سے گھوم رہا تھا۔ انٹیلی جنس ذرائع کے مطابق نوید الحسن کا تعلق حرکت المجاہدین العالمی سے تھا اور اس نے امریکی قونصل خانے کے علاوہ کراچی کے کلب روڈ پر نیوائیر نائٹ کے موقع پر بھی بم دھماکہ کیا تھا۔ حکومت نے نوید الحسن کے سر کی قیمت 10 لاکھ روپے مقرر کر رکھی تھی۔ نوید الحسن سے سی آئی ڈی پنجاب کی ایک ٹیم نے تفتیش کی۔ اس کے علاوہ ایک انٹیلی جنس ادارے نے بھی اس سے تفتیش کی۔ نوید الحسن نے دوران تفتیش امریکی قونصل خانے میں بم دھماکے سمیت کئی سنگین وارداتوں کا اعتراف کیا اور اہم انکشافات کئے۔ ذمہ دار ذرائع کے مطابق اسامہ نذیر اور نوید الحسن کی گرفتاری سے انٹیلی جنس ادارے دہشت گردی کے نیٹ ورک کو توڑنے کے قابل ہو گئے۔ ان دونوں مطلوب افراد کی گرفتاری حکومت کی طرف سے دہشت گرد قرار دی جانے والی تنظیموں اور ان سے وابستہ افراد کے لیے بھی ایک دھچکے سے کم نہیں۔

MashalBooks.com

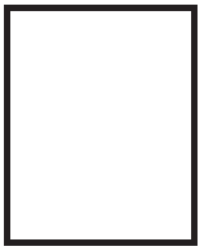

# آصف رمزی

19 دسمبر 2002ء بروز جمعرات.....

صبح کے 9 بج کر 30 منٹ ہوئے تھے۔ کراچی کے علاقہ کورنگی کے سیکٹر B-31 اللہ والا ٹاؤن کے مکان نمبر 937 میں چند دوست بیٹھے خوش گپیاں لڑا رہے تھے۔ وہ ساتھ ہی ساتھ کچھ کام بھی کر رہے تھے جو صرف وہی جانتے تھے کہ یہ کتنا خطرناک کام ہے۔ باہر کی زندگی معمول کے مطابق تھی۔ مکان کے اندر اور باہر کوئی نہیں جانتا تھا کہ کچھ ہی منٹوں میں یہاں کیا ہونے والا ہے۔

گھڑی کی سوئیوں نے جونہی 9 بج کر 35 منٹ بجائے۔ ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور چند سیکنڈ میں تین منزلہ عمارت زمین بوس ہوگئی۔ چیخوں کی آوازیں تو دھماکے میں دب گئی لیکن چار افراد کی لاشوں کے اعضاء دور دور تک پھیل گئے۔ دھماکے کی آواز سنتے ہی قریبی رہائشی افراد خوف کے مارے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے اور انہوں نے اپنے مکان بھی خالی کر دیئے۔ دھماکہ اتنا شدید تھا کہ 8 گاڑیاں مکمل طور پر تباہ ہوگئیں' آس پاس کی عمارتیں لرز اٹھیں اور ان

MashalBooks.com

کے شیشے ٹوٹ گئے۔ یہ سب کچھ چند سیکنڈوں میں ہوا۔ ایک عینی شاہد عرفان کے مطابق دھماکے کی آواز سن کر جب وہ اپنے گھر سے باہر نکلا تو جائے وقوعہ پر ایک مکان کے سامنے انسانی لاش کے اعضاء بکھرے پڑے تھے جبکہ دو لاشیں منسلکہ پلاٹ کے باہر پڑی تھیں۔

دھماکے کے فوراً بعد جب امدادی ٹیموں نے مکان کا ملبہ ہٹانا شروع کیا تو انسانی جسموں کے ٹکڑے بھی برآمد ہوئے۔ تفتیشی اداروں کو شواہد کی مدد سے یہ پتہ چلانے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ پرخچے اڑنے والے یہ جسم دھماکہ خیز مواد کے پھٹنے سے اس حال کو پہنچے اور جس انداز سے ملبے کے نیچے سے ان کی باقیات ملیں اس سے یہ اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں تھا کہ دھماکے کے وقت وہ سب قریب بیٹھے تھے اور دھماکہ خیز مواد پھٹنے سے ہی ان کی موت واقع ہوئی اور یہی دھماکہ اس مکان کے انہدام کا باعث بنا۔ اس وقت تک یہی اندازہ لگایا جا رہا تھا کہ مکان میں جو لوگ بھی موجود تھے وہ کوئی اچھا کام نہیں کر رہے تھے بلکہ باردو سے کھیل رہے تھے اور کسی ایک کی بے احتیاطی اس بڑے حادثے کا سبب بنی۔ یہ ایک عام سا ابتدائی اندازہ تھا لیکن جب ملبے کے نیچے سے پولیس کو اینٹی ٹینک رائفلز، راکٹ کے تباہ شدہ ٹکڑے اور 7 ایم ایم رائفلیں ملیں تو پوری تفتیش کا رخ بدل گیا۔ دو لاشوں کی شناخت ادریس، سرور اور اخلاق کے ناموں سے ہوئی جبکہ پولیس کو جائے وقوعہ سے ایک ڈرائیونگ لائسنس اور ایک شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی بھی ملی۔ ایک شناختی کارڈ پر نام بابر ولد محمد الیاس لکھا ہوا تھا لیکن پولیس اور انٹیلی جنس اداروں کے لیے حیران کن بات یہ تھی کہ وہ تصویر مختلف فرقہ وارانہ اور خودکش حملہ میں مطلوب آصف رمزی کی تھی جسے ایک ہائی پروفائل ٹیررسٹ ڈکلیئر کر کے اس کے سر کی قیمت 30 لاکھ روپے مقرر کی گئی تھی۔

آصف رمزی کا نام سامنے آتے ہی تفتیشی ادارے کے افسران کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی اور انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہاں دہشت گردوں کے لیے بم بنائے جاتے تھے جو بے احتیاطی کے باعث پھٹ گئے۔ اس مکان سے زنک نائیٹریٹ، امونیم نائیٹریٹ، میلنشیم ڈائی سلفیٹ اور میتھول نامی کیمیکلز کی بوریاں بھی ملیں جو ادویات اور آتش گیر مادہ بنانے کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں۔ پولیس کے دعویٰ کے مطابق مکان سے 150 سے 200 کے قریب بوریاں ملیں اور دلچسپ بات یہ تھی کہ اس واقعہ سے چند روز قبل امریکی سفارت کاروں پر خودکش حملے کی

منصوبہ بندی کی سازش کرنے والے ملزمان کے قبضے سے بھی ایسے ہی کیمیکلز برآمد ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ مکان کے ملبے سے ایک موٹر سائیکل جس کی ٹینکی میں دھماکہ خیز مواد بھرا ہوا تھا، بھی برآمد ہوئی۔ بم اسکواڈ کے ماہرین کے مطابق اس ٹینکی کو ڈیٹونیٹر اور موبائل فون پر کال کر کے بھی پھاڑا جا سکتا تھا۔

آصف رمزی کا تعلق لشکر جھنگوی سے تھا۔ کراچی کی جس کاٹھیاواڑی گجراتی قوم سے وہ تعلق رکھتا تھا اس کے بارے میں عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ وہ ایک بڑی امن پسند قوم ہے جو ہر قسم کے لڑائی جھگڑوں اور فساد سے دور رہتی ہے لیکن آصف رمزی ایک ایسے روپ میں سامنے آئے گا یہ کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ انٹیلی جنس اور پولیس اسے چھلاوہ کے نام سے یاد کرتی تھی اور حکومت نے اس کے سر کی قیمت 30 لاکھ روپے مقرر کر رکھی تھی۔

بعض اطلاعات کے مطابق مسلم یونائیٹڈ آرمی بھی آصف رمزی نے بنائی تھی اور اس کا مقصد اس وقت سامنے آیا جب سرکاری حکام کو 16۔ اکتوبر 2002ء کو ایک ای میل پیغام موصول ہوا جس میں آصف رمزی نے کہا تھا کہ تمام گروپوں نے مشترکہ طور پر مسلم یونائیٹڈ آرمی نامی گروپ قائم کیا ہے اور اس کا مقصد اسلام دشمن قوتوں کے خلاف جنگ کرنا ہے۔ اس ای میل میں یہ بھی کہا گیا کہ وہ مسلمان جو امریکہ میں قیام پذیر ہیں وہ فوری طور پر امریکہ چھوڑ دیں کیونکہ مسلم یونائیٹڈ آرمی امریکہ کے خلاف ایک بڑا جہاد شروع کرنے والی ہے۔ تاہم وقت نے آصف کو اتنی مہلت نہ دی اور ای میل بھیجنے کے دو ماہ بعد ہی وہ خود اپنے ہی ہاتھوں بم دھماکے کا نشانہ بن گیا۔

ایڈیشنل آئی جی کراچی کے مطابق ابتداء میں پولیس نے اس دھماکے کو حادثاتی دھماکہ سمجھا لیکن ملبہ ہٹاتے ہوئے جب 107 ایم ایم راکٹ کے ٹکڑے ملے تو پولیس نے معاملے کو کسی اور زاویہ نگاہ سے دیکھنا شروع کیا۔ جائے وقوعہ کے ابتدائی معائنے میں ایک پرس ملا جس میں 12 ہزار روپے، بعض رقعے اور ایک کاغذ میں لپٹی ہوئی موبائل فون کی سم تھی۔ جائے حادثہ سے صا یک شناختی کارڈ بھی ملا جس پر نام بابر سلطان لکھا تھا۔ دراصل اس شناختی کارڈ پر چسپاں تصویر سے ہی پولیس کو اس بات کا شبہ ہوا کہ ان میں سے کوئی ایک آصف رمزی ہو سکتا ہے اور پھر جب کاغذ میں لپٹی ہوئی موبائل فون کی سم کو چیک کیا گیا تو یہ وہی نمبر تھا جس فون نمبر سے

آصف رمزی کی طرف سے پولیس افسروں کو دھمکیاں دی جاتی تھیں۔ پولیس حکام کے مطابق موبائل فون کی سم جس انداز میں سنبھال کر رکھی گئی تھی اس سے یہ مطلب یہی نکلتا تھا کہ یہ سم صرف اور صرف دھمکیاں دینے یا ایسے ہی مقاصد کے لیے رکھی ہوئی تھی۔

پولیس نے اپنے طور پر آصف رمزی کے گھر والوں سے رابطہ کیا' اس کی والدہ اور اہلیہ کو ایدھی سینٹر لا کر لاشیں دکھائی لیکن انہوں نے چاروں لاشوں میں سے کسی کو بھی آصف رمزی کی حیثیت سے شناخت نہیں کیا۔ اس عرصے میں پولیس جائے وقوعہ سے ملنے والی سوزوکی کے اصل مالک عتیق احمد ولد رفیق احمد تک پہنچی۔ عتیق احمد نے پولیس کو بتایا کہ اس کی سوزوکی ایک دوست محمد ندیم عباس لے کر گیا تھا۔ عتیق احمد نے پولیس کو بتایا کہ ندیم عباس اکثر اس کی گاڑی لے جاتا تھا لیکن جب وہ گاڑی لے جاتا اور جس وقت کا کہتا اس وقت پر واپس آ جاتا تھا۔ عتیق احمد سے آخری بار وہ 18 دسمبر کی شب گاڑی لے گیا تھا۔ عتیق احمد کے اس بیان کی تفتیش کے دوران یہ انکشاف ہوا کہ گاڑی مانگ کر لے جانے والا محمد ندیم عباس محکمہ انسداد رشوت ستانی میں بطور سپاہی ملازم تھا۔ وہ کالعدم سپاہ صحابہ کے متحرک کارکنوں میں سے ایک تھا۔ اسی روز دھماکے میں مرنے والے چار میں سے ایک کی حتمی شناخت بعد میں محمد ندیم عباس کے طور پر ہوئی لیکن اس کے والد نے دو بیٹوں کو یتیم چھوڑ جانے والے بیٹے ندیم عباس کی لاش لینے سے انکار کر دیا۔ پولیس کی طرف سے آصف رمزی کے گھر والوں سے پھر رابطہ کیا گیا۔ انہوں نے ایک بار پھر ایدھی سینٹر آ کر لاشیں دیکھیں اور ایک لاش کو بطور آصف رمزی شناخت کر لیا۔ یہ بات ایک معمہ ہے کہ جن خواتین نے پہلے روز انہی لاشوں میں سے آصف رمزی کو شناخت نہیں کیا تھا صرف ایک روز کے بعد انہوں نے آصف رمزی کو کیوں اور کیسے شناخت کر لیا؟ بہرحال والدہ اور اہلیہ کی شناخت کے بعد آصف رمزی کی لاش ورثاء کے حوالے کر دی گئی جسے پاپوش نگر کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

دھماکے کے بعد آصف رمزی کی لاش کے ٹکڑوں کا ایف بی آئی کے ایجنٹوں نے جناح ہسپتال کراچی کے مردہ خانے میں معائنہ کیا۔ ایف بی آئی کی ٹیم نے دھماکہ والی جگہ کا بھی دورہ کیا۔ لاشوں کی تصاویر بنائیں اور پاکستانی تفتیش کاروں کو ہدایات دیں۔ اینٹی ٹیررسٹ ونگ کے بعض افسران کے مطابق آصف رمزی کی لاش کے قریب موجود اس کے پرس سے 9 پولیس

MashalBooks.com

افسران کے ناموں کی فہرست بھی ملی۔ دھماکے اور مکان تباہ ہونے کے بعد خفیہ اداروں نے چاولہ اسٹیٹ ایجنسی کے مالک عبداللہ کی تلاش شروع کی جس نے آصف رمزی اور اس کے ساتھیوں کو یہ مکان کرائے پر لیکر دیا تھا۔ خفیہ اداروں نے عبداللہ کے گھر اللہ والا ٹاؤن پر چھاپہ مارا تاہم وہ ہاتھ نہیں آیا۔ تفتیش کے نتیجے میں یہ انکشاف بھی ہوا کہ کرائے کے اس مکان کا ایگریمنٹ اخلاق احمد کے نام سے ہوا تھا اور وہ حیدر آباد کا رہنے والا ہے۔ دھماکے کے بعد وہ بھی روپوش ہوگیا۔ مکان کے اصل مالک کا نام خالد انیس تھا۔ اس نے تفتیش کاروں کو بتایا کہ اس نے یہ مکان چاولہ اسٹیٹ ایجنسی کو کرائے پر دینے کے لیے کہا تھا۔ جنہوں نے 15 ہزار روپے ایڈوانس اور 33 سو روپے ماہانہ کرائے پر چڑھایا تھا۔ تاہم مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ مکان کس پارٹی کو کرائے پر دیا گیا تھا۔

آصف رمزی کی تدفین کے بعد اگرچہ اس سے منسوب تمام واقعات بھی دفن ہوگئے لیکن بعض پہلو تشنہ ہی رہے۔

پولیس نے جب پہلی بار آصف رمزی کی والدہ اور اہلیہ کو اس کی لاش کی شناخت کے لیے بلایا تھا اور انہوں نے شناخت نہیں کی تھی تو پولیس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ مرنے والے چاروں افراد کا ڈی این اے ٹیسٹ کروا کے اصل صورتحال معلوم کی جائے گی۔ اس مقصد کیلئے آصف رمزی کی والدہ سے میچنگ کے لیے نمونہ بھی حاصل کرلیا گیا لیکن پھر اچانک ہی آصف رمزی کے اہل خانہ کی طرف سے شناخت سامنے آگئی۔

آصف رمزی کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے مبینہ طور پر کراچی میں جنرل پرویز مشرف کو ہلاک کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن اس کا یہ حملہ ناکام رہا۔ اس بات کی تصدیق ماہنامہ غازی کراچی (فروری 2003ء) کو دیئے گئے اس کی اہلیہ کے انٹرویو سے بھی ہوتی ہے جس میں اس نے کہا تھا۔

''یہ حملہ بھی آصف نے کیا تھا اور اس نے اس کا منصوبہ بنایا تھا لیکن عین وقت پر ریموٹ کنٹرول کے بٹن نے کام نہیں کیا۔ آصف کو اس بات کا بہت دکھ ہوا اور وہ غصے کی حالت میں تمتماتا رہا۔ افسوس جہاد کا سب سے بڑا دشمن بچ گیا۔''

MashalBooks.com

# فضل المصری

کراچی کی آبادی گلستان جوہر کے بلاک 18 میں واقع قاسم اپارٹمنٹ کو انٹیلی جنس اور سیکورٹی اداروں کے 60 کے قریب افراد نے جب گھیرے میں لیکر چوتھی منزل کے فلیٹ نمبر 528 پر دھاوا بولا تو انہیں وہاں بہت زیادہ مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ دو افراد نے فرار ہونے کی کوشش کی اور وہ عمارت کی چھت پر چڑھ گئے لیکن ان کا پیچھا کر کے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ فلیٹ سے دو مصری، تین افغانی اور دو خواتین کو حراست میں لیا گیا۔ یہ سب القاعدہ کے سینئر ارکان تھے اور گرفتاری کے فوراً بعد ان میں سے ایک شخص کو فضل محمد عبداللہ المصری کے طور پر شناخت کیا گیا جو دھماکہ خیز مواد اور طاقت ور بم بنانے کا ماہر ہے۔

القاعدہ کے ان تمام افراد کی گرفتاری ایف بی آئی کی طلاع پر عمل میں آئی تھی جبکہ بعض اطلاعات کے مطابق آپریشن کرنے والی پارٹی کے ہمراہ ایک شخص تھا جس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ القاعدہ کے ان افراد کو اسی شخص کی نشاندہی پر گرفتار کیا گیا۔

انٹیلی جنس ایجنسیوں کو فضل المصری کی تلاش بہت عرصے سے تھی کیونکہ وہ القاعدہ کا نہ

صرف سینئر ترین رکن تھا بلکہ اس کے بنائے ہوئے دھماکہ خیز مواد اور بموں نے پاکستان میں بہت تباہی مچائی تھی۔ بعض اطلاعات کے مطابق فضل المصری کی تلاش اس وقت سے جاری تھی جب مارچ 2004ء میں جنوبی وزیرستان میں القاعدہ کا اجلاس ہوا تھا اور اس میں بیرون ملک سے آنے والے شرکاء اجلاس میں فضل المصری نے بھی شرکت کی تھی۔ اس اجلاس میں شرکت کے لیے تمام لوگ امریکہ، برطانیہ اور دیگر ممالک سے آئے تھے اور اس میں امریکہ پر نئے حملوں کی منصوبہ بندی ہوئی تھی۔ اس اجلاس کا انکشاف القاعدہ کے گرفتار ہونے والے کمپیوٹر انجینئر محمد نعیم نور خان نے کیا تھا۔

محمد نعیم نور خان نے دوران تفتیش بتایا کہ مارچ 2004ء میں برطانیہ میں مقیم عیسیٰ الہندی، محمد بابر، عدنان الشکری اور القاعدہ کے لیے بم بنانے والے ایک ماہر نے شرکت کی تھی۔ اس اجلاس میں 11 ستمبر کی طرز پر دہشت گردی کی نئی کارروائیاں کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی۔ محمد نعیم نور خان کے اس انکشاف کے بعد انٹیلی جنس ادارے حرکت میں آ گئے۔ اس ملاقات میں شریک محمد بابر کو امریکہ پہنچنے کے تھوڑے دن بعد اپریل 2004 میں نیویارک کے علاقے کوئینز سے گرفتار کر لیا گیا۔ اس پر برطانیہ میں القاعدہ کے ممکنہ اہداف کو نشانہ بنانے کے لیے دھماکہ خیز مواد خریدنے کا الزام عاید کیا گیا جبکہ اجلاس میں شریک ایک اور رہنما عیسیٰ الہندی کو برطانیہ میں گرفتار کر لیا گیا۔ عیسیٰ الہندی پاکستان میں پکڑے جانے والے القاعدہ کے کمپیوٹر انجینئر محمد نعیم نور خان سے ای میل کے ذریعے رابطے میں تھا۔

نعیم خان کے کمپیوٹر سے ملنے والی معلومات کے مطابق القاعدہ ہیلی کاپٹروں کے ذریعے نیویارک اور واشنگٹن میں مختلف اہم عمارتوں کو نشانہ بنانا چاہتی تھیں۔ انہی معلومات کی بناء پر واشنگٹن اور نیویارک میں عالمی مالیاتی اداروں اور بنکوں کی عمارتوں پر حفاظتی انتظامات سخت کیے گئے۔

بعض ذرائع کے مطابق اجلاس میں شریک کرنے والا القاعدہ کا بم بنانے کا ماہر فضل المصری ہی تھا۔ اس بارے میں ذرائع یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ فضل المصری کے علاوہ القاعدہ میں بم بنانے کا کوئی اور ماہر نہیں تاہم کچھ ذرائع ایسے بھی ہیں جو اس کی تردید کرتے ہیں۔

دلچسپ بات یہ تھی کہ جس وقت القاعدہ کے اس اجلاس کی خبریں شائع ہوئیں تو آئی ایس

MashalBooks.com

پی آر کے ترجمان میجر جنرل شوکت سلطان نے اس کی تردید کی کہ مارچ2004ء میں القاعدہ کا کوئی اجلاس جنوبی وزیرستان میں نہیں ہوا۔ میجر جنرل شوکت سلطان کے مطابق القاعدہ کے ایک گرفتار رکن نے انکشاف کیا کہ کچھ لوگ ملاقات کے لیے آئے تھے لیکن یہ کہنا کہ جنوبی وزیرستان میں کوئی اجلاس ہوا جس میں مختلف لوگوں نے شرکت کی' درست نہیں ہے۔ میجر جنرل شوکت سلطان کے اس دعویٰ کے حوالے سے حیران کن بات یہ تھی کہ جنوبی وزیرستان میں القاعدہ کے اجلاس کی اطلاعات کا ماخذ صدر جنرل پرویز مشرف تھے۔

جنرل پرویز مشرف کے دعویٰ اور میجر جنرل شوکت سلطان کی تردید نے کئی سوالوں کو جنم دیا۔ اگر القاعدہ کے اجلاس کے حوالے سے جنرل پرویز مشرف کی بات کو درست مان لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وزیرستان میں پاک فوج کافی عرصہ سے القاعدہ کے جنگجوؤں کے خلاف کارروائی کر رہی تھی۔ قبائلی سردار بھی حکومت کی مٹھی میں تھے لیکن اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ علاقے میں القاعدہ کا اجلاس ہوا بلکہ اجلاس کے شرکاء واپس بھی چلے گئے، کسی کو خبر بھی نہ ہوئی اور پھر یہ اطلاعات ایک خاص موقع پر سامنے لائی گئیں۔

بعض غیر مصدقہ ذرائع کے مطابق فضل المصری مارچ2004ء کے القاعدہ اجلاس میں شرکت کے بعد کراچی منتقل ہو گیا تھا۔ کراچی منتقلی کے بعد فضل المصری کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ رابطے برقرار رہے۔ کہا جاتا ہے کہ فضل نے کچھ عرصہ قبائلی علاقوں میں بھی قیام کیا اور پھر رقم کے لالچ میں قبائلیوں نے ہی انہیں کراچی شفٹ کروا دیا۔ قاسم اپارٹمنٹ کے چوکیدار کے مطابق گرفتار ہونے والے تمام افراد اکتوبر2003ء سے رہائش پذیر تھے۔ یہ افراد جن میں 5 مرد اور دو خواتین شامل ہیں۔ اردگرد کے لوگوں سے میل جول نہیں رکھتے تھے اور الگ تھلگ رہتے تھے۔ یہ لوگ فارسی بولتے تھے۔ زبان کی ناواقفیت کی وجہ سے ان سے کسی قسم کی بات چیت نہیں ہوتی تھی۔ چوکیدار کے مطابق سب کی داڑھیاں بڑھی ہوئی تھیں اور وہ حلیئے سے افغانی معلوم ہوتے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ تین بچے بھی دیکھے جاتے تھے جن کی عمریں دو' چار اور پانچ سال کے لگ بھگ تھیں۔

گرفتاری کے وقت فضل المصری اور ان کے ساتھیوں سے 11 دستی بم' سات پستول' اہم دستاویزات اور حساس مقامات کے نقشے بھی برآمد ہوئے۔ یہ بات تو سامنے نہیں آئی کہ یہ لوگ

کوئی خفیہ منصوبہ بنا رہے تھے لیکن ذرائع کے مطابق یہ تمام لوگ اس کوشش میں ضرور تھے کہ کسی طرح پاکستان سے باہر چلے جائیں۔

فضل المصری مصر کو بھی مطلوب تھا اور گرفتاری کے فوراً بعد مصری حکومت کی طرف سے حکومت پاکستان سے رابطہ کر کے یہ مطالبہ کیا گیا کہ المصری کو اس کے حوالے کیا جائے تاہم پاکستان نے تفتیش سے قبل المصری کو حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ تمام افراد کی شناخت اور شہریت کی متعلقہ ممالک سے تفتیش کے بعد انہیں مطلوب ملکوں کے حوالے کر دیا گیا۔

MashalBooks.com

# رسمان گنوان

2003ء کو انڈونیشیا کے جزیرے بالی میں بموں کے دو طاقتور دھماکوں نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ ان بم دھماکوں کا ٹارگٹ مغربی سیاح تھے جو بالی میں چھٹیاں گزارنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ان بم دھماکوں میں 250 تقریباً افراد ہلاک ہوگئے تھے۔ اس بم دھماکہ کی ذمہ داری اگرچہ کسی نے قبول نہیں کی لیکن بعد ازاں اس کا ذمہ دار انڈونیشیا کی شدت پسند تنظیم جماعت اسلامیہ کو قرار دیا گیا۔ بالی بم دھماکوں کے چند ماہ بعد 20 ستمبر 2003ء کو انٹیلی جنس ایجنسیوں نے کراچی کے ایک مدرسے اور بعض دیگر مقامات پر چھاپے مار کر انڈونیشیا اور ملائشیا کے 13 طالب علموں کو حراست میں لیا جو بظاہر دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے پاکستان آئے تھے۔ بالی بم دھماکوں کا ان گرفتار طلبہ سے کیا تعلق تھا؟ یہی وہ سوال ہے جس کا جواب انٹیلی جنس ایجنسیوں کے اعلیٰ حکام اور اعلیٰ حکومتی ذمہ داروں کو ان 13 طلبہ کی گرفتاری کے بعد سمجھ میں آیا۔ ان 13 طلباء میں سے ایک کی شناخت رسمان گنوان کے نام سے ہوئی جو انڈونیشیا کا باشندہ تھا۔ وزارت داخلہ کے ادارہ کرائسسز اینڈ مینجمنٹ سیل کے سربراہ بریگیڈئر جاوید اقبال نے

MashalBooks.com

بھی رسمان گنوان کی گرفتاری کی تصدیق کی اوراس وقت کے وزیرداخلہ فیصل صالح حیات نے بھی کہا کہ رسمان گنوان کے پاس سٹوڈنٹ ویزہ تھا لیکن پاکستان میں اس کی سرگرمیاں قانون کے منافی تھیں۔

رسمان گنوان انڈونیشیا میں قائم شدت پسند تنظیم جماعت اسلامیہ کے جنگجو لیڈر حنبلی کا بھائی تھا جس پر بالی میں بم دھماکے کر کے مغربی سیاحوں اور مقامی افراد کو ہلاک کرنے کا الزام تھا۔ حنبلی کو تھائی لینڈ سے گرفتار کیا گیا تھا۔ حنبلی کو ایشیا میں اسامہ بن لادن کا قریبی ساتھی خیال کیا جاتا تھا اور گرفتاری کے بعد اس نے بالی دھماکوں کا اعتراف کر کے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ رہائی کے بعد بھی وہ مغربی اہداف اور دشمنوں کو اسی طرح ہلاک کرے گا۔ حنبلی کو تو امریکی و برطانوی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے گرفتار کرلیا لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسمان گنوان کیسے پکڑا گیا؟ اس کی اطلاع انٹیلی جنس ایجنسیوں کو کس نے دی؟ بعض ذرائع کے مطابق یہ سارا آپریشن ایف بی ائی اے کی اطلاع پر کیا گیا۔ دو ماہ قبل انڈونیشیا میں القاعدہ کے گرفتار ہونے والے عمر فاروق نامی کویتی رکن نے تحقیقات کے دوران ایف بی آئی کو کراچی میں اپنے ساتھیوں سے متعلق معلومات دی تھیں جس پر ابف بی آئی نے پاکستان ایجنسیوں کی مدد سے آپریشن کیا۔ عمر فاروق اتنا اہم شخص تھا کہ اسے کیوبا میں القاعدہ کے لیے قائم کئے گئے قید خانہ گوانتانا موبے میں بھی نہیں رکھا گیا اور اس کے بارے میں ابھی بھی کسی کو کچھ پتہ نہیں کہ اسے کہاں رکھا گیا ہے۔

ذرائع کے مطابق اس آپریشن میں ایف بی آئی کے چار انتہائی اہم سپیشل ایجنٹس جارج پارکر، جیمز رابرٹ پیٹرسن، کرسٹوفر جے پالم اور کینتھ فیلس نے حصہ لیا۔ اس بارے میں انڈونیشیا کے وزیراعظم عبداللہ احمد بداوی کا وہ بیان بڑا قابل ذکر ہے جو انہوں نے رسمان گنوان کی گرفتاری کے بعد دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ کراچی سے انڈونیشیا کے 13 باشندوں کو دہشت گردی حنبلی سے تفتیش کے دوران ہونے والی معلومات کی روشنی میں حراست میں لیا گیا۔ حنبلی کا پاکستان میں اپنے بھائی رسمان گنوان اور ان طلباء سے رابطہ تھا اور تفتیش کے بعد حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں تمام افراد کی شناخت ہوگئی ہے۔

انڈونیشیا کے وزیراعظم کے اس بیان کے بعد نائب وزیرداخلہ نے بھی اس بات کو آگے

MashalBooks.com

بڑھاتے ہوئے یہ کہا کہ پاکستان میں پکڑے جانے والے ملائشیا کے طالب علم جماعت سلامیہ اور القاعدہ کے مستقبل کے لیڈر ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہیں تربیت کے لیے پاکستان بھیجا گیا ہوتا کہ وہ جماعت کو سنبھال لیں کیونکہ جماعت سلامیہ کی قیادت زیر حراست ہے اور القاعدہ کے لوگ دھڑا دھڑ پکڑے جا رہے ہیں۔ انڈونیشیا کے نائب وزیر داخلہ نے اس بات کی تصدیق کی کہ گرفتار ہونے والوں میں بیشتر لڑکے ملائشیا میں قید جماعت اسلامیہ کے لیڈروں کے بیٹے ہیں۔

جماعت اسلامیہ کے دوسرے جنگجوؤں کے برعکس رسمان گنوان ایک مذہبی لڑکا تھا تاہم اس کے باوجود وہ امریکی فلمیں شوق سے دیکھتا اور فٹ بال شوق سے کھیلتا لیکن اس میں انتہا پسندی کا کبھی کوئی شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ رسمان گنوان کے بڑے بھائی خان عبدالقادر کے مطابق وہ ایک عام سا لڑکا تھا۔ وہ کنگفو اور امریکی جنگی فلمیں شوق سے دیکھتا اور اس کے شوق دیکھ کر ہر کوئی اس سے محبت کرتا۔ جب ہمیں پتہ چلا کہ اسے پاکستان میں پڑھنے کے لیے سکالرشپ ملا ہے تو ہم سب گھر والے بہت خوش ہوئے کیونکہ یہ بات ہمارے لیے باعث فخر تھی۔ خان عبدالقادر کے بقول رسمان گنوان خاندان کا پہلا بچہ تھا جو بیرون ملک پڑھنے جا رہا تھا۔ جب ہمیں اس کی گرفتاری کا علم ہوا تو سخت صدمہ ہوا۔ پولیس 2000ء سے ہی ہمارے گھر کی نگرانی کر رہی تھی اور کئی بار ہمارے گھر کی تلاشی بھی لی جا چکی تھی۔

گرفتاری کے بعد رسمان گنوان سے تحقیقاتی اداروں کو کچھ بھی اگلوانے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ رسمان گنوان انگریزی نہیں جانتا تھا چنانچہ اس سے تفتیش کے لیے ترجمان رکھا گیا۔ بعد میں انڈونیشیا کے تفتیشی افسروں کی ایک چار رکنی ٹیم بھی کراچی پہنچ گئی اور دونوں ممالک کے انٹیلی جنس افسروں نے گنوان سے تفتیش کی۔

تفتیش سے باخبر ایک افسر کے مطابق وہ اپنے سیل میں باقاعدگی سے پنجگانہ نماز ادا کرتا اور اس سے جب بھی یہ سوال پوچھا جاتا کہ وہ اپنے جماعت اسلامیہ سے اپنے تعلق کی وضاحت کرے تو وہ مسکراتے ہوئے اپنے روابط سے انکار کر دیتا۔ تفتیشی افسر کے مطابق بعد میں وہ جماعت اسلامیہ کی تعریف کرنے لگ جاتا اور جہاد کے بارے میں سوال پر مسکرانے لگ جاتا۔ رسمان گنوان نے اپنے بھائی حنبلی اور دیگر اہل خانہ کے بارے میں سوالات کے جوابات دینے سے

MashalBooks.com

صاف انکار کیا۔ اس نے اس بات سے بھی انکار کیا کہ وہ ویزہ ختم ہونے کے باوجود گزشتہ تین سال سے پاکستان میں مقیم تھا۔

ایک انٹیلی جنس آفیسر کے مطابق 19 افراد کا یہ گروپ جس میں ملائشیا کے 13 اور انڈونیشیا کے 6 طالب علم شامل تھے۔ القاعدہ اور جماعت اسلامیہ کا ''سلیپر سیل'' تھا۔ ان طالب علموں کو جماعت اسلامیہ اور القاعدہ کا ہراول دستہ بننا تھا اور انہیں ملائشیا اور انڈونیشیا کے مدارس میں جماعت کے اثر ورسوخ کو بڑھانے کے لیے بھی استعمال کیا جانا تھا۔ اس انٹیلی جنس آفیسر کے مطابق یہ طلباء گرفتاری سے قبل تربیت کے لیے کشمیر اور افغانستان بھی جاتے رہے ہیں۔

رسمان گنوان کو تفتیش کے بعد انڈونیشیا کے حوالے کر دیا گیا ہے جہاں اس وقت وہ بالی بم دھماکوں کے بڑے ملزم اور اپنے بھائی حنبلی کے ساتھ جیل کی سزا کاٹ رہا ہے۔

MashalBooks.com

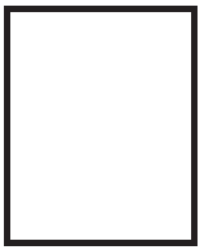

# دائود بادینی

بلوچستان میں دہشت گردی کے جتنے بھی بڑے واقعات ہوئے۔ ان کا سرا تفتیش کے بعد کسی نہ کسی طرح داؤد بادینی پر ہی جا کر ختم ہوا۔ داؤد بادینی بلوچستان میں لشکر جھنگوی کا کمانڈر تھا اور اس نے صرف چار بڑے واقعات میں 109 ہم وطن مسلمانوں کو ہلاک کر کے انٹیلی جنس ایجنسیوں اور سیکورٹی اداروں کو ہلا کر رکھ دیا۔

داؤد بادینی کی گرفتاری پر حکومت پاکستان نے انعام تو 20 لاکھ روپے مقرر کر رکھا تھا لیکن اس کی کارروائیوں کو دیکھتے ہوئے اس کے سر کی قیمت بہت کم لگائی گئی تھی۔ داؤد بادینی کی اہم کارروائیوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو وہ یہ بنتی ہیں۔

☆ 9 اگست 2002ء کو ڈائریکٹر جنرل نادرا برتر حسین نقوی پر حملہ کیا جس میں وہ شدید زخمی ہوئے۔

☆ 8 جون 2003ء کو بلوچستان پولیس کے ریکروٹس کی گاڑی پر حملہ کیا جس سے 12 زیر تربیت ریکروٹس ہلاک ہو گئے۔

☆ 14 جولائی 2003ء کو امام بارگاہ میکانکی روڈ کوئٹہ میں خودکش حملے کی پلاننگ کی جس میں اس نے تین خودکش حملہ آوروں کو استعمال کیا۔ اس حملے کے نتیجے میں

MashalBooks.com

51 نمازی شہید ہو گئے۔

☆ 2 مارچ 2004ء کو کوئٹہ شہر میں عاشورہ کے جلوس پر فائرنگ کی پلاننگ کی اور 2 خودکش حملہ آوروں کو استعمال کر کے 46 عزاداران کو ہلاک کر دیا۔

12 اور 13 جون 2004ء کی درمیانی شب جب انٹیلی جنس ایجنسیوں اور رینجرز کے ایک مسلح دستے نے فیڈرل بی ایریا کراچی کے ایک مکان پر چھاپہ مارا تو وہاں سے کسی قسم کی مزاحمت نہیں ہوئی جو بڑی حیران کن بات تھی۔ بعدازاں جب رینجرز ہیڈکوارٹر میں داؤد بادینی کی گرفتاری کا اعلان کیا گیا تو یہ خبر سب کے لیے بڑی چونکا دینے والی تھی۔ داؤد بادینی کی گرفتاری کو رینجرز کی ایک بڑی کامیابی قرار دیا گیا کہ اس نے بغیر کسی مزاحمت اور خون خرابے کے کوئٹہ کی تاریخ میں سب سے بڑی دہشت گردی کے ماسٹر مائیڈ کو قابو کر لیا۔

بلوچستان کے وہ حلقے جو داؤد بادینی کو جانتے ہیں۔ وہ اس کے بارے میں یہ بتاتے ہیں کہ وہ ایک شرمیلا اور کم گو نوجوان تھا۔ مذہب سے دور دور تک اس کا واسطہ نہیں تھا۔ والد کے ڈانٹنے پر وہ نماز پڑھتا۔ پتہ نہیں کن لوگوں نے اسے گمراہ کر کے دہشت گرد بنا دیا۔

داؤد بادینی کے متعلق یہ رائے رکھنے والے یہ قطعاً نہیں بتاتے کہ اس کی تربیت ایک فرقہ وارانہ ماحول میں ہوئی۔ داؤد بادینی کے والد مولوی امیر حمزہ بادینی کالعدم سپاہ صحابہ کے سرپرست تھے۔ وہ 1990ء سے 1995ء تک سپاہ صحابہ بلوچستان کے صوبائی سیکرٹری جنرل بھی رہے۔ بعدازاں شیعہ سنی اختلافات کے باعث وہ سپاہ صحابہ سے الگ ہو گئے اور جمعیت علمائے اسلام (سمیع الحق) میں شامل ہو گئے۔ ان کا انتقال 2001ء میں ہوا۔

داؤد بادینی اپنے 11 بہن بھائیوں میں سب سے بڑا ہے۔ اس کی عمر 25 سال کے قریب ہے۔ داؤد بادینی کو پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا۔ 97-1996ء میں اس نے میٹرک کا امتحان پاس کیا تو اس کے والدین کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ ان کا خیال تھا کہ داؤد بادینی کو پڑھا لکھا کر ایک بڑا آدمی بنایا جائے گا لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ میٹرک کرنے کے بعد داؤد کے خیالات میں کتنی بڑی تبدیلی آئے گی۔ اس کے آگے پڑھنے کی راہ میں کچھ رکاوٹ یہ بھی تھی کہ 1994ء میں اس کی شادی ہو گئی تھی۔ اس کے تین بیٹے 7 سالہ طارق، 5 سالہ محمد ندیم اور 3 سالہ ابوبکر ہیں۔

MashalBooks.com

MashalBooks.com

داؤد بادینی کے 20 سالہ بھائی حافظ عبدالرشید کے مطابق سکول کے زمانے میں بھی اسے کبھی مذہب سے لگاؤ نہیں تھا۔ والد صاحب کے ڈانٹنے پر وہ نماز پڑھتا تھا۔ اسے مذہب سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ حالانکہ ہمارا گھرانہ سخت مذہبی ہے۔ ہمارے گھر میں ریڈیو اور ٹی وی اب بھی موجود نہیں ہے۔ گھر میں کبھی مذہبی منافرت کی بات نہیں ہوئی۔ ہمیں یقین نہیں آتا کہ وہ دہشت گرد بن گیا ہے لیکن اگر وہ واقعی دہشت گرد ہے تو اسے قرار واقعی سزا ملنی چاہیے کیونکہ اسلام کسی بے گناہ کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

بعض ذرائع کے مطابق داؤد بادینی کے گھر والے چاہتے تھے کہ اگر وہ پڑھنا لکھنا نہیں چاہتا تو اپنے والد کا مدرسہ سنبھال لے۔ مولانا امیر حمزہ بادینی نے عربیہ التوحید کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا لیکن چونکہ داؤد بادینی کا مذہب کی طرف کوئی رجحان ہی نہیں تھا اس لیے اس نے یہ حکم ماننے سے صاف انکار کر دیا۔

انٹیلی جنس رپورٹوں کے مطابق داؤد بادینی نے 1999ء میں کالعدم لشکر جھنگوی میں شمولیت اختیار کی۔ اپنے والد کی وجہ سے چونکہ اسے کالعدم سپاہ صحابہ کے حلقوں میں پہلے سے ہی جانا جاتا تھا اس لیے لشکر جھنگوی کے ذمہ داروں نے اسے گمراہ کر کے تنظیم میں شمولیت کی دعوت دی۔ نوجوانی میں چونکہ پیسہ کی فراوانی، عمود و نمائش کے لیے اسلحہ اور اس طرح کے دیگر مشاغل 20 سے 25 سال کی عمر کے نوجوانوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ اس لیے داؤد بادینی بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ لشکر جھنگوی نے داؤد بادینی کی اس طرح برین واشنگ کی کہ اس نے 1999ء میں ہی لشکر کی طرف سے تخریبی کارروائیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ سندھ اور بلوچستان اس کی کارروائیوں کا بڑا مرکز تھے۔

2001ء میں جب اس کے والد مولانا امیر حمزہ بادینی کا انتقال ہوا تو داؤد نے والد کی جگہ ٹرانسپورٹ کا کاروبار سنبھال لیا اور کراچی منتقل ہو گیا۔ یہاں اس نے نئے جوش و جذبے کے ساتھ لشکر کی کارروائیوں میں اپنا حصہ ڈالنا شروع کیا۔ کہا جاتا ہے کہ نائن الیون کے واقعات کے بعد داؤد نے گھر کا رخ نہیں کیا اور وہ مستقل طور پر روپوش ہو گیا۔ اس دوران اس کے گھر والوں نے دوستوں اور ملنے والوں سے پتہ کرایا تو اس کے بارے میں متضاد اطلاعات ملتی رہیں۔ کسی نے کہا کہ وہ کشمیر میں ہے۔ کسی نے بتایا وہ ایران میں ہے اور بعض نے یہ اطلاع

MashalBooks.com

دی کہ داؤد افغانستان یا پھر کراچی میں ہے۔

نائن الیون کے بعد داؤد بادینی نے جو کارروائیاں کیں۔ انٹیلی جنس ایجنسیوں نے جائے وقوعہ سے ملنے والے شواہد کی روشنی میں اس بات کا پتہ چلا لیا کہ ان کے پیچھے داؤد بادینی کا ہی ہاتھ ہے لیکن داؤد بادینی کہاں ہے یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

داؤد بادینی کا پتہ چلانے کے لیے پولیس نے 2002ء میں اس کے ایک بھائی حافظ عبدالرشید کو گھر سے اٹھا لیا۔ پولیس روایتی انداز میں اس سے داؤد بادینی کا پتہ پوچھتی رہی لیکن عبدالرشید اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا اس لیے پولیس اور انٹیلی جنس اداروں کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تاہم یہ بات داؤد بادینی کے گھر والوں کے لیے کھل کر سامنے آ گئی کہ وہ دہشت گردی کی سرگرمیوں میں ملوث ہے۔ پولیس نے حافظ عبدالرشید کو کئی روز بعد چھوڑ تو دیا لیکن پورے گھر کو اس امید پر اپنی نگرانی میں رکھا کہ شاید کبھی داؤد بادینی اپنے گھر والوں سے رابطہ کی کوشش کرے گا لیکن داؤد نے ایسی غلطی نہیں کی۔

گرفتاری کے بعد داؤد بادینی نے دہشت گردی کے اقدامات کو درست قرار دیتے ہوئے اپنے تمام جرائم کا اعتراف کیا اور تفتیش کاروں کو بہت سی مفید معلومات بتائیں۔ داؤد کی والدہ کو اس کی گرفتاری کی خبر فوری طور پر نہیں بتائی گئی کیونکہ باقی بہن بھائیوں کو خدشہ تھا کہ کہیں وہ صدمے سے پاگل نہ ہو جائیں۔ داؤد کی بوڑھی والدہ آج بھی اپنے بیٹے کو یاد کر کے آنسو بہاتی ہیں لیکن داؤد ان سے دور جا چکا ہے۔

MashalBooks.com

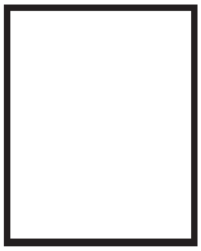

# سعود میمن

کراچی سے تعلق رکھنے والا سعود نامی تاجر بظاہر اتنی بڑی اور اہم شخصیت نہیں تھا کہ اس کی تلاش کے لیے ملک بھر کے سیکورٹی اور انٹیلی جنس اداروں کو متحرک ہونا پڑتا لیکن حالات وواقعات نے اس پر جو ذمہ داریاں ڈالیں اس نے اسے ایک ایسی اہم شخصیت بنا دیا جس کی گرفتاری پر پاکستان اور امریکہ کو 40 کروڑ کا انعام مقرر کرنا پڑا۔ القاعدہ کے پاکستان میں مالی معاملات کا انچارج بننے سے پہلے اس کی سرگرمیاں معمول کے مطابق تھیں۔ انٹیلی جنس ایجنسیوں کو اس بات پر بھی کوئی اعتراض نہیں تھا کہ اس کا کاروبار دنیا کے 20 سے زائد ممالک میں کیوں پھیلا ہوا ہے؟ انہیں اعتراض کی بجائے تشویش صرف اس بات پر تھی کہ سعود میمن ہر ہفتے افغانستان کا دورہ کیوں کرتا ہے؟

سعود میمن افغانستان میں ایک دو دن قیام کرتا اور پھر واپس کراچی آ جاتا۔ افغانستان پر امریکی حملے کے بعد القاعدہ اور طالبان کے جنگجوؤں کے خلاف ہونے والے آپریشن کے نتیجے میں جب اندھا دھند گرفتاریاں ہونا شروع ہوئیں تو سعود میمن نے افغانستان جانا کم کر دیا' تاہم انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اسے اپنی نگرانی میں رکھا۔ القاعدہ کے کئی بڑے جنگجوؤں کی گرفتاری کے بعد سعود روپوش ہو گیا۔

MashalBooks.com

سعود میمن پہلی بار انٹیلی جنس ایجنسیوں کی نظروں میں مشتبہ طور پر اس وقت سامنے آیا جب اس کے تواتر سے افغانستان کے دوروں کو مانیٹر کیا گیا۔ ان دوروں کے حوالے سے مبینہ طور پر یہ اطلاعات سامنے آئیں کہ سعود میمن افغانستان ملا عمر سے ملاقات کے لیے جاتا ہے اور ہر ہفتے انہیں دو کروڑ روپے کا چیک پیش کرتا ہے۔ چونکہ پاکستان اس وقت طالبان کی حمایت سے دستبردار ہو چکا تھا اور انفرادی طور پر طالبان کی حمایت اور مدد کرنے والے بھی مبینہ طور پر ملزم بنا دیئے گئے تھے' اس لیے یہ اطلاع انٹیلی جنس اداروں کے لیے بڑی اہم تھی' تاہم اس اطلاع کے باوجود سعود میمن پر ہاتھ نہیں ڈالا گیا کیونکہ وہ سیاسی اور سماجی طور پر اپنی مضبوط کاروباری پوزیشن کی بدولت کافی اثر ورسوخ رکھتا تھا۔ اس دوران ایک اہم کام یہ کیا گیا کہ ایک خفیہ ادارے کے بعض افسران کو سعود میمن کی سرگرمیوں کا کھوج لگانے کے احکامات دیئے گئے۔

سعود میمن کے بارے میں تحقیقات کے بعد یہ اطلاعات سامنے آئیں کہ بظاہر وہ ایک کاروباری شخصیت ہے لیکن حقیقت میں وہ طالبان اور القاعدہ سے رابطوں کی بدولت ایک پراسرار شخصیت بن گیا ہے۔ اس کا کاروبار کراچی سے شروع ہو کر دنیا کے 20 ممالک میں پھیلا ہوا ہے لیکن اس کے پاس اتنا وقت ہی نہیں کہ وہ اپنے کاروبار کی مناسب دیکھ بھال کر سکے کیونکہ اپنے مذہبی عقائد کی بدولت وہ افغانستان کے جہاد کو ایک مقدم اقدام قرار دیتے ہوئے طالبان کی مالی طور پر مدد کر رہا ہے۔ تحقیقاتی افسروں نے سعود میمن کے بارے میں یہ نتیجہ نکالا کہ اس کے نہ صرف طالبان اور القاعدہ کے جنگجوؤں سے روابط ہیں بلکہ وہ انہیں کراچی اور دیگر علاقوں میں پناہ گاہیں بھی فراہم کر رہا ہے۔

سعود میمن پر یہ الزامات کس حد تک درست ہیں؟ اس بارے میں کوئی واضح اور ٹھوس شواہد تو موجود نہیں لیکن کہا جاتا ہے کہ انہی الزامات کے تحت 2003ء میں اس کی گرفتاری عمل میں آئی۔ سعود میمن کی گرفتاری کے پس منظر کے بارے میں ذرائع دعویٰ کرتے ہیں کہ پاکستان میں ایف بی آئی کے آپریشنز کے بعد جب القاعدہ کے جنگجوؤں کے لیے چھپنے کی کوئی جگہ نہ رہی اور انہیں گرفتار کیا جانے لگا تو سعود میمن نے اہمیت اختیار کر لی۔ چونکہ وہ القاعدہ کے جنگجوؤں سے رابطوں کی بدولت ایک پل کا کام کر رہا تھا اور القاعدہ نیٹ ورک سے بخوبی واقف تھا۔ اس لیے القاعدہ کے سینئر لیڈروں کے گرفتار ہونے کے بعد انہیں اہم ذمہ داری سونپ دی گئی۔ کہا جاتا

MashalBooks.com

ہے کہ یہ ذمہ داری القاعدہ کے مالی معاملات سے متعلق تھی۔ چونکہ اس وقت القاعدہ کا مالیاتی نظام معطل ہو چکا تھا اور امریکہ و دیگر یورپی ممالک کی طرف سے سخت انتظامات کی بدولت فنڈز کی ترسیل بھی رک گئی تھی' اس لیے القاعدہ کو پاکستان میں ایک ایسے ارب پتی کی ضرورت تھی جو ان کے نظریات سے مطابقت رکھتا ہو۔ سعود میمن اس معیار پر پورا اترتا تھا اور اس سلسلے میں اہم بات یہ تھی کہ وہ نہ صرف پہلے سے ہی ان جنگجوؤں کی مالی امداد کر رہا تھا بلکہ وہ القاعدہ اور طالبان کے اندرونی نیٹ ورک سے بھی پوری طرح واقف تھا۔

ذمہ دار ذرائع دعویٰ کرتے ہیں کہ سعود میمن کے القاعدہ کے مالی معاملات سنبھالتے ہی انٹیلی جنس اداروں کو اس کی بھنک پڑ گئی۔ امریکی ادارے بھی سعود میمن کی سرگرمیوں سے باخبر تھے اور کہا جاتا ہے کہ امریکہ نے پہلی بار پاکستان پر دباؤ ڈالا کہ سعود میمن کو گرفتار کیا جائے۔ تاہم گرفتاری سے قبل ہی سعود میمن روپوش ہو گیا جس کے بعد ایک اخباری اطلاع کے مطابق امریکہ اور پاکستان کی طرف سے اس کی گرفتاری پر 40 کروڑ روپے کا انعام مقرر کیا۔

سعود میمن روپوش اختیار کر لینے کے بعد زیادہ متحرک ہو گیا۔ قبائلی علاقوں میں اس کے وسیع رابطے بھی پہلے سے موجود تھے۔ اس دوران یہ اطلاعات بھی سامنے آئیں کہ سعود میمن کے کالعدم جماعتوں کے بہت سے ارکان سے بھی رابطے تھے اور ان میں وہ ارکان زیادہ تھے جو بعد ازاں صدر جنرل پرویز مشرف پر حملوں سمیت بہت سے سنگین واقعات میں ملوث پائے گئے۔ اطلاعات کے مطابق کالعدم جماعتوں کے گرفتار ہونے والے بہت سے ارکان سے دوران تفتیش بھی سعود میمن کا نام سامنے آیا۔ اس سلسلے میں ذرائع کراچی میں پولیس مقابلے کے بعد گرفتار ہونے والے کالعدم جماعت کے رکن کامران عرف عاطف کی مثال دیتے ہیں جو جنرل مشرف پر حملوں کے علاوہ فرانسیسی انجینئروں کی بس کو بم دھماکے سے اڑانے جیسے سنگین واقعات میں ملوث تھا۔ کامران عرف عاطف کو جب گرفتار کیا گیا تو اس نے تفتیش کاروں کو یہ بتا کر اس اطلاع کی تصدیق کر دی کہ سعود میمن پاکستان میں القاعدہ کے مالی معاملات کا انچارج ہے۔ انٹیلی جنس ذرائع کے مطابق کامران عرف عاطف اور سعود میمن کے بھی آپس میں رابطے تھے اور دونوں 11 ستمبر کے حملوں کے بعد تین سے زائد مرتبہ افغانستان گئے اور انہوں نے القاعدہ کی ٹاپ لیڈرشپ سے ہدایات لیں۔

MashalBooks.com

MashalBooks.com

کامران عرف عاطف سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں انٹیلی جنس اداروں نے سعود میمن کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کیا' تاہم سعود میمن ہر مرتبہ جل دے کر نکل گیا۔2003ء کے آخری عشرے میں انٹیلی جنس اداروں نے کراچی سے القاعدہ کے چار ارکان کو حراست میں لیا۔ گرفتار ہونے والوں میں دو کا تعلق یمن' ایک کا سعودی عرب اور ایک کا پاکستان سے تھا۔ انٹیلی جنس اداروں نے گرفتار ہونے والوں سے معلومات کی روشنی میں سعود میمن کے گرد گھیرا تنگ کر دیا۔ بالاخر چند ہی ہفتے بعد اسے گلستان جوہر بلاک 18 کراچی سے اس کی ایک خفیہ رہائش گاہ سے حراست میں لے لیا گیا۔

سعود میمن کی گرفتار سیکورٹی اداروں کے لیے ایک بڑی کامیابی تھی لیکن اس کی گرفتاری کے فوراً بعد کراچی میں بم دھماکوں کی ایک لہر نے سکیورٹی اداروں کو ہلا کر رکھ دیا۔ یہ بم دھماکے سعود میمن کی قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ہاتھوں گرفتاری کا ردعمل تھے۔ سعود میمن کو دو دن کراچی رکھا گیا جہاں مختلف ایجنسیوں پر مبنی جوائنٹ انٹیروگیشن ٹیم نے اس سے تفتیش کی اور بعدازاں ایک خصوصی طیارے میں بٹھا کر اسلام آباد روانہ کر دیا گیا۔

سعود میمن کی گرفتاری کے بعد سیکورٹی ماہرین یہ توقع ظاہر کر رہے تھے کہ دہشت گردی کی لہر رک جائے گی کیونکہ حکومت کی طرف سے القاعدہ و طالبان جنگجوؤں اور کالعدم جماعتوں کے جنگجو ارکان کی گرفتاری کے بعد دہشت گردوں کے نیٹ ورک کو تہس نہس کرنے کا دعویٰ کیا جا رہا تھا اور انہیں فنڈز کی ترسیل بھی رک گئی تھی لیکن سعود میمن کی گرفتاری کے بعد ہونے والے دہشت گردی کے بہت سے واقعات نے حکومت اور سیکورٹی ماہرین کے تمام اندازوں اور دہشت گردوں کے نیٹ ورک کو تہس نہس کرنے کے تمام دعوؤں کو خاک میں ملا دیا۔ سعود میمن نے دوران تفتیش کوئی بہت بڑا انکشاف تو نہیں کیا لیکن تفتیش کے نتیجے میں حاصل ہونے والی معلومات سے انہوں نے کچھ نہ کچھ کامیابیاں ضرور حاصل کی ہیں۔

MashalBooks.com

# شارب

ستمبر2002ء میں صدر جنرل پرویز مشرف نے اسلام آباد میں جنوبی ایشیاء میں امن و سلامتی کی دوروزہ بین الاقوامی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''میری زندگی کو کوئی خطرہ نہیں۔ مجھ پر کراچی میں کوئی حملہ نہیں ہوا بلکہ میں اپنے حالیہ دورہ کراچی سے بہت لطف اندوز ہوا ہوں۔ درحقیقت حفاظت کرنے والا تو اللہ ہے۔ پھر میں کسی سے خوفزدہ کیوں ہوں؟''

جنرل پرویز مشرف کراچی میں آئیڈیاز2002 کی اسلحہ نمائش میں شرکت کے موقع پر ہونے والے حملے کی وضاحت کر رہے تھے جبکہ حقیقت یہی تھی کہ اس نمائش میں شرکت کے موقع پر انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ جنرل پرویز مشرف پر اس حملے کی سازش کا ماسٹر مائینڈ شارب نامی ایک جنگجو تھا جس کا تعلق حرکت المجاہدین العالمی سے تھا۔

شارب کون تھا؟ اس نے اتنے بڑی سازش کیسے تیار کر لی؟ اور اسے کن لوگوں کی مدد حاصل تھی؟ اس بارے میں کافی دلچسپ معلومات موجود ہیں۔

18 ستمبر2002 کو پورے ملک میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ کراچی میں جنرل پرویز مشرف پر حملے کی ایک سازش کو ناکام بنا کر ماسٹر مائینڈ شارب سمیت سات افراد کو گرفتار کر کے بھاری مقدار میں اسلحہ برآمد کیا گیا ہے۔ شارب سے ایک نئی قسم کی ''ریکوائیل''

Mashalbooks.com

رائفل بھی برآمد ہوئی ہے جو ٹینک کو تباہ کرنے کے کام آتی ہے اور اس سے کئی میل دور تک بھی نشانہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ خبر سب سے پہلے ایک نجی ٹیلی ویژن سے ٹیلی کاسٹ کی گئی جن کی آئی ایس پی آر نے فوراً تردید کر دی۔ شارب کا نام اس سے پہلے کبھی منظر عام پر نہیں آیا تھا تاہم کہا جاتا ہے کہ شارب پہلے حرکت المجاہدین میں تھا لیکن وہاں بعض ساتھیوں سے اختلافات کی بنا پر اس نے اپنا علیحدہ گروپ بنالیا۔

شارب کے بارے میں پولیس حکام یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ 26 اپریل 2002ء کو شاہراہ فیصل پر بارود سے بھری گاڑی کھڑی کر کے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے جنرل مشرف کو ہلاک کرنے کی جو کوشش کی گئی تھی اس میں شارب شامل تھا۔ بارود سے بھری گاڑی شارب نے ہی شاہراہ فیصل پر کھڑی کی تھی لیکن یہ سازش اس لیے ناکام ہوگئی کہ ایک تو سیکورٹی سے وابستہ افراد نے جنرل مشرف کا روٹ بدل دیا اور دوسرے طرف اس گاڑی کو اڑانے والا ریموٹ کنٹرول بھی کام نہ کر سکا۔ اس سازش کی ناکامی کے بعد شارب تو نہ پکڑا جاسکا لیکن اس تنظیم کے چار افراد کو حراست میں لے لیا گیا۔

شارب اور اس کے ساتھیوں نے جنرل مشرف کو ہلاک کرنے کی دوسری سازش اس وقت کی جب جنرل مشرف نے آئیڈیاز 2002ء کی دفاعی نمائش میں شرکت کرنا تھی۔ شارب اور اس کے ساتھیوں نے منصوبہ بنایا کہ جنرل مشرف کو کارساز روڈ سے نمائش میں آتے ہوئے نشانہ بنایا جائے۔ اس مقصد کے لیے ''ایکوائیل لیس'' اینٹی ٹینک رائفل کو علاقہ غیر سے لایا گیا۔ دھورابی میں جس جگہ پر یہ رائفل نصب کی جانی تھی اس کی رینج ایکسپو سنٹر کراچی تک تھی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں جنرل مشرف نے پہنچنا تھا۔

انٹیلی جنس ایجنسیوں نے ایک مخبر کیطرف سے اطلاع ملنے پر اس پوری سازش کا سراغ لگالیا ور کراچی کے بہادر آباد کے علاقے میں ایک مکان پر چھاپہ مار کر شارب سمیت اس کے تمام ساتھیوں کو حراست میں لے لیا۔ شارب کی نشاندہی پر اس کے دیگر ساتھیوں، حرکت المجاہدین العالمی کے احسان، کامران، جمیل، نوید اور مصطفیٰ کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ دھورابی، گلشن اقبال، شانتی نگر، نارتھ کراچی اور دیگر علاقوں میں جہاں ان جنگجوؤں نے اسلحہ چھپا رکھا تھا، اسے بھی تحویل میں لے لیا گیا۔ تحویل میں لئے گئے اسلحہ میں 70 راکٹ، غیر ملکی ہینڈ گرینڈ، اینٹی ٹینک

MashalBooks.com

رائفل، 107 رائفل پیڈ اور گولیوں کے راؤنڈ شامل تھے۔

شارب اور اس کے ساتھیوں سے تفتیش کے نتیجے میں یہی پتہ چلا کہ حرکت المجاہدین العالمی کے کارکنوں کو افغانستان میں دہشت گردی، تخریب کاری، بم دھماکوں اور راکٹ لانچر چلانے کی تربیت دی جاتی تھی۔ تفتیش کاروں نے اس پوری تنظیم میں شارب کو انتہائی خطرناک دہشت گرد قرار دیا۔ شارب کا ایک پڑوسی ملک کی خفیہ ایجنسی سے بھی رابطہ تھا جو انہیں اسلحہ کی خریداری کے لیے رقوم فراہم کرتی تھی۔ شارب اس سے قبل کراچی کے ایک ہوٹل اور امریکی قونصل خانے پر ہونے والے حملے میں بھی ملوث تھا۔ حکومت نے ان حملوں میں اس کے ملوث ہونے کے شواہد سامنے آنے پر اس کی گرفتاری پر 15 لاکھ روپے کا انعام بھی مقرر کر رکھا تھا۔ تفتیش کاروں کے مطابق شارب نے اسد اللہ سمیت دیگر تین ناموں کے شناختی کارڈ بنوا رکھے تھے اور تمام ملزمان آپس میں فون کی بجائے ای میل کے ذریعے کوڈ ورڈز میں رابطہ کرتے تھے۔ اگر کسی بھی ملزم کو کوئی خطرہ ہوتا تو وہ تمام باتیں ای میل کے ذریعے اپنے دوسرے ساتھیوں کو بتا دیتا۔ اس طرح دوسرے ساتھی محتاط ہو جاتے۔ تفتیش کاروں کے مطابق پولیس اور رینجرز میں بھی شارب کے سورسز موجود تھے اور بہت سی حساس اطلاعات شارب کو انہی ذریعوں سے مل جایا کرتی تھیں۔ 26 اپریل 2002ء کو جنرل مشرف پر حملے کی سازش میں ملوث رینجرز کے سب انسپکٹر کے ساتھ بھی شارب کے تعلقات تھے۔ شارب اس وقت ایک حساس ادارہ کی تحویل میں ہے اور اس سے تفتیش کے نتیجے میں حاصل ہونے والی اطلاعات کی روشنی میں حساس اداروں نے دہشت گردوں کے خلاف بہت سی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

MashalBooks.com

# مشتاق احمد

25 دسمبر 2004ء کو ملک بھر میں عام تعطیل تھی۔

کراچی میں ایئر فورس کی سخت سکیورٹی میں ایک چھوٹی داڑھی والا مشتاق نام کا زیر حراست ملزم ڈیوٹی پر موجود اہلکاروں کو مذہبی اور جہاد کے حوالے سے لیکچر دے کر ان کے جذبات ابھارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ یہ انتہائی ہائی پروفائل ٹیررسٹ تھا اور صدر جنرل پرویز مشرف پر ہونے والے قاتلانہ حملے میں ملوث ہونے کے باعث اسے فوجی عدالت سے موت کی سزا سنائی جا چکی تھی۔ ڈیوٹی پر موجود اہلکاروں کو اور مشتاق کو آپس میں بات چیت کی اجازت نہ تھی لیکن مشتاق احمد نہ صرف انہیں لیکچر دے رہا تھا بلکہ ایئر فورس کے یہ سکیورٹی ملازم اس کی باتیں بھی بڑی توجہ سے سن رہے تھے اور ان کا اثر بھی لے رہے تھے۔ مشتاق احمد نے جب تمام اہلکاروں کے مذہبی اعتبار سے جذبات ابھار کر حکومت و جنرل پرویز مشرف کے اقدامات کو غلط اور امریکہ کے خلاف جدوجہد کو جہاد ثابت کر دیا تو اس نے ڈیوٹی پر موجود اہلکاروں کو اس بات پر بھی رضامند کیا کہ وہ اس کی فرار میں مدد کریں۔ بعض ذرائع کے مطابق مشتاق نے اہلکاروں سے فرار میں مدد کی بجائے ہاتھ روم جانے کی درخواست کی۔ ایئر فورس کے اہلکار جو اس کی باتوں کے سحر میں آ چکے تھے انہوں نے بادل نخواستہ طور پر اس بات کی

MashalBooks.com

اجازت دیدی۔ یہی وہ غلطی تھی جو ایئر فورس کے اہلکاروں سے ہوئی۔

تھوڑی ہی دیر میں حقیقت سامنے آنے پر یہ بات ایئر فورس یونٹ میں پھیل چکی تھی کہ مشتاق احمد فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ اعلیٰ حکام کے علم میں یہ بات آتے ہی کھلبلی مچ گئی اور پھر کراچی سے اسلام آباد تک سی ایل آئی پر نہ آنے والی ٹیلی فون نمبرز کی گھنٹیاں بجنا شروع ہوگئیں۔ مشتاق احمد کا سکیورٹی حراست سے فرار ایک بہت بڑا واقعہ تھا۔ اس واقعہ نے انٹیلی جنس حکام کی نیندیں اڑا دیں کیونکہ اس معاملے نے ان کی ناکامی کے طور پر سامنے آنا تھا۔ واقعہ کی اطلاع ملتے ہی اعلیٰ سکیورٹی اور انٹیلی جنس حکام جائے وقوعہ پر پہنچ گئے اور ڈیوٹی پر موجود اہلکاروں کو حراست میں لے لیا گیا۔

جنرل پرویز مشرف پر حملوں کا ملزم کیسے فرار ہوا؟ کس کی غفلت سے ہوا؟ ان سوالوں کا جواب دینا نچلی سطح کے ایئر فورس حکام کے بس کی بات نہیں تھا۔ ابتدائی طور پر جنرل پرویز مشرف سے لیکر انٹیلی جنس ایجنسیوں کے تمام اعلیٰ افسران کو یہی رپورٹیں پیش کی گئیں کہ مشتاق احمد 25 نومبر 2004 بروز ہفتہ کو باتھ روم جانے کا بہانہ کر کے فرار ہوا۔

مشتاق احمد کا فرار انٹیلی جنس ایجنسیوں کی ایک بہت بڑی ناکامی تھی اور اس بات نے انٹیلی جنس افسران کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ کالعدم جیش محمد سے تھوڑا سا بھی تعلق رکھنے والے یہ لوگ کس قدر تربیت یافتہ، مضبوط اعصاب کے مالک اور اپنی باتوں سے عام لوگوں اور حتیٰ کہ فوجیوں کو بھی متاثر کرنے کا فن جانتے ہیں۔

مشتاق ان 26 افراد میں شامل تھا جنہیں جنرل پرویز مشرف پر 14 دسمبر 2003ء کو ہونے والے حملے کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا۔ مشتاق احمد ایئر فورس میں جونیئر رینک کا اہلکار تھا اور اس نے حملہ کرنے والے دہشت گردوں کو لاجسٹک سپورٹ فراہم کی تھی۔ مشتاق احمد کو کراچی سے گرفتار کیا گیا تھا۔ اسے 21 نومبر 2004ء کو فوجی عدالت میں پیش کیا گیا جہاں اسے سزائے موت سنائی گئی۔ سزا سننے کے بعد سے وہ ایئر فورس سکیورٹی کی تحویل میں تھا۔

مشتاق احمد نے جنرل پرویز مشرف پر حملے کے لئے جو لاجسٹک سپورٹ مہیا کی ان میں حملے میں استعمال ہونیوالی گاڑیاں اور دھماکہ خیز مواد کی فراہمی جیسے کئی اقدامات شامل تھے۔ جیش محمد کے دیگر ارکان جنہوں نے جنرل مشرف کو خودکش حملے کے ذریعے ہلاک کرنے کی کوشش

MashalBooks.com

کی، ان کے ساتھ بھی مشتاق کے قریبی تعلقات تھے۔ ذرائع دعویٰ کرتے ہیں کہ جنرل مشرف پر حملوں کے سلسلے میں سزائے موت پانے والے ایئر فورس کے ایک اور اہلکار سلطان الدین صدیقی کا بھی مشتاق احمد سے قریبی تعلق تھا۔ تحقیقاتی ادارے مشتاق احمد کے القاعدہ کے جنگجوؤں سے روابط کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیتے کیونکہ القاعدہ نے افغانستان میں جیش محمد کے کارکنوں کو عسکری تربیت دی تھی اور بعدازاں یہ بات ثابت بھی ہوئی کہ جیش محمد اور القاعدہ میں قریبی روابط موجود تھے اور القاعدہ نے جنرل مشرف پر دونوں حملوں کے لیے جیش محمد کے لوگوں کو استعمال کیا تھا۔ انٹیلی جینس ایجنسیوں کے لیے جیش محمد کا جنرل مشرف پر حملوں میں ملوث ہونا کسی دھچکے سے کم نہیں تھا کیونکہ جیش محمد وہ گروپ تھا جسے 12 اکتوبر 1999ء کے فوجی انقلاب کے بعد نہ صرف برداشت کیا جاتا رہا بلکہ امداد بھی دی جاتی رہی۔ ذمہ دار ذرائع کے مطابق جیش محمد کے تمام جنگجوؤں کی طرح مشتاق احمد اور اس کے ایئر فورس کے بعض ساتھیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ جنرل مشرف نے طالبان کو دھوکہ دیا ہے اور اب وہ کشمیر پر سودے بازی کرنے میں مصروف ہیں۔ جیش محمد جنرل مشرف کو مغرب نواز سمجھنے لگی تھی اور اس کی سوچ میں یہ تبدیلی نائن الیون کے واقعات کے بعد پاکستان میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے تناظر میں جنرل پرویز مشرف کے اقدامات کے باعث آئی تھی جو جہادیوں کی امنگوں اور خواہشات کے برعکس کام کر رہے تھے۔

دلچسپ بات یہ تھی کہ مشتاق احمد، محمد جمیل اور سلطان احمد کی طرح جیش محمد کے بیشتر ''جہادیوں'' نے افغانستان میں تربیت حاصل کی تھی اور افغانستان پر حملے کے بعد جب یہ ''جہادی'' واپس پاکستان آئے تو انٹیلی جینس ایجنسیوں نے انہیں اپنی تحویل میں لیکر تحقیقات کی تھیں اور بعدازاں انہیں اپنی تفتیش میں کلیئر کر دیا تھا۔ بعدازاں یہی لوگ خطرناک ترین دہشت گرد بن گئے یا بنا دیئے گئے۔

مشتاق احمد کو جب کراچی سے حراست میں لیا گیا تو اس بات کا اعلان نہیں کیا گیا۔ مشتاق احمد سے انٹیلی جنس کے جن افسران نے تفتیش کی ان کا خیال تھا کہ اس کی گرفتاری کی تشہیر سے قبل ہی اس کے باقی ساتھیوں کو بھی شکنجے میں لے لیا جائے لیکن ان کا یہ منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکا اور مشتاق احمد سکیورٹی کے ذمہ داروں کو چکمہ دیکر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

MashalBooks.com

مشتاق احمد کی دوبارہ گرفتاری کے لئے انٹیلی جینس ایجنسیوں نے کئی مقامات پر چھاپے مارے لیکن وہاں سے انہیں کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ مشتاق احمد کے فرار کے فوراً بعد حساس اداروں نے ایئرفورس کے ڈیوٹی سے غفلت برتنے والے افراد کو حراست میں لیکر پوچھ گچھ شروع کر دی۔ گرفتار ہونے والوں میں ایئرفورس کا ایک اعلیٰ عہدیدار بھی شامل تھا۔ حساس اداروں اس امکان کا بھی جائزہ لیا کہ مشتاق احمد کو فرار کرنا کسی سازش کا حصہ تو نہیں؟ لیکن تاحال اس بارے میں کوئی حتمی نتائج اخذ نہیں کئے گئے۔ مشتاق احمد انٹیلی جنس ایجنسیوں کے چھاپوں سے بچتا پھر رہا ہے اور انٹیلی جینس کے ان افسران کی جان پر بنی ہوئی ہے جنہیں مشتاق احمد کی گرفتاری کا ٹاسک ملنے کے باعث صدر جنرل پرویز مشرف کو جواب دینا پڑ رہا ہے۔

MashalBooks.com

# اسلام الدین صدیقی

یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں جتنا ظاہر کیا جا رہا ہے۔ حکومت کی طرف سے جب 24 دسمبر 2004ء کو یہ اعلان کیا گیا کہ جنرل پرویز مشرف پر حملوں کے الزام میں کورٹ مارشل کے بعد ایک فوجی اسلام الدین کو سزائے موت اور حوالدار یونس کو دس سال قید کی سزا سنائی گئی ہے تو اس سے باخبر حلقوں کو کوئی تعجب نہیں ہوا کیونکہ یہ فیصلہ بہت پہلے ہی ہو چکا تھا۔ تاہم عام لوگوں کے لئے تعجب کی بات یہ تھی کہ حکومت کی طرف سے پہلی بار یہ اعلان کیا گیا کہ نہ صرف فوج کے لوگ جنرل پرویز مشرف پر حملوں میں ملوث تھے بلکہ کورٹ مارشل کے بعد انہیں سزا بھی سنا دی گئی ہے۔

سزائے موت پانے والے فوجی کا پورا نام اسلام الدین صدیقی ہے۔ اس کا تعلق پنجاب رجمنٹ کے ڈیفنس سروسز گارڈ سے تھا اور اسلام الدین کا نمبر 8831068 ہے۔ 14 دسمبر 2003ء کو جب راولپنڈی میں جھنڈا چیچی پل سے گزرتے ہوئے جنرل مشرف کو دھماکے کے ذریعے ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی۔ اسلام الدین صدیقی اُس میں ملوث تھا۔

حوالدار محمد یونس جسے کورٹ مارشل کے بعد دس سال قید کی سزا سنائی گئی ہے وہ بھی اس سازش میں اسلام الدین کا ساتھی تھا اور ان دونوں کے رابطے القاعدہ کے اس گروپ سے تھے

MashalBooks.com

جس نے صدر جنرل پرویز مشرف کو ہلاک کرنے کی منصوبہ بندی کی۔

اسلام الدین صدیقی اور محمد یونس کو گزشتہ سال بعض شواہد کی روشنی میں دیگر فوجیوں کے ساتھ حراست میں لیا گیا تھا۔ انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اسلام الدین کے بارے میں جو تحقیق کی اس کے مطابق اسلام الدین انتہا پسند ذہن کا مالک تھا۔ وہ افغانستان کے حوالے سے جنرل مشرف کی پالیسیوں کا سخت مخالف اور 11 ستمبر کے بعد یوٹرن لینے کے اقدامات سے خوش نہیں تھا۔

ذرائع کے مطابق اسلام الدین صدیقی نے آزاد کشمیر کے مقام بھمبر میں جیش محمد کے ایک ٹریننگ کیمپ میں تربیت بھی حاصل کی اور وہ افغانستان کے دورے بغیر پاسپورٹ کے کرتا رہا ہے۔ افغانستان میں اس کے روابط القاعدہ کے بعض افراد سے تھے اور کہا جاتا ہے کہ جب القاعدہ کی طرف سے جنرل پرویز مشرف پر حملوں کی منصوبہ بندی کی گئی تو اس سلسلے میں جن لوگوں کا انتخاب کیا گیا اور جنہیں یہ ذمہ داری سونپی گئی انہوں نے اسلام الدین صدیقی سے رابطہ کیا تھا اور پھر اُس کے بعد جنرل مشرف پر 14 دسمبر 2003ء کے حملے کی منصوبہ بندی کی گئی۔

ذرائع کے مطابق اسلام الدین کے فضائیہ کے اُس گروپ سے بھی رابطے تھے جو جنرل مشرف پر دوسرے خودکش حملے میں ملوث تھے۔ اس کے علاوہ اسلام الدین کے بارے میں یہ اطلاعات بھی ہیں کہ اس نے گرفتاری سے قبل ایک بار جنوبی وزیرستان میں شر پسند قبائلیوں اور القاعدہ کے غیر ملکی جنگجوؤں کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا تھا۔

اسلام الدین صدیقی اور محمد یونس کے بارے میں فوجی انٹیلی جنس اور دوسری ایجنسیوں نے جو تفتیش کی اس میں اسے القاعدہ کی طرف سے جنرل پرویز مشرف پر حملوں میں اعانت کا مرتکب قرار دیتے ہوئے واضح طور پر کہا گیا کہ مذکورہ دونوں فوجیوں کے القاعدہ کے ساتھ ٹھوس سطح کے روابط تھے۔ بعد میں گرفتار فوجی اہلکاروں کا ٹرائل کرنے والی فوجی عدالت نے بھی انہیں القاعدہ کی حمایت اور جنرل مشرف پر حملوں کا ملزم قرار دیا اور کورٹ مارشل کے بغیر سزائے موت اور عمر قید کی سزا سنائی۔ دونوں فوجیوں کو سزا آرمی ایکٹ کے تحت سنائی گئی جو 1911ء میں انگریزوں نے بنایا تھا۔

MashalBooks.com

جنرل پرویز مشرف پر دو قاتلانہ حملوں کے سلسلے میں جو تحقیقاتی رپورٹ تیار کی گئی تھی ٹرائل کے دوران اس سے بھی مدد لی گئی اور اس تحقیقاتی رپورٹ کی روشنی میں ڈیڑھ سو سے زائد افراد سے تفتیش کی گئی۔ اس رپورٹ میں ملوث فوجیوں پر جو الزامات لگائے گئے اس میں اسلام الدین صدیقی کے حوالے سے یہ بھی بتایا گیا کہ اس نے ایک بار قبائلی علاقوں میں القاعدہ کے غیر ملکی جنگجوؤں کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا تھا فوجی قوانین کی خلاف ورزی اور بعد ازاں احکامات نہ ماننے پر اس کے خلاف علیحدہ سے انکوائری ہو رہی تھی۔ باخبر ذرائع کے مطابق اس کے بعد ہی اسلام الدین صدیقی نے انتہا پسندوں سے رابطے کئے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اس وقت اسلام الدین صدیقی پر نظر رکھی جا رہی تھی لیکن فوجی انٹیلی جنس کو اس بات کی خبر نہ ہو سکی کہ اسلام الدین صدیقی کن سرگرمیوں میں ملوث ہو رہا ہے اور اس نے کمال مہارت سے انٹیلی جنس ایجنسیوں کو ڈاج دے کر جنرل مشرف پر حملوں میں اہم کردار ادا کیا۔

ذرائع کے مطابق آئی ایس آئی کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل اشفاق کیانی نے جنرل مشرف پر حملوں اور ان میں بعض جونیئر فوجیوں کے ملوث ہونے کے بارے میں جو رپورٹ تیار کی اس میں بھی بتایا گیا تھا کہ القاعدہ کی ایک اہم شخصیت نے ان فوجیوں کی برین واشنگ کی جنہوں نے جنرل مشرف پر کئے گئے دو قاتلانہ حملوں میں حصہ لیا ایک اور ذرائع کے مطابق فوج کے کم از کم 48 نان کمشنڈ افراد کو حراست میں لیا گیا تھا۔ اس میں سے 30 فوجیوں کے خلاف ٹرائل ابھی جاری ہے۔ باخبر ذرائع نے یہ بھی بتایا کہ جنرل مشرف پر دوسرے حملے میں پاک ائیر فورس کے 20 سے زائد اہلکار مذہبی انتہا پسندوں کے ساتھ ملاقات کرتے رہے اور دسمبر کے پہلے ہفتے میں انہوں نے چکلالہ ائیر بیس پر بھی جنرل مشرف کے قافلے پر حملے کی منصوبہ بندی کی لیکن پاک فضائیہ ائیر انٹیلی جنس ونگ حیرت انگیز طور پر ان تمام سرگرمیوں سے لاعلم رہا۔

رپورٹ کے مطابق 14 دسمبر تو جھنڈا چیچی پل کو بم سے اڑانے والے ائیر فورس سے متعلقہ چھوٹے درجے کے ٹیکنیشن تھے۔ یہ تمام اہلکار پی اے ایف آبادی میں رہائش پذیر تھے۔ القاعدہ سے تعلق رکھنے والی ایک پاکستانی شخصیت نے اس حملے کے لئے انہیں ترغیب اور ہدایات دیں۔ بعد ازاں 25 دسمبر کو کار میں خودکش حملہ کرنے والے افراد کو بھی اسی شخصیات نے اس کام پر اکسایا۔ رپورٹ میں اس بات کی نشاندہی کی گئی کہ صدر کے سکیورٹی انتظامات میں

MashalBooks.com

14 اور 25 دسمبر 2003ء کو بہت سی خامیاں پائی گئیں۔ لیفٹیننٹ جنرل اشفاق کیانی کو یہ جان کر بہت حیرت ہوئی کہ ایئر فورس ٹیکنشنز کو جھنڈا چیچی پل کے نیچے سے دھماکہ خیز مواد کی صفائی میں دو دن لگے لیکن یہ مواد پولیس، ملٹری اور انٹیلی جنس اداروں کی نظروں سے اوجھل رہا حالانکہ یہ ذمہ داری انہی لوگوں کی تھی۔

MashalBooks.com

# حافظ عرفان

''پاکستان عوام کو جن دو بڑے مسائل کا سامنا ہے اس میں مہنگائی اور بے روزگاری سرفہرست ہیں اور منتخب ہونے کے بعد مہنگائی پر کنٹرول میری اولین ترجیحات میں ہے۔ یہ کام کرنے کا وقت ہے ہمیں ملک کو آگے لیکر جانا ہے۔ میں عوام کو سبز باغ نہیں دکھانا چاہتا بلکہ میں عمل پر یقین رکھتا ہوں۔''

30 جولائی 2004ء کی شام سات بجے اٹک میں فتح جنگ کے قریب جعفر چوک میں شوکت عزیز جب اپنی انتخابی مہم کے سلسلے میں جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے یہ الفاظ دوہرا رہے تھے تو انہوں نے شاید یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ کچھ ہی دیر بعد ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ پنڈال میں اور اسٹیج کے اردگرد اس وقت تک سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ پولیس کمانڈوز نے اپنی پوزیشنیں سنبھال رکھی تھیں اور انٹیلی جنس کے افراد بھی وہاں موجود تھے۔ شوکت عزیز انتہائی سخت حفاظتی حصار میں تھے۔ شوکت عزیز نے جیسے اپنی تقریر ختم کی تو جلسہ گاہ سے اعلان کیا گیا کہ چائے کا اہتمام پنڈال کے بائیں جانب کیا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی عوام کا ہجوم چائے کی میزوں کی جانب بڑھنے لگا۔ پنڈال کے قریب شوکت عزیز اور ان کا موٹر کیڈ تیار کھڑا تھا۔ شوکت عزیز کو ان کے عملہ نے سیاہ رنگ کی بلٹ پروف گاڑی نمبر آئی ڈی ای 8083 میں

MashalBooks.com

بٹھایا۔ان کے بیٹھتے ہی موٹر کیڈ آہستگی سے آگے بڑھنے لگا۔اس دوران سلیٹی رنگ کے کپڑوں میں ملبوس ایک 20 یا22 سالہ نوجوان تیزی سے ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور شوکت عزیز کی بلٹ پروف گاڑی سے جڑنے کے بعد خود کو دھماکے سے اڑا دیا۔ دھماکہ ہوتے ہی ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔خودکش حملہ آور نے اپنے آپ کو لیفٹ ہینڈ ڈرائیو گاڑی کے بائیں طرف ٹکرایا تھا شاید اسے علم نہیں تھا کہ شوکت عزیز دائیں طرف والی سیٹ پر بیٹھے ہیں۔ڈرائیور نے دھماکے کی آواز سنتے ہی گاڑی کو ریورس کر کے عقب کی جانب لیجانے کی کوشش کی۔تاہم اس وقت تک دھماکے سے بلٹ پروف گاڑی کا بایاں دروازہ ٹوٹ چکا تھا۔ڈرائیور عبدالرحمٰن کی گردن میں اس دوران کوئی چیز لگی جس سے اس کی اسی وقت موت واقع ہوگئی۔ دھماکے کے ساتھ ہی گردوغبار اور چیخ وپکار کا طوفان اٹھا جس سے بھگدڑ مچ گئی۔کئی گاڑیاں تباہ ہوگئیں اور مرنے والوں کے اعضاء ہر طرف بکھر گئے۔شوکت عزیز کو سکیورٹی کے افراد نے بلٹ پروف گاڑی سے نکالا اور جلسہ گاہ کے عقب سے پیدل چلاتے ہوئے کھیتوں میں لے گئے جہاں پارلیمانی سیکرٹری عمر ایوب خان کی گاڑی تیاری کھڑی تھی۔انہیں اس گاڑی میں بٹھا کر دھماکے سے دور محفوظ مقام پر پہنچا دیا گیا۔

شوکت عزیز پر خوفناک خودکش حملہ کس نے کیا؟ ان سوالوں کے جواب تلاش کرنا انٹیلی جینس اداروں کے لئے فوری طور پر بڑا مشکل کام تھا۔ یہ ایک معجزہ ہی تھا کہ جنرل مشرف کی طرف شوکت عزیز بھی خودکش حملے میں بال بال بچ گئے۔اس معجزے میں خودکش حملہ آور کے غلط اندازے کے علاوہ شوکت عزیز کی خوش قسمتی کا بھی بڑا عمل داخل تھا۔

شوکت عزیز پر خودکش حملے میں ان کے ڈرائیور سمیت 8 افراد ہلاک ہوگئے تھے۔خودکش حملہ آور کا سر، بازو اور جسم کے لوتھڑے بھی پنڈال سے مل گئے۔حملہ آور کا چہرہ بری طرح مسخ ہو چکا تھا اور دھماکے سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے اپنے جسم کے ساتھ کم ازکم دو طاقتور بم باندھ رکھے تھے۔انٹیلی جنس اداروں اور سکیورٹی ٹیموں کو تاریکی کی وجہ سے شواہد اور ثبوت اکٹھے کرنے میں دشواری کا سامنا تو کرنا پڑا لیکن سرچ لائیٹوں کی مدد سے یہ کام کرلیا گیا۔

فتیشی ٹیموں کے سامنے سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ خودکش حملہ آور کون تھا؟ انٹیلی جنس ایجنسیوں کو موقع سے جو شواہد ملے ان میں خودکش حملہ آور کی وہ پھٹی ہوئی قمیض بھی شامل تھی جو

اس نے حملہ کے وقت پہن رکھی تھی۔ اس قمیض پر اٹک کے عارف ٹیلرز کا سٹیکر لگا ہوا تھا۔ یہی ایک ایسا کلیو تھا جو اس خودکش حملہ آور کی شناخت کر سکتا تھا۔ انٹیلی جنس اداروں نے سب سے پہلے اٹک کے عارف ٹیلرز کے مالک محمد عارف کو اٹھایا اور اسے سیف ہاؤس میں منتقل کر دیا۔ جہاں تفتیشی ٹیموں نے اس سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔

تحقیقات کا دائرہ کالعدم تنظیموں کے ارکان سے لیکر جیلوں میں بند بڑے دہشت گردوں تک پھیلا گیا اور ان سے بھی بہت سی اہم معلومات اگلوائی گئیں۔ عارف ٹیلرز کے کلائنٹس کی پوری تفصیل بھی لے لی گئی اور ان سے بھی تفتیش کی گئی۔

انٹیلی جنس اداروں کو اس دوران یہ پتہ چل گیا تھا کہ خودکش حملہ آور نے عارف ٹیلرز سے یہ قمیض کب سلوائی اور اسکا اتا پتہ کیا ہے؟ تاہم انہیں خودکش حملہ آور کی شناخت کا یقین اس وقت آیا جب کالعدم تنظیموں کے بہت سے گرفتار ہونے والے جنگجوؤں نے بھی اس خودکش حملہ آور کے بارے میں بھی بہت سے شواہد دیئے۔

شوکت عزیز پر خودکش حملہ کرنے والے کا پورا نام حافظ محمد عرفان تھا۔ کالعدم جماعتوں کے جتنے بھی بڑے دہشت گرد اس دوران ملک کے مختلف شہروں سے گرفتار ہوئے ان میں سے بہت سوں نے عرفان کو خودکش حملہ آور کے طور پر شناخت کیا۔ 23 سالہ حافظ محمد عرفان لاہور میں پیدا ہوا۔ اس کے والد محمد مختار ٹیلر ماسٹر ہیں اور لاہور کے شیش محل روڈ پر چودھری ہسپتال کے قریب ان کا چھوٹا سا گھر ہے۔ عرفان نے ابتدائی تعلیم مدرسے میں حاصل کی اور بعد میں ایم اے او کالج سے بی کام کیا۔ تین بہنوں اور دو بھائیوں میں بڑا ہونے کی حیثیت سے اس پر گھر چلانے کی معاشی ذمہ داریاں بھی تھیں۔ بی کام کرنے کے بعد اس نے یادگار چوک کے قریب کونیکا کلر لیب اور بعد میں مال روڈ کے آواری ہوٹل میں ٹیلی فون آپریٹر کی حیثیت سے ملازمت کر لی۔

تفتیش کاروں کے مطابق عرفان کے مذہبی و جہادی لوگوں سے ماضی میں زیادہ رابطے نہیں رہے تاہم 2002ء میں اس کی دوستی نیو انارکلی لاہور کے ایک رہائشی ذیشان بٹ عرف عمران سے ہوئی جو افغان جنگ میں فوجی تربیت حاصل کر چکا تھا۔ ذیشان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے تعلقات جنرل پرویز مشرف پر حملے میں ملوث افراد کے ساتھ بھی تھے۔ بعض ذرائع

MashalBooks.com

MashalBooks.com

MashalBooks.com

MashalBooks.com

MashalBooks.com

MashalBooks.com

کے مطابق ذیشان ہی وہ جنگجو تھا جو عرفان کو امجد فاروقی کے پاس لے گیا۔ تفتیش کاروں کے مطابق امجد فاروقی نے عرفان کو شوکت عزیز پر خودکش حملے کے لئے تیار کیا۔

تفتیش کاروں کے مطابق مارچ 2004ء میں عرفان نے اپنا گھر چھوڑ دیا۔ گھر چھوڑنے کے بعد وہ دوبارہ گھر نہیں گیا۔ عرفان کے اہلخانہ اس بارے میں مختلف موقف رکھتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ 6 اپریل 2004ء کی شام سات بجے عرفان اپنی ڈیوٹی ختم کر کے ہوٹل سے واپس آیا اور تھوڑی دیر بعد باہر چلا گیا۔ رات گئے اس نے فون کر کے اپنی والدہ کو بتایا کہ راولپنڈی میں اس کے ایک دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اس لئے وہ راولپنڈی جا رہا ہے اس کے بعد عرفان کا اپنے گھر والوں سے رابطہ نہیں ہوا۔

تفتیش کاروں کو یقین ہے کہ مارچ سے جولائی 2004ء تک کے پانچ ماہ عرفان نے کالعدم جماعتوں کے انہی جنگجوؤں کے ساتھ گزارے۔ امجد فاروقی، اسامہ نذیر اور بعض دیگر جنگجو اس کے ساتھ رابطے میں تھے۔ تفتیش کاروں کے مطابق عرفان کے خیالات میں تبدیلی بھی انہی جنگجوؤں کی کمپنی کے باعث آئی وگرنہ ایسا نوجوان جس پر گھر کی معاشی ذمہ داریاں بھی ہوں اتنی جلدی ایسے لوگوں میں گھل مل کر خودکش حملے جیسا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا۔ انٹیلی جنس ایجنسیوں کو یقین ہے کہ عرفان ہی وہ ملزم تھا جس نے شوکت عزیز پر خودکش حملہ کیا۔ اس بارے میں وہ یہ دلائل بھی دیتے ہیں کہ اس حملے کی تفتیش حملہ آور کی کالر پر چسپاں درزی کے سٹیکر سے شروع ہوئی تھی اور عرفان کا والد بھی درزی ہے۔ عرفان کے والد مختار کا ڈی این اے ٹیسٹ بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کیونکہ وہ خودکش حملہ آور کے ڈی این اے ٹیسٹ سے ملتا ہے۔

حافظ عرفان کے اہلخانہ اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ وہ اتنا بڑا قدم اٹھا سکتا ہے۔ عرفان کے والد محمد مختار کے مطابق سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے یہ کیا کر دیا۔ حافظ محمد عرفان کے اہلخانہ لاہور میں داتا دربار کے پاس شیش محل روڈ پر چودھری ہسپتال کے قریب ایک تنگ سی گلی کے چھوٹے سے مکان میں رہائش پذیر ہیں۔ اس مکان کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس گھر کے مکینوں نے ابھی تک خوشحالی نہیں دیکھی۔

حافظ محمد عمران کی ہمشیرہ حمیرا، کزن نوید اور ماموں رانا اعجاز کا آج بھی موقف یہی ہے کہ پولیس نے کس ''بڑے'' کو بچانے کے لئے حافظ عرفان کو مبینہ طور پر خود ہی ہلاک کر کے اس پر

MashalBooks.com

وزیراعظم شوکت عزیز پر خودکش حملے کا کیس ڈال دیا۔ حافظ محمد عمران کی ہمشیرہ حمیرا نے بتایا کہ شوکت عزیز پر خودکش حملے کے بعد پولیس اور انٹیلی جنس اداروں نے ہمارے گھر پر چھاپہ مارا اور میرے والد اور چھوٹے بھائی کو گرفتار کر کے لے گئی۔ بعد میں پولیس نے مجھے بھی گرفتار کر لیا اور تین دن تک گرفتار رکھنے کے بعد مجھ پر آوارہ گردی کا بے بنیاد مقدمہ بنا دیا۔ والد مختار احمد کو بھی اڑھائی ماہ حراست میں رکھا گیا۔ اگست 2004ء میں نولکھا پولیس نے راولپنڈی پولیس کے ساتھ مل کر ہمارے گھر پر چھاپہ مارا اور میرے والد اور والدہ کو گرفتار کر کے راولپنڈی لے گئے۔ جہاں پر ان کے خون کے نمونے حاصل کئے گئے۔ ہمارے پوچھنے پر پولیس نے بتایا کہ کالعدم مذہبی تنظیم کے دہشت گرد امجد فاروقی کے پاس سے حافظ عمران کی تصاویر برآمد ہوئی تھیں۔ حمیرا نے بتایا کہ ہم نے مقصود مرتبہ پولیس سے حافظ عمران کے بارے میں پوچھا مگر وہ ٹال مٹول سے کام لیتے رہے اور ہمیں چھ ماہ تک نہیں بتایا گیا کہ عرفان ''شہید'' ہو چکا ہے۔ میرے بھائی کا تعلق کسی بھی مذہبی یا سیاسی تنظیم سے نہیں تھا۔ اس نے دو سال قبل فوج میں کمیشن حاصل کرنے کے لئے آئی ایس ایس بی کے امتحانات دیئے تھے۔ سارے ٹیسٹوں میں اس نے نمایاں پوزیشن حاصل کی لیکن نظر کی کمزوری کی بناء پر اسے مسترد کر دیا گیا۔ حمیرا نے مزید بتایا کہ میرے بھائی کو حکومت نے خود مارا ہے۔ شاید وہ میرے بھائی کو مار کر کسی ''بڑے'' کو بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔ پولیس اور انٹیلی جنس اداروں نے 2004ء کے آخری سات ماہ میں ہمیں بہت تنگ کیا۔ پولیس راتوں کو دروازے توڑ کر اور کبھی دیواریں پھلانگ کر ہمارے گھر میں داخل ہوئی۔

حافظ محمد عمران کے کزن نوید اور ماموں رانا اعجاز کے مطابق عرفان انتہائی نرم مزاج اور شریف نوجوان تھا۔ اس کا کسی بھی جماعت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ کسی کی جان لینے جیسا اقدام نہیں کر سکتا۔

حافظ عمران کے والد محمد مختار شاہد اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہیں اور ان کا اس بارے میں کہنا یہ ہے کہ سب کچھ قدرت کی طرف سے تھا ہم قدرت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ عرفان کو اس انجام تک پہنچانے والے اس کے دوست ہیں۔ عرفان اور اس کے دوستوں نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ مجھے عرفان کے سر کی جو تصاویر دکھائی گئیں۔ اس میں اس کے بال محفوظ ہیں۔ اگر اس نے خود کو بم سے اڑایا تو اس کے بال کیسے محفوظ رہے؟ عرفان کے والد نے بتایا کہ عرفان کو ان

راستوں پر لے جانے والا اس کا دوست سلمان تھا۔ سلمان کا خالہ زاد ہارون سعید عرفان کا دوست بنا جو افغانستان گیا اور گرفتار بھی ہوا۔ محمد مختار کے مطابق اسے ڈی ایس پی رانا شاہد نے راولپنڈی بلوا کر کہا کہ میں دل بڑا کروں اور حوصلے سے کام لوں۔ ڈی ایس پی نے میرے بیٹے کے کٹے ہوئے سر کی تصاویر دکھا کر کہا کہ میں چاہوں تو اپنے بیٹے کی ہڈیاں وغیرہ تدفین کے لئے لے جا سکتا ہوں۔ میں نے اپنے بیٹے کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا ہے۔ لوگ ہم سے افسوس کر رہے ہیں۔ ہنستے ہیں کوئی آنکھوں سے مذاق اڑاتا ہے۔ ہر کسی کا اپنا انداز ہے۔ آج سب خبریں دے رہے ہیں۔ چند دن کا تماشا ہے جو ختم ہو جائیگا۔

MashalBooks.com

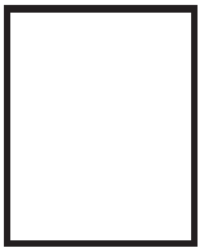

# محمد جمیل

25 دسمبر 2003ء کو جب محمد جمیل انتہائی تباہی مچانے والے سی فور دھماکہ خیز مواد کے ساتھ پک اپ گاڑی میں بیٹھا جنرل پرویز مشرف کی موٹر کیڈ کا انتظار کر رہا تھا تو اس وقت وہ ذہنی طور پر بڑا مصروف نظر آ رہا تھا۔ اس دوران اسے بعض کالیں بھی موصول ہوئیں جن کا اس نے مختصر سا جواب دیا۔ جمیل کا خیال یہ تھا کہ اس کا سیل فون جنرل مشرف پر خودکش حملے میں اس کے ساتھ ہی تباہ ہو جائے گا۔ اس کا اندازہ کسی حد تک صحیح تھا لیکن اس کے موبائل کی ''سم'' حملے کے بعد انٹیلی جنس اداروں کو صحیح حالت میں مل گئی اور موبائل کی اس ''سم'' نے جنرل مشرف پر حملہ کرنے والے خودکش حملہ آور محمد جمیل کو بے نقاب کر دیا۔

23 سالہ محمد جمیل ولد سہیل خان راولا کوٹ آزاد کشمیر کا رہنے والا تھا۔ خودکش دھماکے کے بعد اس کا کٹا ہوا سر جائے وقوعہ کے قریب ہی ایک تھانے کی چھت سے مل گیا۔ اس کا ایک حصہ بہتر حالت میں تھا جبکہ دوسرے حصے سے گوشت غائب تھا۔ ماہرین نے کھوپڑی، سر اور چہرے کی مدد سے جمیل کی تصویر مکمل کی جس سے فوراً اس کی شناخت ہوگئی۔ جمیل کا تعلق کالعدم جیش محمد سے تھا۔ وہ جنوری 2001ء میں آزاد کشمیر میں کپڑے کے ایک افغان تاجر کے ذریعے فوجی تربیت لینے کے لیے تورخم کے راستے جلال آباد گیا تھا۔ بعد ازاں وہ کابل چلا گیا اور دارالامان

کے علاقے میں رہنے لگا۔ امریکی حملے کے بعد جب شمالی اتحاد کے فوجی کابل میں داخل ہوئے تو وہ طالبان کی طرف سے ان کا مقابلہ کرتے ہوئے شدید زخمی بھی ہوا اور پھر پکڑا گیا۔ جمیل کو 15 دن کابل کے ایک ہسپتال میں رکھا گیا اور بعد میں ایک سمجھوتے کے تحت حکومت پاکستان کے حوالے کر دیا گیا۔ اسے 30 دوسرے عسکریت پسندوں کے ہمراہ فوجی طیارے میں پشاور لایا گیا۔ یہاں اسے حراست میں لیکر امیگریشن قوانین کی خلاف ورزی کا الزام لگایا گیا۔ اپریل 2002ء میں تفتیش کے بعد اسے رہا کر دیا گیا۔ جمیل نے حملے میں استعمال ہونے والی پک اپ گاڑی جس کار ڈیلر سے خریدی اسے ڈیلر کو بھی بلا کر جمیل کی شناخت کروائی گئی۔ اس نے بھی جمیل کے گاڑی خریدنے کی تصدیق کی۔ بعض ذرائع کے مطابق جمیل کو اس کے والدین نے اس کی عادتوں اور حرکتوں سے تنگ آ کر گھر سے نکال دیا تھا۔ جمیل نے گھر سے نکلنے کے بعد ایک جہادی تنظیم میں شمولیت اختیار کر لی۔ تحقیقاتی ٹیمیں حملے کے بعد جب جمیل کے والد سہیل خان تک پہنچیں تو اس نے بھی تفتیش کاروں کو یہی بتایا کہ انہوں نے تین برس قبل جمیل کو گھر سے نکال دیا تھا۔ جمیل کے ''نھواڑ'' کے علاقے میں ایک جہادی تنظیم سے وابستہ چند افراد سے بہت زیادہ اور قریبی تعلقات تھے۔ جمیل کے رشتہ داروں نے تفتیش کاروں کو بتایا کہ وہ جنرل پرویز مشرف کو مغرب نواز سمجھتا تھا اور اس کے بقول جنرل مشرف نے طالبان کو دھوکہ دیا اور اب وہ کشمیر پر سودے بازی میں مصروف ہیں۔

MashalBooks.com

# کامران عرف عاطف

کامران عاطف کا تعلق کالعدم حرکت المجاہدین العالمی سے ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ جماعت کے خودکش حملہ آور دستے کا سالار تھا۔ کامران عرف عاطف صدر جنرل پرویز مشرف پر قاتلانہ حملوں، امریکن قونصلیٹ پر خودکش حملے سمیت دہشت گردی کے متعدد بڑے واقعات میں ملوث تھا۔ کامران کو 19 مئی 2004ء کو ایک پولیس مقابلے کے بعد گرفتار کیا۔ کامران عرف عاطف کا نام سندھ پولیس کی ریڈ بک میں صفحہ نمبر 13 پر درج ہے اور اسے انتہائی دہشت گردوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ پولیس مقابلے کے بعد جب اسے زخمی حالت میں ہسپتال لے جایا جا رہا تھا تو اس نے اخباری رپورٹروں کو دیکھ کر اللہ اکبر اور کفر و اسلام کی جنگ جاری رہے گی کے نعرے لگائے۔ حالانکہ اس وقت اس کی حالت انتہائی تشویش ناک تھی۔ حکومت سندھ نے اس کی گرفتاری پر 30 لاکھ روپے کا انعام مقرر کر رکھا تھا۔ کامران عرف عاطف کی گرفتاری کے بعد اس کے ساتھیوں نے اپنے ''سالار'' کو پولیس کی حراست سے چھڑانے کے بھی منصوبے بنائے۔ تاہم پتہ چلنے پر اس کے 6 ساتھیوں کو حراست میں لے لیا گیا جنہوں نے دوران تفتیش تسلیم کیا کہ وہ کامران عرف عاطف کو کراچی جیل پر حملہ کر کے چھڑانے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ انہوں نے ریموٹ کنٹرول اور خودکش حملوں کے ذریعے اعلیٰ افسران کو اڑانے کی بھی منصوبہ بندی کی تھی تا کہ کامران عرف عاطف کی رہائی کے لیے حکومت پر دباؤ ڈالا جا سکے۔

MashalBooks.com

# شمیم عرف شامی

27 سالہ شمیم عرف شامی کا تعلق کالعدم لشکر جھنگوی سے تھا اور وہ آصف رمزی گروپ کا اہم کردار اور بم بنانے کا ماہر ہے۔ تاہم یہ اس کی شہرت کا حوالہ نہیں بلکہ اس کی شہرت کا حوالہ یہ ہے کہ وہ افغانستان میں اسامہ بن لادن کے حفاظتی دستہ میں رہ چکا ہے۔

شمیم کا تعلق کراچی کے علاقے جمشید کوارٹر نمبر تین سے ہے۔ میٹرک تک اس نے تعلیم حاصل کی اور پھر اس کے بعد اس نے کالج کی شکل نہیں دیکھی۔ سی آئی ڈی کراچی کی ریڈ بک میں بھی اس کا نام شامل ہے۔ شمیم عرف شامی کو جب 17 جنوری 2004ء کو گلستان جوہر کراچی کے علاقے سے گرفتار کیا گیا تو اس کی گرفتاری کو ایک بہت بڑا بریک تھرو قرار دیا گیا۔ یہ بات اس وقت ثابت ہوگئی جب شمیم کی نشاندہی پر انٹیلی جنس ایجنسیوں اور پولیس نے کئی بڑی گرفتاریاں کیں۔

18 جنوری 2004ء کی درمیانی شب اور 19 جنوری کی دوپہر شمیم کی نشاندہی پر کراچی کی بستی منظور آباد کے علاقے جونیجو ٹاؤن کے ایک مکان سے آتش گیر مادہ اور تیار بموں کو تحویل میں لیا گیا۔ شمیم عرف شامی کے مطابق یہ بم اور آتش گیر مادہ اہم شخصیات اور مغربی اہداف پر حملوں کے لیے استعمال کیا جانا تھا۔ تیار بم اس قدر خطرناک تھے کہ انہیں ناکارہ بنانے کے لیے

MashalBooks.com

بم ڈسپوزل کے علاوہ آرمی اور پاک بحریہ کے ماہرین نے بھی حصہ لیا۔ جونیجو ٹاؤن کے اس مکان سے انٹیلی جنس ایجنسیوں نے بہت بڑی تعداد میں ہینڈ گرینڈ، پائپ بم، چائنہ بم، کھلونا بم، پارسل بم، ریموٹ کنٹرول ڈیوائس، ڈیٹونیٹر، آتش گیر مادہ، مذہبی لٹریچر اور اسلحہ بھی برآمد کیا۔ اس بارود خانے سے ایک رجسٹر بھی ملا جس میں بعض سینئرز پولیس حکام، مذہبی رہنماؤں، چرچوں، عبادت گاہوں، شاپنگ سنٹرز اور اہم مقامات کے بارے میں معلومات درج تھیں۔ شمیم عرف شامی کے مطابق جن لوگوں کے نام رجسٹر میں درج تھے انہیں نشانہ بنایا جانا تھا۔

تفتیش کاروں نے شمیم عرف شامی کے القاعدہ جنگجوؤں سے روابط کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا کیونکہ اس کے قبضے سے غیر ملکی باشندوں کی تصاویر، فنگر پرنٹس کے علاوہ ایسے شواہد بھی ملے جو اس کے القاعدہ جنگجوؤں سے تعلقات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

MashalBooks.com

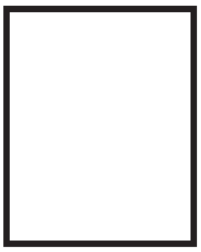

# سیف الرحمٰن
# عرف سیفی

سیف الرحمٰن عرف سیفی سکنہ لال ضلع لیہ نے خالد بن ولد کیمپ خوست افغانستان سے ملٹری ٹریننگ لی۔ سیف کو خودکار ہتھیار، راکٹ، گرنیڈ اور بم دھماکوں میں مہارت حاصل تھی اور اس کی سرگرمیوں کے مراکز اسلام آباد اور راولپنڈی کا علاقہ تھا۔ افغانستان میں وہ شمالی اتحاد کے خلاف بھی جنگ میں مصروف رہا۔ دوران ٹریننگ اسے خالد بن ولد کیمپ کے پبلیکیشنز سیکشن میں بھی تعینات کیا گیا۔ 1998ء میں افغانستان پر امریکی میزائل حملے کے بعد وہ انڈر گراؤنڈ چلا گیا۔ دسمبر 99ء میں پاکستان آیا اور مارچ 2000ء میں اس کی شادی ہوگئی۔ بعدازاں اسے اسلام آباد بلا لیا گیا۔ یہاں سے وہ پھر افغانستان چلا گیا اور افغانستان پر امریکی حملے کے بعد واپس آیا۔ نومبر 2001ء میں پاکستان میں امریکی اثر و رسوخ کو روکنے کے لئے جب شر پسند عناصر نے خودکش حملوں کا فیصلہ کیا تو سیف الرحمٰن کو شمالی پنجاب میں ہونے والے آپریشنز کا انچارج مقرر کیا گیا۔ اس گروپ نے 17 مارچ 2002ء کو پروٹسٹنٹ انٹرنیشنل چرچ اسلام آباد 5 اگست 2002ء کو کرسچین سکول مری اور 9 اگست 2002ء کو کرسچین ہاسپٹل ٹیکسلا میں حملے

MashalBooks.com

کئے۔ جن سے بہت سے افراد ہلاک ہو گئے۔ سیف کو ٹیکسلا کے حملے کے بعد کوٹ ادو پنجاب سے عتیق الرحمان کے گھر سے گرفتار کیا گیا۔ سیف الرحمان کیخلاف درج ایف آئی آر ز یہ ہیں۔

(1) ایف آئی آر نمبر 62/2002‘ 17 مارچ 2002ء PPc302/324
34-A,6/7 ATA, 3/4EA سیکرٹریٹ پولیس سٹیشن اسلام آباد۔

(2) ایف آئی آر نمبر 110/2002 ‘ 20 مارچ 2002ء PPc302 پولیس سٹیشن پیرودھائی راولپنڈی۔

(3) ایف آئی آر نمبر 300/2002, 5 اگست 2002ء PPC302
34/120-B, 7ATA ‘پولیس سٹیشن مری ضلع راولپنڈی۔

(4) ایف آئی آر نمبر 485/2002 ‘ 9 اگست 2002ء PPC302/34
324,4/5EA7ATA پولیس سٹیشن ٹیکسلا۔

(5) ایف آئی آر نمبر 346/2002‘ 14 ستمبر 2002ء PPc(STAA)
7/21/91,3/4 Ea13B/20/65A ‘پولیس سٹیشن مری۔

(6) ایف آئی آر نمبر 587/2002‘ 26 ستمبر 2002ء PPc(STAA)
7/21/91 پولیس سٹیشن ٹیکسلا۔

MashalBooks.com

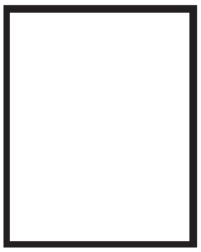

# محمد ایاز
# عرف وقار

سلطان پارک لاہور کے رہائشی ناردرن گیس پائپ لمیٹڈ کے ڈرائیور عبدالقیوم کا بیٹا محمد ایاز ملٹری ٹریننگ کے لئے افغانستان 2000ء میں گیا۔ ٹریننگ کے بعد اسے بگرام میں تعینات کیا گیا۔ جہاں وہ شمالی اتحاد کی فوجوں کے خلاف لڑتا رہا۔ 2001ء کے آغاز میں وہ پاکستان آیا اور بالاکوٹ چلا گیا۔ مئی 2002ء میں سیف الرحمان نے اس سے رابطہ کیا اور اسے امریکہ کے خلاف آپریشنز پر آمادہ کیا۔ اگلے ماہ وہ مری چلا گیا اور ریحان بابر اور کامران بٹ سے ملاقات کی۔ ریحان بابر پر مری سکول پر حملے کا الزام ہے۔ جبکہ کامران بٹ کرسچین ہاسپٹل ٹیکسلا پر حملے کے دوران مارا گیا۔ جولائی 2002ء میں ابوبکر نے ایاز کو بتایا کہ ان کا ٹارگٹ کرسچین ہاسپٹل ٹیکسلا ہے۔ 8 اگست 2002ء کو ان سب کا گروپ ٹیکسلا گیا اور انہوں نے ہسپتال کو چک کیا۔ ان سب کی قیادت سیف الرحمان کر رہا تھا۔ اگلی صبح ابوبکر نے ایاز سے ملاقات کی۔ ٹیکسلا فلائی اوور کے قریب کامران نے انہیں ہتھیار اور بارود دیا۔ ہسپتال میں چہل پہل شروع ہوتے ہی انہوں نے حملہ کر دیا۔ ایاز اس حملے میں بچ گیا اور وہ وہاں سے بنوں اور پھر بس کے

MashalBooks.com

ذریعے لاہور پہنچا لیکن پھر پولیس کے ہتھے چڑھ گیا' ایاز کے خلاف تین ایف آئی آرز درج ہیں جو یہ ہیں۔

(1) ایف آئی آر نمبر 110/2002 '20 مارچ 2002 302 PPc پولیس سٹیشن پیرودھائی راولپنڈی۔

(2) ایف آئی آر نمبر 485/2002 '9 اگست 2002 302/34 PPc 7ATA, 4/5EA' پولیس سٹیشن ٹیکسلا۔

(3) ایف آئی آر نمبر 550/2002 '1 STAA7/21/9 PPc, پولیس سٹیشن ٹیکسلا

MashalBooks.com

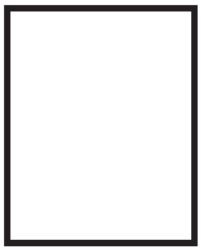

# عتیق الرحمان
# عرف عبداللہ

مظفر گڑھ کے رہائشی عتیق الرحمان کی کہانی اس وقت شروع ہوئی جب 1996ء میں عتیق الرحمان مظفر گڑھ کے ایک دینی مدرسے میں بچوں کو پڑھا رہا تھا۔ اس دوران مولانا عبدالغنی نے مدرسے کا دورہ کیا اور وہاں موجود افراد کو طالبان میں شمولیت کو کہا۔ عتیق الرحمان اور ان کے چار شاگرد اتنے متاثر ہوئے کہ وہ فوراً اس دن ''طالبان حویلی'' کوٹ ادو چلے گئے۔ اگلے 24 گھنٹے میں انہیں دیگر 50 افراد کے ساتھ بس پر قندھار پہنچا دیا گیا۔ یہاں سے انہیں خالد بن ولید ٹریننگ کیمپ بھجوا دیا گیا۔ یہاں عتیق الرحمان کو 40 دن تک بھاری ہتھیاروں کے استعمال، راکٹ لانچر کی تربیت دی گئی۔ بعد میں انہوں نے جنگی کورسز کی ٹریننگ بھی لی۔ اگلے 4 سال تک وہ افغانستان میں ہی طالبان کے ساتھ ملکر شمالی اتحاد کی فوجوں کیخلاف لڑتے رہے۔ 2000ء میں ایک کالعدم جماعت میں شمولیت کے بعد بالاکوٹ کے احمد شہید کیمپ میں آ گئے۔ خودکش حملوں کے فیصلے کے بعد عتیق الرحمان کو جنوبی پنجاب کی ذمہ داری سونپی گئی اور ملتان ان کا ٹارگٹ ایریا قرار پایا۔

MashalBooks.com

اس گروپ نے مشن ہاسپٹل ابدالی روڈ ملتان کو ٹارگٹ بنا کر کام شروع کیا کیونکہ یہاں غیر ملکیوں کی آمدورفت تھی۔ عتیق الرحمان نے قبائلی علاقے سے راکٹ لانچر 6 راکٹ اور 490 ڈیٹونیٹر خریدے۔ یہ گروپ ٹارگٹ کی تلاش میں تھا کہ مری اسلام آباد اور ٹیکسلا میں حملوں کے بعد جب کریک ڈاؤن شروع ہوا تو گروپ نے اپنے آپریشنز معطل کر دیئے۔ عتیق الرحمان کے خلاف ایک ایف آئی آر نمبر 241/2002ء 15 اگست 2002ء Pc120/B, EA4/67ATA پولیس سٹیشن گلگشت کالونی ملتان میں درج ہے۔

MashalBooks.com

# خود کش حملہ آوروں
# کے سکواڈ کے ارکان

MashalBooks.com

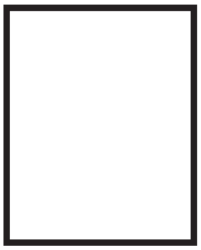

# محمد اظہار
# عرف کاشف

محمد اظہار عرف محمد کاشف نے بھی خوست کے ٹریننگ کیمپ سے تربیت حاصل کی۔ ضلع گوجرانوالہ کے رہائشی اظہار کی پیدائش 13 ستمبر 1983ء ہے اور اس کے خلاف تین ایف آئی آر درج ہیں۔ محمد اظہار جنوری 2000ء میں پاکستان واپس آیا اور باورچی کی حیثیت سے ایک کالعدم جماعت کے ساتھ منسلک ہو گیا۔ بعدازاں وہ چندہ جمع کرنے کے کام پر لگ گیا۔ نومبر 2000ء میں بہاولپور میں ہونیوالی ایک میٹنگ میں اس نے شرکت کی بعدازاں وہ پھر افغانستان چلا گیا۔ وہاں سے واپسی پر وہ بالاکوٹ کے کیمپ میں آ گیا۔ یہاں اسے خودکش حملوں کے لئے تشکیل دیئے جانے والے سکواڈ میں شمولیت پر راضی کیا گیا۔ اظہار کی رضامندی کے بعد اسے رحمان کے خودکش حملہ آور گروپ کے ساتھ منسلک کر دیا گیا۔ فروری 2002ء میں اسے راولپنڈی میں بلایا گیا اور پھر لاہور شفٹ ہونے کے لئے کہا گیا۔ لاہور میں اعجاز اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ کئی ماہ قیام پذیر رہا۔ جولائی میں یہ ٹاسک دیا گیا کہ وہ شہر میں غیر ملکیوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کرے۔ ٹیکسلا میں حملے کے بعد اظہار اور اس کے ساتھی ملتان چلے گئے

MashalBooks.com

جہاں انہیں عتیق الرحمان وصول کیا۔ اظہار کو بعدازاں کوٹ ادو میں عتیق الرحمان کے گھر سے گرفتار کیا گیا۔ اظہار کیخلاف درج ایف آئی آر یہ ہیں۔

(1) ایف آئی آر نمبر110/2002 '20 مارچ2002ء PPC پولیس سٹیشن پیرودھائی راولپنڈی۔

(2) ایف آئی آر نمبر300/2002 ' ,302PPC`ATA3247پولیس سٹیشن مری۔

(3) ایف آئی آر نمبر351/2002 '

EA4/5 پولیس سٹیشن مری

MashalBooks.com

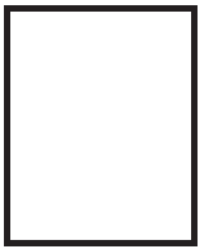

# محمد آصف رضا
# عرف بابو

محمد آصف رضا کا تعلق ایک انتہائی غریب گھرانے سے ہے اور اس کے والد کی ناظم آباد کراچی میں سائیکل کے پنکچر لگانے کی دوکان ہے۔ آصف کی پیدائش 10 اکتوبر 1981ء کو ہوئی اور وہ نویں کلاس میں کالعدم جماعت کا رکن بن گیا۔ 2000ء میں اس نے ایک نئی بننے والی جماعت میں شمولیت اختیار کر لی۔ جون 2001ء میں وہ پہلی بار افغانستان گیا۔ کابل میں اس نے ہتھیار چلانے کی ٹریننگ لی۔ اکتوبر 2001ء میں وہ اور اس کے 35 ساتھی آزاد کشمیر چلے گئے جہاں انہیں آٹومیٹک ہتھیاروں کے استعمال کی ٹریننگ دی گئی۔ جولائی 2002ء میں اس کی ملاقات سیف الرحمان سے ہوئی۔ محمد آصف امریکہ کے خلاف جنگ میں سیف الرحمان کی مدد کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ یہاں سے وہ لاہور چلے گئے جہاں آصف نے اظہار کے ساتھ مل کر کام کیا۔ اسے بھی کوٹ ادو میں عتیق الرحمان کے گھر سے گرفتار کیا گیا۔

MashalBooks.com

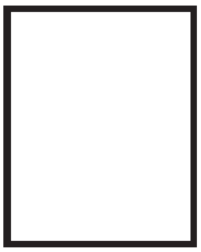

# عبدالقدیر
# عرف جاوید اقبال

عبدالقدیر کی فیملی سکھر سے رحیم یار خاں اس وقت مائیگریٹ ہوئی جب قدیر نے تیسری کلاس کا امتحان پاس کیا۔ پرائمری تعلیم کے بعد اسے مدرسے میں داخل کرا دیا گیا۔1999ء میں وہ ملٹری ٹریننگ کے لئے مانسہرہ چلا گیا اور پھر وہاں سے افغانستان چلا گیا۔ بگرام ائیر پورٹ پر اس کی ڈیوٹی گارڈ کے طور پر اسلحہ ڈپو کی حفاظت کی تھی۔ قدیر نے دوسری بار افغانستان کا دورہ 2001ء میں کیا۔2002ء میں اسے لاہور بلا لیا گیا۔ سیف الرحمن سے ملاقات کے بعد قدیر بھی رحمان کے خودکش حملہ آور سکواڈ میں شمولیت پر راضی ہو گیا۔ مری اور ٹیکسلا کے واقعات کے بعد اگلی ہدایات کے تحت گروپ کے ارکان کوٹ ادو چلے گئے جہاں سے اسے دیگر ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیا گیا۔

MashalBooks.com

# محمد عطااللہ عرف حسن

محمد عطا اللہ گجر خان کے ایک امام مسجد کا بیٹا ہے اور اس نے بھی خالد بن ولید کیمپ سے فوجی تربیت حاصل کی۔ تربیت کے بعد وہ آزاد کشمیر چلا گیا۔ 2000ء میں وہ پھر افغانستان چلا گیا اور لڑائی میں حصہ لیا۔ یہاں اس کی ملاقات سیف الرحمان سے ہوئی۔ سیف الرحمان نے اسے بھی پھنسا لیا اور اسے پاکستان کے اندر امریکہ کے خلاف کام کرنے کی ترغیب دی۔ عطاء سیف کی ترغیب پر راضی ہو گیا۔ مری میں ہونیوالے حملے میں عطاء نے اہم کردار ادا کیا۔ اس حملے میں عطا کا ہتھیار جام ہو گیا اور وہ فائر نہیں کر سکا۔ عطا حملے کے بعد بچ بچا کر راولپنڈی اور پھر وہاں سے کوٹ ادو پہنچا جہاں سے اسے گرفتار کر لیا گیا۔

MashalBooks.com

MashalBooks.com